مقالہ پی۔ایچ۔ڈی
کنز الایمان
اور
معروف تراجم قرآن
ڈاکٹر مجید اللہ قادری
(ایم۔ایس۔سی، ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی)
ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، پاکستان
کراچی۔اسلام آباد

مقالہ پی۔ایچ۔ڈی

کنزالایمان
اور
معروفِ تراجمِ قرآن

ڈاکٹر مجید اللہ قادری

(ایم۔ایس۔سی، ایم۔اے، پی۔ایچ۔ڈی)

ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا (رجسٹرڈ) پاکستان

کراچی

نام ـــــــ کنزالایمان اور معروف تراجم قرآن

مصنّف ـــــــ ڈاکٹر مجید اللہ قادری

سنِ اشاعت ـــــــ ۱۴۲۰ھ / ۱۹۹۹ء

تعداد ـــــــ ایک ہزار

صفحات ـــــــ

نگرانِ اشاعت ـ اقبال احمد اختر القادری

خطّاطی ـــــــ چوہدری افتخار ملّہی / چوہدری اکبر علی ملّہی

ناشر ـــــــ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا (کراچی۔ اسلام آباد)

ہدیہ ـــــــ ۳۰۰ روپیہ (بیرونِ ممالک ۱۰ ڈالر)

واحد تقسیم کار

المختار پبلی کیشنز

۲۵، جاپان مینشن ۔ رضا چوک (ریگل) صدر۔ کراچی ۷۴۴۰۰

پوسٹ بکس نمبر ۴۸۹ ۔ ٹیلی گرام "المختار" فون ۷۷۲۵۱۵۰

(اسلامی جمہوریۂ پاکستان)

بسم اللہ الرّحمٰن الرّحیم

نحمدہ ونصلّی علٰی رسولہ الکریم

انتساب

اپنے

والدِ ماجد شیخ حمید اللہ قادری حشمتی

کے نام

- جو پیکرِ صبر و رضا اور مجسمۂ حیا تھے۔
- جن کی دلی خواہش تھی کہ یہ مقالہ ان کی زندگی میں مکمّل ہو جائے، مگر افسوس کہ آپ ۱۴، ستمبر ۱۹۸۹ء بمطابق ۱۲ صفر المظفر ۱۴۱۰ھ کو انتقال فرما گئے۔

بار الٰہ! جنّت الفردوس ہو ان کا مقام

اس دُعا پر التجائے شمس کا اتمام ہے

احقر

ڈاکٹر مجید اللہ قادری

تعارف مصنّف

نام : مجیدُاللہ قادری

ولدیّت : شیخ حمیدُاللہ قادری حشمتی

پیدائش : ۳ اپریل ۱۹۵۵ء (ملیر گوٹھ) کراچی

علمی صلاحیّت:

- میٹرک (سائنس گروپ) ۱۹۷۰ء سیکنڈ کلاس
- انٹرمیڈیٹ (سائنس گروپ) ۱۹۷۰ء سیکنڈ کلاس
- بی۔ایس۔سی (آنرز) ۱۹۷۵ء پہلی پوزیشن، جامعہ کراچی
- ایم۔ایس۔سی (ارضیات) ۱۹۷۶ء پہلی پوزیشن، جامعہ کراچی
- ایم۔اے (اسلامیات) ۱۹۸۵ء تیسری پوزیشن، جامعہ کراچی
- پی۔ایچ۔ڈی (اسلامیات) ۱۹۹۳ء زیرِ نگرانی پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد جامعہ کراچی

ملازمت: اُستاد شعبۂ ارضیات جامعہ کراچی ۱۹۷۸-۱-۱ تا حال

عہدہ : ایسوسی ایٹ پروفیسر و سربراہ شعبۂ پیٹرولیم ٹیکنالوجی جامعہ کراچی

علمی سرگرمیاں:

- ایڈیٹر (اُردو سیکشن) سالنامہ معارفِ رضا
- سیکریٹری جنرل، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، پاکستان
- خطیب، جامع مسجد طیّبہ، لیاقت آباد، کراچی

قلمی خدمات:

- اِمام احمد رضا کی شخصیّت اور علوم و فنون پر ۱۵ مقالات، ۵ کُتب
- علمِ ارضیات پر ۱۸ مقالات جو مُلکی و بین الاقوامی رسائل و جرائد میں شائع ہوئے

فہرست

صفحہ نمبر

باسمہ تعالٰی

انتظاریہ

الحمدللہ یہ مقالہ طویل انتظار کے بعد اب شائع ہو ہی گیا۔
احقر نے اپنے مقالہ کا کام ۱۹۸۶ءمیں شروع کیا اور دسمبر ۱۹۹۰ءمیں جامعہ کراچی میں پی۔ ایچ۔ ڈی کی سند کے حصول کے لئے پیش کیا۔ طریقہ کار کے مطابق جن تین حضرات نے اس مقالہ سے متعلق رائے پیش کی، ان میں پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفٰے خان (حیدرآباد سندھ) پروفیسر ڈاکٹر محمد سعید (امریکہ) اور پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد (کراچی) شامل ہیں۔ پھر ڈاکٹر حافظ محمد طفیل (اسلام آباد) نے زبانی امتحان لے کر اپنی رائے دی اور اس طرح جولائی ۱۹۹۳ءمیں احقر کو پی۔ ایچ ڈی کی سند جاری کر دی گئی۔

اس مقالہ کو بعد میں کئی حضرات نے پڑھا اور بعض نے اپنی رائے سے بھی نوازا۔

- علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری
- علامہ شمس الحسن شمس بریلوی
- علامہ مفتی شریف الحق امجدی
- صاحبزادہ سیّد وجاہت رسول قادری
- علامہ مفتی ڈاکٹر محمد مکرم احمد دہلوی

- مولانا سرفراز احمد اختر القادری
- مولوی حسن مثنیٰ ندوی

احقر نے خود بھی بعد میں مختلف آراء کی روشنی میں کئی ابواب میں اضافہ کیا اور کوشش کی ہے کہ محققانہ انداز قائم رہے تاکہ قاری خود فیصلہ کرے کہ احقر کا تجزیہ و کوشش کس حد تک درست ہے۔
اس مقالہ کی کتابت کا سلسلہ تین برس قبل شروع ہوا اور اس کی پروف ریڈنگ میں کافی دشواری کا سامنا ہوا مگر صاحبزادہ سیّد وجاہت رسول قادری صاحب اور مولانا سرفراز احمد اختر القادری صاحب نے پورا پورا وقت عنایت کرکے اس مشکل کو حل کر دیا۔ اس لئے ان دونوں حضرات کا خصوصی طور پر شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہوں نیز علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری صاحب کا بھی ممنون ہوں کہ انہوں نے آخری تین ابواب پر نظرِ ثانی فرمائی اور اصلاح سے نوازا۔

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کے سیکریٹری اطلاعات حاجی عبداللطیف قادری صاحب اور مرکزی آفس سیکریٹری ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری صاحب کا شکریہ ادا کرنا بھی ضروری ہے جن کی کاوشوں سے طباعت کا مرحلہ آسان ہوا نیز ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کے تمام عہدیداران و کارکنان کا بھی مشکور ہوں جنہوں نے اس مقالہ کو ادارہ کی طرف سے شائع کرنے کی منظوری دی اور اپنے مفید مشوروں سے نوازا۔

اللہ تعالیٰ تمام معاونین کو جزائے خیر عطا فرمائے (آمین)
آخر میں پڑھنے والوں سے گزارش ہے کہ دورانِ مطالعہ کوئی بات

پسند آئے تو دُعائے خیر سے نوازیں اور اگر کہیں سہو محسوس کریں تو احقر کو ضرور مطلع کریں تاکہ آئندہ اشاعت میں تصحیح کر لی جائے۔

ڈاکٹر مجیب اللہ قادری
(ایسوسی ایٹ پروفیسر شعبۂ ارضیات، جامعہ کراچی)

۶، ذی الحجہ ۱۴۱۹ھ
۲۵، مارچ ۱۹۹۹ء

قطعۂ تاریخ

ڈکٹر مجید اللہ قادری از دانشگاہ کراچی درجۂ ڈکترا ئی یافت

موضوع تحقیق نشان "کنزالایمان" ترجمہ قرآن اعلحضرت امام احمد رضاخان بریلوی ابد

بررسی "در کنز ایمان" کردہ است
حبذا تحقیقِ او منظور شد
عالم و فاضل، مجیدِ قادری
از مئی عشقِ نبی مخمور شد
از طفیل سرورِ ہر دوجہاں
"کنزِ ایمان" در جہاں مشہور شد
برسرش زیبد کلاہ باشرف
آں مجید قادری دکتور شد

٥١ ٥٧ ٣١٥ ٦٣٠ ٣٠٤ = ١٩٩٣ء

نتیجۂ فکر:-
سید خضر نوشاہی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

پیش لفظ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی خُصُوصًا عَلٰی اَفۡضَلِ الۡخَلۡقِ وَسَیِّدِ رُّسُلِ مُحَمَّدِنِ النَّبِیِّ الۡاُمِّیِّ الۡمُصۡطَفٰی الَّذِیۡ اُوۡلِیَ الۡقُرۡاٰنَ وَالسَّبۡعَ الۡمَثَانِیۡ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَزۡوَاجِہٖ وَاَصۡحَابِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ ہ

قرآن مجید اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی مقدس کتاب اور اس کا کلام ہے اور اللہ تعالیٰ کے محبوب و مکرم رسول خاتم النبیین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک زندہ و تابندہ معجزہ ہے جو آپ کی نبوّت کی طرح صبح قیامت تک آپ کی نبوّت کی دلیل کے طور پر قائم و دائم رہے گا۔ اسی لئے قرآن مجید میں شروع ہی میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ اعلان فرما کر اس کے کلامِ الٰہی ہونے پر مُہر ثبت فرما دی اور اس کے خلاف تمام شکوک وشبہات کو رفع فرما دیا:

ذٰلِكَ الۡكِتَابُ لَا رَیۡبَ فِیۡهِ (البقرہ ۲:۲)

یہ بلند رُتبہ کتاب کوئی شک کی جگہ نہیں (کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن)

قرآن مجید فرقانِ حمید بندوں کے نام اللہ جل شانہٗ کا آخری پیغام ہے، جو نوعِ انس و جنّ کے لئے بہترین ضابطۂ حیات ہے۔ قرآن کریم سے بنی نوع انسان کو زندگی کا ایک مکمّل دستور مِلا۔ قرآنِ پاک نے وہ سب کچھ دیا جس کی دُنیا والوں کو ضرورت تھی۔ یہ دراصل اسی ذات کا نامۂ ہدایت ہے جو ہم سب اور تمام کائنات کا خالق و مالک ہے۔ جس کے ہر ہر لفظ کی حفاظت کی ذمّہ داری خود اُس نے لی ہے اور کچھ مخلص بندوں کو اس کی خدمت پر مامور فرما دیا۔ ہر زمانے میں حفاظ کی لامحدود تعداد نے اسے اپنے سینوں کا چراغ بنا کر محفوظ کیا، قراء نے اس کے الفاظ و حروف کی صحت ادائیگی پر بے پناہ محنت کی، علماء اسلام نے ہر دَور میں اس کی ضخیم تفاسیر لکھیں اور قیامت تک لکھتے رہیں گے۔ تاکہ عامۃ الناس اس کے معانی و مطالب اور اسرار و رموز سے واقفیت اور استفادہ حاصل کرتے رہیں۔ غرضیکہ اس نیلگوں آسماں کے نیچے بغیر تحریف و تغیّر اور تنسیخ کے سب سے زیادہ شائع ہونے، پڑھے جانے اور تشریح کی جانے والی کتاب یہی اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب قرآن مجید فرقان حمید ہے اور مسلمانوں کا شاید ہی کوئی ایسا گھر ہو جس میں قرآن مجید روزانہ سُنایا پڑھا نہ جاتا ہو۔

مُغلوں کے دورِ عروج میں فارسی برصغیر پاک و ہند کی سرکاری زبان بنی۔ مدارس اسلامیہ میں اگرچہ ذریعۂ تعلیم عربی زبان تھی لیکن آہستہ آہستہ فارسی نے عربی کی جگہ لے لی، اس خطرے کے پیشِ نظر کہ فارسی زبان عام ہوتی جارہی ہے اور عامۃ المسلمین کو اب قرآن حکیم کے معانی و مطالب سمجھنے میں دشواری کا سامنا ہے، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی علیہ الرحمۃ (م ۱۱۷۶ھ) نے ۱۱۵۶ھ میں سفر حج بیت اللہ سے واپسی پر قرآن مجید کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا۔

مغلیہ دَور کے دورِ آخر اور انگریزی سامراج کے ابتدائی دَور میں فارسی
زبان کی سرکاری حیثیت تقریباً ختم ہوگئی اور ساتھ ہی ساتھ خواص وعوام میں اُردو
زبان کے فروغ کی وجہ سے فارسی زبان کا استعمال ترک ہوتا جارہا تھا۔ علماءِ وقت
نے اس ضرورت کو شدّت سے محسوس کیا کہ اب تفہیمِ قرآن اور تفہیمِ دین کے لئے
اُردو زبان کا استعمال ناگزیر ہے۔ چنانچہ مولانا شاہ رفیع الدین دہلوی نے سب
سے پہلے ۱۲۰۰ھ میں اُردو زبان میں قرآن مجید فرقان حمید کا تحت اللفظ (لفظی
ترجمہ) کیا۔ ان کے بعد ان کے بھائی شاہ عبدالقادر دہلوی (م ۱۲۴۲ھ) نے ۱۲۰۵ھ
میں پہلی بار اُردو زبان میں بامحاورہ ترجمہ کیا۔ اس کے بعد سے اب تک اُردو زبان
میں قرآن پاک کے ۳۰۰ سے زیادہ تراجم اشاعت پذیر ہوچکے ہیں۔ امام احمد رضا
علیہ الرحمۃ کا ترجمۂ قرآن موسوم بہ "کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن" آسان، سلیس
اور بامحاورہ ہے جو ۱۳۳۰ھ میں مکمل ہوا۔

اس میں کوئی شُبہ نہیں کہ امام احمد رضا خان محدّث بریلوی اپنے دَور میں نہ
صرف برصغیر پاک وھند کی بلکہ عالمِ اسلام کی ایک ہمہ جہت اور نابغۂ عصر شخصیّت
تھی جس کا اعتراف ان کے معاصر علماءِ عرب وعجم نے برملا کیا۔ اور آج بھی جب
کوئی محقق ان کی منثور ومنظوم تصانیف اور فتاویٰ کا مطالعہ کرتا ہے تو وہ اسی نتیجہ
پر پہنچتا ہے۔ ان کو علوم اسلامی، فقہ وحدیث، صرف ونحو، تفسیر وسیر کے علاوہ
علومِ عقلیہ ونقلیہ، قدیمہ وجدیدہ پر کامل دسترس حاصل تھی جس کا ثبوت یہ
ہے کہ آپ نے ستّر (۷۰) سے زائد مختلف النوع علوم وفنون پر ہزار سے زیادہ
کتب وتالیفات یادگار چھوڑی ہیں، ان علوم کی تفصیل زیرِ نظر مقالہ کے فاضل
مصنّف نے اپنے مقالہ میں دی ہے۔ اور مزید تفصیل کے لئے موصوف کی دوسری

تصنیف "قرآن، سائنس اور امام احمد رضا" کا مطالعہ بھی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔
امام احمد رضا کو اپنے ہم عصر علماء اسلام میں یہ فضیلت حاصل ہے کہ جس قدر کمال و مہارت انہیں علومِ اسلامیہ میں حاصل تھی اُسی قدر دسترس تمام سائنسی علوم مثلاً ریاضی، ہندسۃ الجبرا، جیومیٹری، کیمیا، طبیعیات، ارضیات، جفر، نجوم و فلکیات، جغرافیہ، سیاسیات و معاشیات، معاشرتی اور دیگر بہت سے جدید علوم پر بھی حاصل تھی۔ جس کے نمونے ان کی تصانیف خصوصاً ۱۲ مجلدات پر مشتمل مجموعہ فتاویٰ میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ بلاشبہ امام احمد رضا خاں قادری کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے سیّدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق کے صدقے میں فہم و ذکاوت کا اعلیٰ نمونہ بنایا تھا اور وسعتِ مطالعہ کی صلاحیت کے ساتھ ساتھ بے پناہ قوّتِ حافظہ و استحضار سے نوازا تھا۔ جس کو دیکھ کر ان کے دَور کے علماء و ماہرینِ فن یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس شخص کو "علم لَدُنّی" سے نوازا ہے۔

فاضل بریلوی کی یوں تو تمام تصانیف منثور و منظوم اپنے اپنے موضوع کے اعتبار سے بڑی اہمیّت کی حامل ہیں، لیکن ان میں جو مقبولیت اور اشاعتی فروغ ان کی درج ذیل ۳ کتب کو حاصل ہُوا وہ کسی اور کو نہیں۔

۱۔ کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن (قرآن حکیم کا اُردو ترجمہ)
۲۔ حدائقِ بخشش (نعتیہ دیوان بزبان اُردو، فارسی)
۳۔ فتاویٰ رضویہ (مجموعہ فتاویٰ) (۱۲ مجلدات)

اِن تینوں میں سب سے کثیرالاشاعت آپ کی درج بالا کتاب "کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن" ہے جو گزشتہ ۸۰ برسوں میں لاکھوں کی تعداد میں برصغیر پاک و ہند

امریکہ، برطانیہ، افریقہ، افغانستان، حرمین شریفین میں تقسیم ہو چکی ہے اور ہر سال اس کی اشاعت ترقی پذیر ہے۔ اس کا انگریزی، ڈچ، ترکی، بنگالی، سندھی اور پشتو زبان میں ترجمہ بھی ہو چکا ہے۔

بقول علامہ عبدالحکیم شرف قادری صاحب لغوی اعتبار سے لفظ "ترجمہ" چار معنوں میں مستعمل ہے۔

۱: اس شخص تک کلام کا پہنچانا جس تک کلام نہیں پہنچا۔
۲۔ کلام جس زبان میں ہے اسی زبان میں اس کی تفسیر کرنا۔
(اسی معنی کے اعتبار سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو "ترجمان القرآن" کہا جاتا ہے۔)
۳۔ کسی دوسری زبان میں کلام کی تفسیر کرنا ــــــ اور
۴۔ کلام کو ایک زبان سے دوسری زبان کی طرف نقل کرنا۔
(اصول ترجمہ قرآن کریم ص ۱۲)

مذکورہ بالا چار معانی میں سے چوتھے نمبر پر جو بات کہی جا رہی ہے عُرفِ عام میں ترجمہ سے یہی مُراد لیا جاتا ہے۔ یعنی کسی ایک کلام کا معنی کسی دوسری زبان میں بیان کرنا۔

اس معنی کے اعتبار سے ترجمہ ایک نہایت مشکل ترین عمل ہے، اس لئے کہ کسی ایک زبان کے کلام کا مطلب دوسری زبان میں اس طرح منتقل کرنا کہ اس کلام کے تمام معانی و مقاصد، ظاہری، لفظی اور مُرادی بھی ادا ہو جائیں ایک نہایت ہی دشوار ترین اَمر ہے۔ اور بشری تخیّل و فکر کی پرواز سے ماورائی فن ہے۔ یہ انسانی کلام کی بات ہوئی، قرآنِ مجید اللہ جل شانہٗ کلام بلاغت نظام

ہے جس کا نہ کوئی مثل ہے نہ مثیل۔ اس لئے اس کے کسی کلام کو کسی بشری زبان میں اس کے تمام حسن ومعانی اور مطالب ومقاصد کے ساتھ منتقل کرنا ناممکنات میں سے ہے۔ اب تک دُنیا بھر کی مختلف معروف زبانوں میں قرآن مجید کا ترجمہ ہو چکا ہے اور ہر روز کسی نہ کسی نئی زبان میں منتقل کیا جا رہا ہے۔ لیکن کوئی بھی مترجم یہ دعویٰ نہیں کر سکتا کہ اس نے قرآن مجید کے تمام معانی ومقاصد کو اپنی زبان میں منتقل کر دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص بھی قرآن حکیم کا ترجمہ کرنے کی سعادت حاصل کرے گا وہ اپنی استعداد اور فکر کے اعتبار سے بعض معانی ومقاصد ہی بیان کر سکے گا، اسی لئے قرآن پاک کا مختلف زبانوں میں ترجمہ کرنے والے علماء کا ہرگز یہ مؤقف و دعویٰ نہیں ہوتا کہ وہ کلامِ الٰہی کے تمام معانی ومقاصد کو مترجم زبان میں منتقل کر رہے ہیں۔

قرآن مجید فرقان حمید ایک عظیم الشان کتابِ الٰہی ہے اور یہ کہ یہ ایک نہایت فصیح وبلیغ اور وسعت پذیر زبان عربی میں نازل ہوا ہے اور پھر یہ کہ اس کلامِ الٰہی کی عربی کا اپنا بھی ایک الہامی اسلوبِ بیان اور جامعیّت ہے اس لئے اس کا ترجمہ کرنا ہر کسی کے بس کا کام نہیں۔

زیرِ نظر تحقیقی مقالہ "کنزالایمان اور دیگر معروف اُردو قرآنی تراجم کا تقابلی جائزہ"، میں محترم پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب نے بڑی محنت اور عرق ریزی سے سینکڑوں تراجم، بیسیوں تفاسیر اور شروح الاحادیث کی روشنی میں واضح دلائل اور مثالوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ امام احمد رضا محدث بریلوی کے ترجمۂ قرآن "کنزالایمان"، بدرجۂ اتم مذکورہ خصوصیات کا حامل ہے اور اسی وجہ سے دیگر اُردو تراجم کے مقابلے میں اس کی اپنی انفرادیت اور امتیازی

شان ہے اور یہ ایک اعلیٰ معیار و مراتب کا حامل ہے۔ دوسری طرف اس کے غائر مطالعے سے یہ حقیقت بھی اُبھر کر سامنے آتی ہے کہ امام احمد رضا خاں قادری نہ صرف یہ کہ واقعی ایک جامع العلوم شخصیت ہیں بلکہ عظمتِ الٰہی اور ناموس انبیاء و رُسل کے ایک عظیم علمبردار بھی ہیں۔ ترجمہ میں اُردو زبان کے الفاظ' محاورات اور ٹکسالی اصطلاحات کے انتخاب سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی فکر "محبت الٰہی" جل جلالہ میں غرق اور ان کا قلب "عشقِ رسول" صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار اور ان کا قلم تحفظِ عظمتِ الٰہی اور ناموسِ رسالت کے لئے برق رفتار تلوار ہے۔ امام احمد رضا کی جلالتِ علمی، عشقِ الٰہی و رسالت پناہی میں سرشاری اور ان کے ترجمہ کی شانِ امتیازی کے ثبوت کیلئے صرف ایک مثال اس وقت کافی ہوگی' کیونکہ تفصیل قارئین خود زیرِ نظر تحقیقی مقالے میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

۱: قرآن مجید فرقانِ حمید کی سورۃ النساء کی ۱۴۲ ویں آیت ملاحظہ ہو۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ

اس کا ترجمہ عام طور سے مترجمین یہ کرتے ہیں:

"البتہ منافق دغا بازی کرتے ہیں اللہ سے اور وہی ان کو دغا دے گا"

ہر ذی علم شخص یہ جانتا ہے کہ اُردو زبان میں لفظ "دغا" یا "دغا بازی" ایک قبیح اَمر کے لئے استعمال ہوتا ہے اور یہ دھوکہ دہی کا مترادف ہے۔ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی شانِ اقدس میں ایسے الفاظ کا استعمال یا اس کے کسی عمل کی طرف لفظ "دغا" کی نسبت کرنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔ اس لئے اس آیت کریمہ کا سب سے صحیح ترجمہ وہی ہے جو صاحبِ "کنزالایمان" نے کیا ہے:

"بے شک منافق لوگ اپنے گمان میں اللہ کو فریب دینا چاہتے ہیں
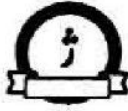
اور وہی انہیں غافل کر کے مارے گا۔"

اس ترجمہ کو ملاحظہ کیجئے اور امام احمد رضا کی راسخ العلمی اور راسخ العقیدگی کی داد دیجئے۔

۱۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کو دغا یا دھوکہ نہیں دے سکتے اس لئے کہ وہ "علیم و بصیر" ہے، "عالم الغیب والشہادۃ" ہے۔

۲۔ ہاں منافقین خود دھوکے یا غفلت میں ہیں اس لئے کہ وہ اپنی سمجھ میں اللہ تبارک و تعالیٰ کو دھوکہ دینے کی اپنی سی کوشش کرتے ہیں، لہٰذا "وَهُوَ خَادِعُهُمْ" کا بہترین مطلب اُردو زبان میں یہی ہے کہ "وہ انہیں غافل کر کے مارے گا"، نہ یہ کہ وہ ہی خود ان کو دغا دے گا۔

فاضل مقالہ نگار پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب نے امام احمد رضا فاضل بریلوی کے اُردو ترجمۂ قرآن "کنزالایمان" کے حوالے سے اُردو تراجم قرآن پر پی۔ ایچ۔ ڈی کا زیرِ نظر تھیسس پیش کر کے ایک اہم خدمت انجام دی ہے جو اُردو ادب اور قرآنیات کے مطالعے سے شغف رکھنے والے اہلِ علم حضرات کے لئے یقیناً ایک مفید اضافہ ہے۔ مقالہ نگار کی جانفشانی اور دقّتِ نظری کا اندازہ کتابیات کی فہرست سے لگایا جا سکتا ہے۔ اس کی چند خصوصیات یہ ہیں:

۱۔ امام احمد رضا فاضل بریلوی کے اُردو ترجمۂ قرآن "کنزالایمان" پر نقد و نظر کے حوالے سے پی۔ ایچ۔ ڈی کی سطح کی یہ پہلی تھیسس ہے۔

۲۔ قرآنی آیات، تراجم قرآن اور تفاسیر و احادیث کے حوالہ جات کا ایک عظیم ذخیرہ مہیا کیا گیا ہے جو اس موضوع پر تحریر کئے گئے کسی اور مقالہ میں نہیں ملتا۔

۳۔ ترجمہ و تفسیر قرآن پر کام کرنے والے بعض گُم نام حضرات اور ان کے قلمی کارناموں کو بھی دریافت کر کے مستقبل کے محققین کے لئے آسانی پیدا کی گئی ہے۔

۴۔ زبان و بیان سادہ ہے اور علمی و فنی اصطلاحات کی تسہیل کی گئی ہے۔

ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، قبلہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد کا بے حد ممنون ہے کہ انہوں نے زیرِ نظر مقالہ کی ابتداء سے لے کر اختتام تک اور پھر اس کی کتابت سے لے کر طباعت تک کے ہر ہر اسٹیج پر رہنمائی کا فریضہ انجام دیا اور اپنے مفید مشوروں سے برابر نوازتے رہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان کا سایہ تادیر ہمارے سَروں پر قائم و دائم رکھے۔ آمین بجاہ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم

اس مقالہ کی تیاری میں جس دوسری شخصیّت نے مواد و مآخذ کی فراہمی اور زبان و بیان کی درستگی میں مفید رہنمائی فرمائی وہ ملک کی مایہ ناز علمی اور ادبی شخصیّت اور کہنہ مشق شاعر اور مصنّف علامہ شمس الحسن شمسؔ کی تھی، جنہوں نے بے بہا مفید مشوروں سے مقالے کے حُسن کو دوبالا کیا۔ افسوس کہ علامہ صاحب اب ہم میں نہیں۔ وہ ۱۳ مارچ ۱۹۹۷ء کو اپنے خالقِ حقیقی کے جوارِ رحمت میں پہنچ گئے اللہ تبارک و تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ان کی قبر پر رحمت و رضوان کی بارش فرمائے اور اپنے فضل و کرم اور اپنے حبیب پاک صلّی اللہ علیہ وسلّم کے وسیلۂ جلیلہ سے ان کو جنّت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے، آمین بجاہ سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلّم

ادارہ محترم ڈاکٹر محمد امین میاں برکاتی مارہروی، صدر شعبہ اُردو علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، ہندوستان، اور عزیزم مکرم حاجی محمّد رفیق برکاتی صاحب کا بھی تہہِ دل سے سپاس گزار ہے کہ جن کی خصوصی عنایات اور تعاون کی بناء پر اس کی طباعت و

اشاعت ممکن ہو سکی۔ اللہ تبارک وتعالیٰ ان دونوں حضرات کو دُنیا و آخرت میں اس کی بہترین جزاء عطا فرمائے (آمین)

ان کے علاوہ ادارہ کے جن اراکین ومعاونین نے مقالہ کی کتابت، تصحیح طباعت اور اشاعت وغیرہ میں جس انداز میں بھی تعاون کیا ہے، اس کے لئے ہم ان حضراتِ گرامی کے شکر گزار ہیں، خاص طور پر ملک کے نامور فاضل محقّق اور تصانیف کثیرہ کے مصنّف محترم علامہ عبدالحکیم شرف قادری صاحب، استاذ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور، محترم ڈاکٹر اقبال احمد اختر القادری آفس سیکرٹری ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی اور ان کے نائبین جناب سیّد محمد خالد القادری اور جناب سیّد زاہد اللہ قادری سے بھی ہم اظہار تشکّر کرتے ہیں کہ جن کی شبانہ روز محنتوں کے طفیل اس مقالے کی کتابت وطباعت کی منزل آسان ہوئی۔

آخر میں اہلِ علم حضرات سے گزارش ہے کہ ہم نے اس مقالے کی کتابت و طباعت میں حتّی المقدور احتیاط برتی ہے اور کوشش کی ہے کہ ہر اعتبار سے یہ کتاب معیاری ہو۔ لیکن اس کے باوجود غلطی کا رہ جانا عین ممکن ہے، اس لئے ہمیں خوشی ہوگی اگر ہمیں کوتاہیوں سے مثبت انداز میں مطلع کیا جائے اور اس کی آئندہ اشاعت وطباعت کو خوب سے خوب تر بنانے کے لئے مفید مشوروں سے نوازا جائے۔ بحمد للہ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا نے اپنے ۱۹ سالہ تحقیقی اور تصنیفی سفر میں بفضلہ بہت سی پیش رفت کی ہیں جن کی فہرست بہت طویل ہے زیرِ نظر مقالہ کی اشاعت اپنے موضوع کے اعتبار سے یقیناً ایک اہم پیش رفت ہے ہمیں یقین ہے کہ آئندہ قرآنی تراجم وتفاسیر پر تحقیقی کام کرنے والے اہلِ علم حضرات کے لئے اس مقالہ کا مطالعہ نہایت مفید ثابت ہوگا۔

حافظ سخن بگوی کہ در صفحۂ جہان
ایں نقش ماند از قلمت یادگارِ عُمر

والحمد للہ رب العٰلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین وعلیٰ آلہٖ وازواجہٖ واصحابہٖ اجمعین۔

سید وجاہت رسول قادری عفی عنہٗ
صدر، ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا، کراچی

اظہارِ مسعود

(پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد)

قرآن حکیم تمام علوم وفنون کا سرچشمہ ہے، اس کا کامل ترجمہ وہی کرسکتا ہے جو مختلف علوم وفنون میں کامل واکمل ہو ــــ اُردو کے مترجمین قرآن میں امام احمد رضا محدث بریلوی اپنے تبحرِ علمی کی وجہ سے بے نظیر و بے مثال معلوم ہوتے ہیں، جس نے ان کا مطالعہ کیا ہے اور مختلف علوم وفنون اور مختلف زبانوں میں ان کی مطبوعات ومخطوطات اور شروح وحواشی دیکھے ہیں، وہ اس اَمر کی تصدیق کرسکتا ہے۔ جس نے مطالعہ نہیں کیا اور سُنی سُنائی پر یقین کیا اُس کو یہ بات مبالغہ معلوم ہوسکتی ہے۔

امام احمد رضا کو مضامین قرآن پر ایسی دسترس حاصل تھی کہ سورۃ الضحیٰ کی تفسیر کئی سو صفحات پر پھیل گئی جواب ناپید ہے۔ لغات عربی میں ایسی مہارت کہ خود اہلِ عرب ششدر و حیران رہ گئے ــــ اُردو زبان کا ایسا باکمال ادیب کہ زبان واَدب کے رمز شناسوں نے جس کی زبان کو کوثر وتسنیم سے دُھلی ہوئی زبان قرار دیا ــــ جو علوم قرآن وحدیث میں ایسا عبور رکھتا تھا کہ بیسیوں تفاسیر اور کُتبِ احادیث اس کے مطالعہ میں رہیں

—— جو قرآن حکیم کا ایسا نکتہ داں —— کہ ارشاداتِ الٰہیہ کے اشاروں کو پا جاتا تھا، جس کی نظر اُن علوم پر بھی تھی جو قرآن حکیم کے پردۂ سیمیں سے جھانک رہے تھے —— وہ جدید سائنسی علوم پر بھی دسترس رکھتا تھا، جس نے بڑے بڑے سائنسدانوں کے افکار و نظریات پر تنقید کی اور دورِ جدید کے سائنسدانوں نے جس کے افکار کو وزنی قرار دیا —— وہ ایک باخبر، ہوش مند اور باادب مترجم تھا، ترجمہ کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام احمد رضا نے آنکھیں بند کر کے ترجمہ نہیں کیا بلکہ وہ جب کسی آیت کا ترجمہ کرتے تھے تو پورا قرآن، مضامین قرآن اور متعلقات قرآن اُن کے سامنے ہوتے تھے، قرآن ان کے سامنے ہوتا تھا اور وہ باادب قرآن کے سامنے ہوتے تھے۔

قرآنِ حکیم کا ظاہر بھی ہے اور باطن بھی، اور پھر باطن کا باطن ہے اور یہ سلسلہ لامتناہی ہے —— ظاہر بین نگاہ اس کی گہرائی میں نہیں اتر سکتی —— یہاں دماغ کی بھی ضرورت ہے، دل کی بھی ضرورت ہے اور رُوح کی بھی ضرورت ہے —— ترجمہ کرتے وقت مترجم کی ذہنی فضا ہوتی ہے، علم و دانش کی وسعت کے ساتھ ساتھ یہ فضا بھی وسیع سے وسیع تر ہوتی جاتی ہے ورنہ مترجم خود بھٹک کر رہ جاتا ہے اور عقل کی بھول بھلیّوں میں کھو جاتا ہے اور اس کے مختلف المعانی لفظ کا انتخاب مشکل ہو جاتا ہے کہ کس معنی کو منتخب کرے اور کس معانی کو چھوڑ دے، وہ ترجمہ کے

تنگ نائے میں گُم ہو کر رہ جاتا ہے۔ جس طرح سادے کار زیورات میں رنگ برنگے چھوٹے بڑے نگینے بٹھاتا چلا جاتا ہے ٹھیک اسی طرح باکمال مترجم الفاظ کے سامنے صحیح معنی بٹھاتا چلا جاتا ہے بلکہ کبھی کبھی تو الفاظ خود بخود بیٹھتے چلے جاتے ہیں ______

اس میں شک نہیں کہ اُن تراجم قرآن میں (جو براہِ راست متن قرآن سے اُردو زبان میں منتقل کئے گئے ہیں) کنزالایمان نہایت ہی ممتاز ہے۔ ابوالحسن علی ندوی نے مولوی محمود حسن سے منسوب ترجمۂ قرآن کو (جو حقیقت میں شاہ عبدالقادر کا ترجمۂ قرآن ہے جس کی تسہیل کا کام برسوں میں مولوی محمود حسن نے انجام دیا) اُردو زبان میں سب سے اچھّا ترجمۂ قرآن قرار دیا ______

ذیل میں ہم ادب کے حوالے سے ترجمۂ قرآن کے چند نمونے پیش کرتے ہیں جس سے آپ بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ امام احمد رضا محدث بریلوی کا ترجمۂ قرآن سب سے اچھّا ہے یا مولوی محمود حسن سے منسوب ترجمۂ قرآن؟

نمبر شمار	آیت نمبر	سورۃ البقرۃ
۱	۱۷	فَلَمَّآ اَضَآءَتْ مَا حَوْلَهٗ پھر جب روشن کر دیا آگ نے اس کے آس پاس کو۔ (محمود حسن) توجب اس سے آس پاس سب جگمگا اُٹھا۔ (امام احمد رضا)

سورۃ البقرۃ	آیت نمبر	نمبر شمار
فَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا۔ اور کھاتے پھرو اس میں جہاں چاہو فراغت سے۔ (محمود حسن) پھر اس میں جہاں چاہو بے روک ٹوک کھاؤ (امام احمد رضا)	۵۸	۲
فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهٖ۔ پھر جب پہنچا ان کو جس کو پہچان رکھا تھا تو اس سے منکر ہو گئے۔ ________ (محمود حسن) تو جب تشریف لایا اُن کے پاس وہ جانا پہچانا اس سے منکر ہو بیٹھے۔ ________ (امام احمد رضا)	۸۹	۳
تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ۔ یہ آرزوئیں باندھ لی ہیں انہوں نے۔ (محمود حسن) یہ ان کی خیال بندیاں ہیں۔ ____ (امام احمد رضا)	۱۱۱	۴
وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ۔ اور ہمارے لئے ہیں عمل ہمارے اور تمہارے لئے ہیں عمل تمہارے ہم تو خالص اسی کے ہیں (محمود حسن) اور ہماری کرنی ہمارے ساتھ اور تمہاری کرنی تمہارے ساتھ ہم نرے اسی کے ہیں۔ ____ (امام احمد رضا)	۱۳۹	۵
لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً۔ جو کچھ نہ سنے سوا پکارنے چلانے کے (محمود حسن)	۱۷۱	۶

سورۃ البقرۃ	آیت نمبر	نمبر شمار
خالی چیخ پکار کے سوا کچھ نہ سُنے ۔ (امام احمد رضا)		
اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ۔	۱۷۴	۷
بھرتے اپنے پیٹ میں مگر آگ ۔ (محمود حسن)		
وہ اپنے پیٹ میں آگ ہی بھرتے ہیں (امام احمد رضا)		
اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ۔	۱۸۴	۸
چند روز ہیں گنتی کے ۔ (محمود حسن)		
گنتی کے دِن ہیں ۔ (امام احمد رضا)		
يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِى السِّلْمِ كَآفَّةً وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ۔	۲۰۸	۹
ایمان والو داخل ہو جاؤ اسلام میں پُورے اور مت چلو قدموں پر شیطان کے ۔ (محمود حسن)		
اے ایمان والو! اسلام میں پُورے داخل ہو اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو ۔ (امام احمد رضا)		
سَلْ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ۔	۲۱۱	۱۰
پُوچھ بنی اسرائیل سے کس قدر عنایت کیں ہم نے نشانیاں کھُلی ہوئی ۔ (محمود حسن)		
بنی اسرائیل سے پوچھو ہم نے کتنی روشن		

نمبر شمار	آیت نمبر	سورۃ البقرۃ
		نشانیاں انہیں دیں ـــــ (امام احمد رضا)
۱۱	۲۱۲	وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ۔ اللہ روزی دیتا ہے جس کو بے شمار۔ (محمود حسن) اور خدا جسے چاہے بے گنتی دے۔ (امام احمد رضا)
۱۲	۲۱۴	وَزُلْزِلُوْا۔ اور جھڑ جھڑائے گئے۔ ـــــ (محمود حسن) اور ہلا ہلا ڈالے گئے۔ ـــــ (امام احمد رضا)
۱۳	۲۵۱	وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ۔ اور اگر نہ ہوتا دفع کرا دینا اللہ کا ایک کو دوسرے سے تو خراب ہو جاتا ملک۔ ـــ (محمود حسن) اور اگر اللہ لوگوں میں بعض کو بعض سے دفع نہ کرے تو ضرور زمین تباہ ہو جائے۔ (امام احمد رضا)
۱۴	۲۵۵	اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ۔ زندہ ہے سب کا تھامنے والا ہے، نہیں پکڑ سکتی اس کو اونگھ اور نہ نیند ـــــ (محمود حسن) وہ آپ زندہ اوروں کو قائم رکھنے والا ہے، اسے نہ اونگھ آئے نہ نیند ـــ (امام احمد رضا)

نہ معلوم ابوالحسن علی ندوی نے کیوں اس ترجمہ کو مولوی محمود حسن کا سمجھا، اور یہی نہیں بلکہ اسے سب سے اچھّا ترجمہ قرار دیا۔ ——

(دیباچہ، ترجمۂ قرآن، مطبوعہ مدینہ منوّرہ)

دونوں تراجم آپ کے سامنے ہیں، آپ خود فیصلہ فرما سکتے ہیں کہ سب سے اچھّا ترجمہ کون سا ہے؟

ترجمۂ قرآن کنزالایمان کی شان یہ ہے کہ یہ ترجمہ متن قرآن سے براہِ راست فی البدیہہ املا کرایا گیا ہے اور املا لینے والے امام احمد رضا کے شاگرد، خلیفہ اور مشہور و معروف فقیہہ مولانا امجد علی اعظمی تھے۔ کوئی ایسا مترجم میرے علم میں نہیں جس نے براہِ راست قرآن کریم سے فی البدیہہ ترجمہ املا کرایا ہو یا املا کیا ہو۔ اسی لئے یہ ترجمہ اس خوبی کے لحاظ سے اپنی نظیر نہیں رکھتا، یہ حقیقت اہلِ علم کے لئے قابل توجّہ ہے —— امام احمد رضا محدث بریلوی نے یہ رواں ترجمہ اس سرعت سے لکھوایا کہ کاتب و ناقل ترجمہ میں تشریحی کلمات کو قوسین میں بند نہ کر سکے۔ جس کو بنیاد بنا کر معترضین اعتراض کرتے رہتے ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ایسے تفسیری یا تشریحی کلمات کو قوسین میں بند کر دیا جاتے اور یہ کام ناشرین ہی کر سکتے ہیں ——

اُردو تراجم قرآن سے متعلق یہاں ایک تاریخی حقیقت کا اظہار ضروری سمجھتا ہوں۔ سو ڈیڑھ سو اُردو تراجم قرآن میں چند ہی ایسے ہوں گے جو مترجمین نے براہِ راست قرآن حکیم کو سامنے رکھ کر کئے

ہیں، بیشتر مترجمینِ قرآن ایسے ہیں جنھوں نے سابقہ ترجموں کو سامنے رکھ کر تفہیم یا تسہیل کا کام کیا ہے اور مترجمین کی حیثیت سے مشہور ہوگئے۔ اس میں بڑے بڑے علماء شامل ہیں۔ بہت سے مترجمین وہ ہیں جو عربی سے قطعاً واقف نہیں، دوسرے تراجم کو آگے پیچھے کر کے مترجمین کی فہرست میں شامل ہوگئے، یہ بات انتہائی تشویشناک اور افسوسناک ہے۔ لیکن کنزالایمان متن قرآن کا ترجمہ ہے، ترجموں کا ترجمہ یا تفہیم و تسہیل نہیں ـــــ یہ کسی انسان کی کتاب کا ترجمہ نہیں بلکہ اللہ کی کتاب کا ترجمہ ہے۔ اس کی مشکلات کا وہی اندازہ کرسکتا ہے جو علومِ ظاہر اور علومِ باطن سے سرفراز ہو۔

مقالہ نگار ڈاکٹر مجید اللہ قادری زیدمجدہٗ ادارۂ تحقیقاتِ امام احمد رضا کے جنرل سیکریٹری ہیں اور کراچی یونیورسٹی میں شعبۂ ارضیات کے اُستاد ہیں۔ موصوف نے اسلامیات میں بھی ایم۔ اے کیا ہے ان کے مقالۂ ڈاکٹریٹ کا عنوان ہے "کنزالایمان اور دیگر معروف اُردو تراجم قرآن" جو اپنے موضوع پر ایک وقیع مقالہ ہے۔ انہوں نے کئی بار اس مقالہ پر نظر ڈالی اور بہتر سے بہتر بنایا۔ اُمید ہے کہ اہلِ علم و اہلِ حق اس سے مستفیض ہوں گے ـــــ یہ مقالہ ایک مقدمہ اور نو (۹) ابواب پر مشتمل ہے۔ آخر میں مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت مآخذ و مراجع کی تفصیلی فہرست ہے:

قرآنی تراجم[۱]، تفاسیر[۲]، علومِ قرآن[۳]، تاریخ و محاسن قرآن[۴]، حدیث و سیرت[۵]، صاحبِ کنزالایمان[۶]، شخصیات[۷]، اُردو ادب[۸]،

تاریخ[9] و تذکرہ علماء ہند[10]، متفرق[10]، لغات[11]، اخبار و جرائد[12]، انگریزی کتب[13]۔

فاضل مقالہ نگار نے تقریباً ۴۰۰ سو مآخذ سے رُجوع کیا ہے جس سے مقالہ کے علمی معیار کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

فاضل مقالہ نگار نے مختلف ابواب میں قرآن کریم، ترجمۂ قرآن، اُردو تراجم کی تاریخ، معروف اُردو قرآنی تراجم و مترجمین، صاحب کنزالایمان مولانا احمد رضا بریلوی، دیگر معروف اُردو تراجم قرآن (ماقبل کنزالایمان)، کنزالایمان مختلف تفاسیر کی روشنی میں، کنزالایمان کی امتیازی خصوصیات، کنزالایمان پر اعتراضات وغیرہ پر محققانہ اور مدلل انداز میں بحث کی ہے

ڈاکٹر مجید اللہ قادری بنیادی طور پر چونکہ سائنس کے اُستاد ہیں اس لئے ممکن ہے کہ بعض قارئین کو ان کی بعض عبارات میں جھول نظر آئے۔ تحریر میں پختگی بڑے ریاض کے بعد آتی ہے۔ اِن شاء اللہ مستقبل میں یہ کمی دُور ہو جائے گی ـــــ ڈاکٹر مجید اللہ قادری تحقیق کا ذوق رکھتے ہیں اور جب لکھتے ہیں تو موضوع کا حق پورا ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ بات مقالہ کے مطالعے کے بعد سامنے آجائے گی۔ تحقیقی مقالہ میں زبان سے زیادہ دلائل اہمیت رکھتے ہیں، کنزالایمان کو بعض اہلِ علم نے آنکھیں بند کر کے تعصب کا نشانہ بنایا ہے اور بے سروپا اعتراضات کئے۔ اس لئے نہیں کہ وہ بات قابل اعتراض ... کر دیا ہے اور نہ

تھے۔ علمی اعتراضات بہت کم ہوئے۔ ڈاکٹر مجید اللہ قادری نے اس قسم کے بعض اعتراضات کا بڑا مدلل جواب دیا ہے۔

کنزالایمان میں بہت سے ایسے مقامات ہیں جہاں امام احمد رضا کے تدبّر قرآن و فہم حدیث کا اندازہ ہوتا ہے مثلاً

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا

یہاں لفظ " رَابِطُوْا" محل نظر ہے۔ اس آیت کا ترجمہ شاہ عبدالقادر نے یہ کیا:

"اے ایمان والو ثابت رہو اور مقابلہ میں مضبوطی کرو اور لگے رہو"

(ترجمۂ قرآن، مطبوعہ تاج کمپنی، کراچی ص۱۲۴)

مولوی محمود حسن سے منسوب ترجمہ یوں ہے:

"اے ایمان والو صبر کرو اور مقابلہ میں مضبوط رہو اور لگے رہو"

(ترجمۂ قرآن، مطبوعہ مدینہ منوّرہ، ص۹۸)

امام احمد رضا محدث بریلوی نے اس آیت کا ترجمہ اس طرح کیا ہے:

"اے ایمان والو صبر کرو اور صبر میں دشمنوں سے آگے رہو اور سرحد پر اسلامی ملک کی نگہبانی کرو۔"

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ عربی لفظ " رَابِطُوْا"، کا ترجمہ شاہ عبدالقادر نے " لگے رہو" کیا۔ چونکہ مولوی محمود حسن نے شاہ عبدالقادر کے ترجمہ کی تسہیل کی ہے اس لئے انھوں نے بھی " رَابِطُوْا" کا ترجمہ " لگے رہو" رہنے دیا۔ لیکن امام احمد رضا محدث بریلوی نے " رَابِطُوْا"، کا ترجمہ ان دونوں سے مختلف کیا یعنی " سرحد پر اسلامی مملکت کی حفاظت

کرتے رہو۔" اس ترجمہ نے راقم کو چونکا دیا، کیونکہ میرے علم کی حد تک امام احمد رضا سے پہلے کسی مترجم نے "رَابِطُوا" کا یہ ترجمہ نہیں کیا۔ یہ ترجمہ وہی کر سکتا ہے جس کو نزولِ آیاتِ قرآنی کی تاریخ بھی معلوم ہو ـــــــ سپریم کورٹ کے ایڈووکیٹ سیّد انور علی صاحب کی انگریزی تفسیر کی جب چوتھی جلد مطالعہ کی تو لفظ "رَابِطُوا" پر مصنف کا یہ نوٹ لکھا ہوا دیکھا:

Which according to the Arabic English lexicon means "Persevere in fighting against your enemy, or tie your horses in readiness at the frontiers" ------
[Syed Anwar Ali: Quran - "The Fundamental Law of Human Life" Karachi 1987, Vol. IVth, Page. 378.]

آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ جدید محققین و مفسرین امام احمد رضا محدث بریلوی کے ترجمہ کو اسی لئے فوقیت دیتے ہیں کہ وہ کامل و اکمل ہے۔ یہ نہایت افسوس کی بات ہے کہ ماضی میں بعض اہلِ علم نے یہ کوشش کی کہ امام احمد رضا محدث بریلوی کو علمی دُنیا میں شجرِ ممنوعہ سمجھا جائے۔ دورِ جدید میں بھی بعض حضرات نے کوشش کی اور بعض کوشش کر رہے ہیں جس کو سُن کر اور دیکھ کر افسوس ہوتا ہے۔ دُنیا میں جس یونیورسٹی میں کوئی فاضل، امام احمد رضا محدث بریلوی پر قلم اُٹھانا چاہتا ہے تو مزاحمت کی جاتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود تقریباً پانچ یونیورسٹیوں سے امام احمد رضا محدث بریلوی کے مختلف پہلوؤں پر ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں مل چکی ہیں مثلاً پٹنہ یونیورسٹی (بھارت)، روہیلکھنڈ یونیورسٹی (بھارت)

کانپور یونیورسٹی (بھارت)، کراچی یونیورسٹی (پاکستان)، سندھ یونیورسٹی (پاکستان)، کولمبیا یونیورسٹی (امریکہ)۔ اسی طرح مختلف یونیورسٹیوں سے فضلاء نے بکثرت ایم۔فل کے مقالات لکھے ہیں یہ سلسلہ گزشتہ ۲۵ سال سے جاری ہے۔ سنہ ۱۹۹۸ء میں الازھر یونیورسٹی، قاہرہ سے مولوی مشتاق احمد نے امام احمد رضا پر ایم۔فل کیا ہے اور جامعہ الازہر کے استاد شیخ حازم محمد احمد عبدالرحیم المصری نے امام احمد رضا کا عربی دیوان مرتّب کر کے شائع کروایا اور بعض اہم مقالات لکھے جو شائع ہو چکے ہیں ؎

زمشتاقاں اگر تاب سخن بُردی نمی دانی
محبت می کند گویا نگاہِ بے زبانے را

بہرحال مزاحمت بھی جاری ہے اور کام بھی ہو رہا ہے۔ مزاحمت کرنے والے اہل علم سے راقم کی مؤدبانہ گزارش ہے کہ وہ مسلسل مزاحمت سے علم و دانش کو رسوا نہ کریں اور اپنے دل سے ہر قسم کے تعصّبات کو نکال کر علم کی کسوٹی پر امام احمد رضا محدث بریلوی کو پرکھیں، ان شاء اللہ ان کو کھرا پائیں گے اور اتحاد و یگانگت کی صورت بھی پیدا ہوگی جس کی شدید ضرورت ہے۔ بہت سی غلط فہمیاں نہ جاننے کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں، مطالعہ اندھیرے سے اُجالے میں لے آتا ہے۔

آخر میں مقالہ نگار کے بارے میں کہنا چاہوں گا۔ جیسا کہ پہلے عرض کر چکا ہوں وہ شعبۂ ارضیات کے استاد ہیں، جدید رنگ میں رنگے ہوئے تھے، پھر انہوں نے ہمت کی اور رنگ بدلا اور اللہ کے رنگ

میں رنگ گئے۔ اللہ تعالیٰ یہ رنگ اور گہرا کر دے۔ آمین۔ ارضیات میں مہارت کے باوجود انہوں نے بلند ہمتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جامعہ کراچی سے ایم۔ اے اسلامیات کیا اور زمین سے آسمان کی طرف سفر شروع کیا۔ ان کے والد گرامی شیخ حمید اللہ قادری حشمتی علیہ الرحمہ سلسلۂ قادریہ میں بیعت تھے۔ عاشقِ رسول تھے اور فقیر سے محبت فرماتے تھے۔ فاضل مقالہ نگار پر والدین کے اثرات ہیں اور ان کی دُعائیں شاملِ حال ہیں، یہ بڑی سعادت اور خوش بختی کی بات ہے ——— فاضل مقالہ نگار نے بہت جلد میدان تحقیق میں قدم بڑھایا، ان کے کئی وقیع مقالات اور رسائل شائع ہو چکے ہیں اور برابر شائع ہو رہے ہیں۔ تحقیق میں علم سے زیادہ لگن کی ضرورت ہوتی ہے۔ الحمد للہ ان میں یہ لگن بدرجۂ اتم موجود ہے اور مسلسل مطالعہ سے علم میں بھی ترقی کر رہے ہیں۔ راقم کی دُعا ہے کہ مولیٰ تعالیٰ ان کو دین و دُنیا میں سرفراز کرے، مسلکِ اہلِ سُنّت و جماعت کی خدمت کرتے رہیں اور امام احمد رضا محدث بریلوی کا نام روشن کرتے رہیں۔ یہ وہ حضرات ہیں جن کو روشن کرنے والے خود روشن ہو جاتے ہیں ؎

شامِ شبِ فرقت میں بھی انوارِ سحر ہیں ———— اے نُورِ مجسّم یہ تیری یاد کا عالم!
دِل نُور، جگر نُور، زباں نور، نظر نور ———— یہ کیا ہے مری خاطرِ ناشاد کا عالم؟

احقر محمد مسعود احمد
دیکم دسمبر ۱۹۹۸ء، کراچی

اظہارِ تشکر

میں اس مقالے کی اشاعت کے موقعہ پر ہزار ہا حمد و ثنا اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ قدس میں بصد عجز و نیاز پیش کرتا ہوں جس نے سینۂ آدم علیہ السلام کو گنجینۂ علم و حکمت بنایا' جس نے نوع انسان کو نطقِ گویائی سے سرفراز فرمایا، جس نے قلم کو محرم راز بنایا۔ جس نے کائنات ارض و سما کو اپنی رحمتِ خاصہ سے نوازا، جس نے سایہ پدری کو سرچشمہ عشق و محبت بنایا۔ جس نے پیکر استاد کو مرکز علم و حکمت بنایا۔ مولائے کریم کی حمد و ثنا اور شکر گزاری کے بعد ہزارہا درود و سلام ہوں وارثِ علوم اوّلین، حجّتِ حق الیقین، تفسیر قرآن المبین سیّد الانبیاء والمرسلین یعنی حضرت احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلّم پر جن کی غلامی کا شرف ہی باعثِ بخشش و عافیت ہے۔

حمد و صلوٰۃ کے بعد اپنی والدہ ماجدہ کے حضور بھی ہدیۂ تشکر پیشِ خدمت ہے جن کی دُعاؤں کے صدقے یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ اپنے استاد گرامی حضرت علامہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کا بھی تہہِ دل سے ممنون ہوں جن کی مکمل رہنمائی اور رہبری نے اس مقالے کو قلمبند کرنے میں بھرپُور مدد فرمائی۔

اس مقالے کی تکمیل تک اگرچہ سینکڑوں افراد سے استفادہ کیا گیا، فرداً فرداً ان کا یہاں شکریہ ادا نہیں کیا جا سکتا مگر چند افراد کے نام زیب قرطاس کرنا ضروری سمجھتا ہوں جن کی مشفقانہ اور ہمدردانہ کوششیں اگر میرے شریکِ کار نہ ہوتیں تو اپنی اس منزلِ مقصود تک پہنچنا مشکل ہو جاتا۔ یہ اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں:

پروفیسر ڈاکٹر منظور الدین احمد (سابق وائس چانسلر جامعہ کراچی)، پروفیسر ڈاکٹر امتیاز احمد (سابق رئیس کلیہ علوم اسلامی)، پروفیسر ڈاکٹر عبدالرشید (صدر شعبۂ علوم

اسلامی)، پروفیسر جمیل اختر خاں (سابق صدر شعبۂ اُردو جامعہ کراچی)، ڈاکٹر جلال الدین نوری (شعبہ علوم اسلامی جامعہ کراچی)، ڈاکٹر حافظ محمد عبداللہ قادری (شعبہ سیاسیات جامعہ کراچی) سید ریاست علی قادری (بانی ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی) اور صدر ادارہ تحقیقات امام احمد رضا، صاحبزادہ وجاہت رسول قادری وغیرہ

آخر میں خصوصیت کے ساتھ اوّل بزرگ محقق حضرت علامہ شمس الحسن شمس بریلوی (ستارہ امتیاز) اور دوم اپنی شریکِ حیات محترمہ کو ثر جہاں بنتِ شیخ محمد شفیق اللہ (مرحوم) کا بھی بے حد ممنون ہوں جن کے تعاون کے بغیر مقالہ مکمل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ تمام معاونین کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

احقر

ڈاکٹر مجید اللہ قادری (گولڈ میڈلسٹ)

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ ارضیات جامعہ کراچی

۳۱، دسمبر ۱۹۹۰ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

کنزالایمان اور دیگر معروف قرآنی اُردو تراجم

برصغیر پاک وہند میں عربی زبان کی جگہ جب فارسی زبان نے لے لی تو اس سے عام مسلمانانِ برصغیر کو قرآن سمجھنے میں دشواری ہونے لگی اور عربی زبان صرف علماء تک محدود ہو کر رہ گئی۔ مغلوں کے دَور میں فارسی زبان نے سرکاری زبان کی حیثیت اختیار کر لی تھی اور اسی دَور میں فارسی زبان کو خاصا فروغ بھی حاصل ہوا۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (م ۔ ۱۱۷۶ھ) نے برصغیر میں جب یہ محسوس کیا کہ عربی زبان کا دائرہ صرف علماء تک محدود ہو گیا ہے اور عام مسلمان اب قرآن مبین کے معنی و مطالب سمجھنے میں دشواری محسوس کر رہے ہیں، اور فارسی زبان بہت عام ہوتی جارہی ہے لہٰذا ۱۱۵۶ھ میں حج سے واپسی پر قرآن مجید کا فارسی زبان میں مکمل ترجمہ کیا۔ اگرچہ قرآن پاک کے سرکاری زبان میں ترجمے کی ابتداء بہت پہلے ہو چکی تھی مثلاً عربی تفسیر طبری کا ترجمہ اور اس کے علاوہ بھی کئی فارسی زبان میں قرآن کے ترجمے ہوئے مگر برصغیر پاک وہند میں فارسی زبان میں قرآن مجید کے کسی بھی ترجمے کو زیادہ شہرت حاصل نہ ہو سکی جس کی متعدد وجوہات ہو سکتی ہیں مگر شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے جس دَور میں قرآن پاک کا فارسی زبان میں ترجمہ کیا اس کو وقت کی مناسبت سے فروغ ہونے کا قوی موقع ملا۔ اس کی وجہ فارسی زبان کا سرکاری ہونا تھا اور اس وقت اور کوئی عوام کے سامنے مکمل فارسی ترجمہ نہیں تھا، اس لیے اس کو خوب شہرت ملی اور فارسی زبان میں اوّلیت تک حاصل ہوئی [illegible] قرآن مجید کے اس

فارسی ترجمے پر اس وقت کے علماء نے بہت زیادہ مخالفت کی، لیکن بعد میں یہ عمل احسن ثابت ہوا کہ شاہ صاحب کی نگاہ اس وقت کے مسلمانوں کے زوالِ علمی کا جائزہ لے چکی تھی، اسی لیے اُمتِ مُسلمہ پر احسانِ عظیم فرماتے ہوئے ایک بہت ہی قیمتی سرمایۂ یادگار چھوڑا۔

جس زمانے میں فارسی زبان کو مکمّل عروج حاصل تھا وہیں اُردو زبان بھی ساحلِ سمندر سے لے کر کشمیر کی وادیوں تک اپنے ابتدائی دَور سے گزر رہی تھی اور اس وقت کسی کے علم میں بھی یہ بات نہ ہوگی کہ ایک دن یہی اُردو زبان نہ صرف برصغیر کی اہم ترین زبان بن جائے گی بلکہ دُنیا میں بہت زیادہ بولی جانے والی ایک زبان بن جائے گی۔ بارہویں صدی ہجری کے آخری اور تیرہویں صدی ہجری کے اوائل ہی میں اُردو زبان کو ایک ادبی حیثیت حاصل ہو چکی تھی اور مقبولیت کی طرف گامزن تھی، جبکہ دوسری طرف فارسی زبان مغلوں کے زوال کے ساتھ ساتھ برصغیر سے مسلمانوں کے درمیان سے رخصت ہو رہی تھی۔ اس خطرے کے پیشِ نظر کہ اب فارسی زبان کے سمجھنے والے بھی کم ہوتے جا رہے ہیں، ایک دفعہ پھر دہلوی خاندان کو یہ شرف حاصل ہوا اور شاہ رفیع الدین دہلوی نے سب سے پہلے ۱۲۰۰ھ میں اُردو زبان میں قرآن کریم کا (صرف لفظی) ترجمہ پیش کیا۔

شاہ رفیع الدین دہلوی کے ترجمے کے بعد جلد ہی ان کے بھائی شاہ عبدالقادر دہلوی (م۔ ۱۲۴۲ھ) نے قرآنی اُردو تراجم میں ایک اور ضروری اضافہ کیا، یعنی پہلی دفعہ لفظی ترجمہ کے بجائے بامحاورہ ترجمۂ قرآن ۱۲۰۵ھ میں مکمل کیا۔ یہ وہ دَور تھا جس میں اُردو زبان نہ صرف عام ہو رہی تھی بلکہ فارسی زبان کی جگہ لے رہی تھی۔ شاہ عبدالقادرؒ دہلوی کے بعد محاوراتی انداز میں قرآن حکیم کے اُردو زبان میں مزید ترجمے ہُوئے

لیکن ان میں محاورات کا استعمال اتنی کثرت کے ساتھ ہونے لگا کہ متن قرآن سے مطابقت دُور ہوتی چلی گئی۔ اور بعض دفعہ اصل متن سے ہٹ کر محاوروں کا استعمال ہونے لگا، جس کی انتہا ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کے ترجمۂ قرآن میں دیکھی جا سکتی ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد کا ترجمہ قرآن بغیر عربی متن کے ۱۳۱۲ھ میں شائع ہوا۔ بغیر متن قرآن کے برصغیر میں پہلی دفعہ اس طرح ترجمہ شائع کیا گیا۔

اُردو زبان جوں جوں ترقی کرتی گئی ترجموں کا انداز نکھرتا گیا، لیکن دوسری طرف اُردو تراجم میں مترجمین نے اپنی فکری ذہانت کو بھی دخیل رکھا۔ جیسی جس کی فکری صلاحیت اور مبلغ علم و فضل تھا، ترجمے میں بھی وہ رنگ بھرپور انداز میں غالب آیا۔ مگر قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ اس موجودہ عیسوی صدی میں جو اُردو زبان میں ترجمے ہوئے ہیں بیشتر پچھلے ترجموں کے ترجمے ہیں، یعنی ان مترجمین نے قرآنی متن سے ترجمہ نہیں کیا بلکہ دو چار اُردو زبان کے ترجموں کی مدد سے لفظوں کو آسان اور عام فہم بنا دیا۔ الغرض "ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است" کے مصداق زبان و خیالات کا رنگ موجودہ صدی کے ترجموں میں نمایاں ہے۔ ترجمہ کرتے وقت صرف لُغت پر ہی عبور نہیں بلکہ تمام علومِ دین پر دسترس ضروری ہے۔ یہاں راقم کی تحقیق میں پچھلی دو صدی کے مشہور و معروف اُردو تراجم شامل ہوں گے۔

جیسا کہ عرض کر چکا ہُوں کہ دُنیائے اُردو کی تاریخ میں پچھلی دو صدیوں میں جتنے بھی تراجم قرآن ہُوئے ہیں وہ ایک دوسرے سے بہت قریب ہیں اور اسلوبِ بیان بھی بیشتر مترجمین کا ملتا جُلتا ہے جو قرآنی اسلوبِ بیان سے جُدا ہے کیونکہ اکثر مترجمین نے ترجمہ کرتے وقت قرآن کی مُراد و منشاء کو پیشِ نظر نہیں رکھا جس کے باعث ان کے تراجم قرآنی اسلوبِ بیان سے دُور رہے میرا خیال ہے کہ قرآن مجید فرقان حمید کا اسلوب

بیان دیگر تمام اسالیب سے مختلف ہے اور سوائے ایک مترجم قرآن کے بقیہ مترجمین اس قرآنی اسلوب کو اپنے ترجمہ میں اُجاگر نہیں کر سکے۔

یہ کتاب مبین کلام ربانی ہے اور اس کا اندازِ بیان کہیں تحریری ہوتا ہے کہیں تقریری۔ کبھی انداز میں بہت شدت پائی جاتی ہے کہیں شفقت کی انتہا۔ کہیں سوال و جواب کی صورت میں مضمون سمجھایا جاتا ہے کہیں مثالوں سے۔ کبھی ایک طویل مضمون ایک مختصر سے کلمے میں بیان ہوتا ہے کبھی وہی مضمون ایک طویل آیت میں نئے انداز کے ساتھ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عربی الفاظ کی ترکیب اس کی روانی سلاست اور حسن نغمگی بغیر عربی زبان پر عبور حاصل کیے ہوئے اس کے حقیقی معنی سمجھنا بہت مشکل امر ہے۔ اسی لیے مترجم کو ترجمہ کرتے وقت بہت سے پہلوؤں کو مدِ نظر رکھنا ضروری ہوتا ہے کیونکہ بعض دفعہ ایک ہی لفظ ہوتا ہے لیکن اس کے معنی موقع و محل کے اعتبار سے بدل جاتے ہیں۔ اسی لیے ایک بالغ نظر مترجم کی یہ بھی پہچان ہوتی ہے کہ وہ ترجمہ کرتے وقت ان سب باتوں کا خاص خیال رکھتا ہے اور اگر وہ ہر جگہ ایک لفظ کے ایک ہی معنی موقعہ محل کے بغیر لکھتا جائے تو وہ صرف لغت کا ترجمہ سمجھا جائے گا۔ حقیقی متن کا اس سے کوئی تعلق نہ ہوگا۔ یہاں مختصر تاریخی بحث کے بعد ضروری سمجھتا ہوں کہ قرآنی اسلوب سے متعلق بھی اختصار کے ساتھ لکھا جائے۔ اگرچہ اگلے ابواب میں تفصیل کے ساتھ تقابل بھی ہوگا اور ہر ترجمۂ قرآن پر بحث بھی ہوگی۔ اب مختصراً قرآنی اسلوب بیان ملاحظہ کیجئے:۔

قرآنِ حکیم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ جس طرح اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے اسی طرح قرآن کریم بھی ہر عیب سے پاک اور شک و شبہہ سے بالاتر ہے۔ قرآن حکیم میں نظم و ترتیب اور معانی کی استواریاں اس درجہ نمایاں ہیں کہ کوئی انسان

ان کو محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتا اور اس کو یہ اقرار کرنا ہی پڑتا ہے کہ حقیقتاً یہ اس کا کلام ہے جس کے دائرۂ علم وادراک سے کوئی شئے باہر نہیں۔

عہد نزول قرآن تک عربوں میں قصائد، مکتوبات، خطبات اور محاورات کے صرف چار اسالیب معروف تھے، وہ کسی پانچویں انداز بیان سے واقف نہ تھے اس لئے قرآنی اسلوب ان کے لیے ایک نیا اسلوب بیان تھا۔

قرآن کی ندرت اسلوب کا یہ عالم ہے کہ یہ انداز آج تک کسی اور ادب میں بھی پیدا نہ ہو سکا۔ عام کتابیں ابواب و فصول پر منقسم ہوتی ہیں لیکن قرآن ایسی تبویب و تفصیل سے بھی پاک ہے اور نہ اس کے مختلف مضامین کو الگ الگ عنوانات کے تحت بیان کیا گیا ہے۔ قرآن کے اسلوب بیان اور نظم کلام میں ایک تسلسل اور روانی ہے، کسی جگہ پر انقطاع نظر نہیں آتا۔

قرآن نے اپنی بعض سورتوں کو حمد و ثنا سے شروع کیا اور بعض کو غرض بیان سے۔ اختتام بعض دفعہ جامع کلمات پر کیا اور بعض کا نصیحتوں پر۔ کبھی وعدہ کا ذکر ہوتا ہے کبھی تبشیر کا انداز۔ کبھی مخلوق کا بیان کبھی خالق کا۔ کبھی کائنات کی نشانیاں بیان کیں کہیں قصص و واقعات، کہیں حلت و حرمت کے احکام دیے، کہیں استثنیٰ و رخصت کے۔ کہیں انبیاء و مرسلین کی تعلیمات و خدمات بیان کیں۔ کہیں ان کی عظمتیں اور رفعتیں۔ گویا اندازِ کلام بغیر تکلف کے بڑی بے ساختگی سے بدلتا رہتا ہے مگر حلاوت و دلکشی برقرار رہتی ہے۔ قرآن کے اسلوب بیان اور نظم کلام میں دو امور خاص کر قابلِ توجہ ہیں۔

(۱) انتشار مطالب۔ (۲) تکرار مضامین

(۱) قرآنی اسلوب میں انتشار مطالب کا معنی یہ ہے کہ "قرآن اس امر کی

رعایت نہیں کرتا کہ اس سورۃ میں صرف فلاں نوع کا علم مذکور ہوگا اور دوسری سورۃ میں فلاں نوع کا، بلکہ ایک ہی سورۃ میں متعدد انواع کے مطالب و معارف بیان کرتا چلا جاتا ہے۔ ایک علم کے ساتھ متصلاً دوسرا علم بیان کرنا کسی دوسری کتاب میں تو یقیناً مذاقِ لطیف پر گراں گزرتا ہے لیکن قرآنی اعجاز کا یہ عالم ہے کہ بدلتے ہوئے مضامین و مطالب کے باوجود بیان اور تفہیم میں روانی اور لطافت برقرار رہتی ہے۔ یہاں تک کہ ایسا محسوس بھی نہیں ہوتا کہ اب موضوعِ سخن بدل گیا ہے اور بات بغیر رکاوٹ کے دل میں اُترتی چلی جاتی ہے۔ یہ خوبی دنیا کی کسی اور کتاب میں نہیں پائی جاتی۔ کیونکہ اس میں مضامین کے تنوع کے باوجود آیات کے درمیان معنوی ربط برقرار رہتا ہے۔ قرآن پاک کی سب سے چھوٹی سورۃ الکوثر پر نظر ڈالیے۔

اِنَّآ اَعۡطَیۡنٰکَ الۡکَوۡثَرَ ؕ فَصَلِّ لِرَبِّکَ وَانۡحَرۡ ؕ اِنَّ شَانِئَکَ هُوَ الۡاَبۡتَرُ ؕ

ترجمہ: اے محبوب بے شک ہم نے تمھیں بے شمار خوبیاں عطا فرمائیں۔ تو تم اپنے رب کے لیے نماز پڑھو اور قربانی کرو۔ بے شک جو تمہارا دشمن ہے وہی ہر خیر سے محروم ہے۔ ؎

اس سورۃ میں صرف ۳ جملے ہیں۔ تینوں جملوں میں الگ الگ مگر اپنی جگہ مستقل معنی و مطلب بیان کیا گیا ہے اور تینوں آیات میں احکام بھی مختلف ہیں مگر تینوں جملے ایک دوسرے سے معنوی اعتبار سے پیوست معلوم ہوتے ہیں۔ سب سے پہلے عطائے نعمت کا بیان ہے، پھر حکمِ عبادت، آخر میں مخالفوں کے لیے چیلنج ہے بلکہ پیش گوئی بھی ہے۔ گویا انتشارِ مطالب میں معنوی اتحاد اور تسلسل کی کیفیت نظر آتی ہے۔

(۲) تکرارِ مضامین کا مطلب یہ ہے کہ ایک ہی مضمون بار بار بیان ہوا۔ اکثر مقامات

؎ "کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن" ص ۹۶۲۔ تاج کمپنی کراچی

بر قرآن نے صرف ایک دفعہ ہی بیان کو کافی سمجھا مگر بعض دفعہ سامع کے دل میں جاگزین کرنے کی خاطر ایک ہی بات کو بار بار مختلف انداز سے بیان کیا اور ہر دفعہ نئی حکمت و موعظت کے ساتھ جس طرح ذوقِ لطیف کا حامل شخص ایک اچھّا شعر بار بار سُن کر نئی لذّت اور لُطف اُٹھاتا ہے اسی طرح قرآن میں تکرار مضامین ہر بار نئی لذّت اور لُطف کا باعث بنتا ہے۔ یہ تکرار اگر کسی نثر کی کتاب میں ہو تو وہ پڑھنے میں طبیعت پر گراں گزرتا ہے اور عبارت کی رنگینی اپنا اثر کھو بیٹھتی ہے لیکن قرآن جو نہ صرف منظوم کلام ہے اور نہ ہی صرف منثور، اس کے باوجود اس کی بے پایاں لذّت پڑھنے والا ہی محسوس کرتا ہے مثلاً

سورۃ الشعراء میں (وَاِنَّ رَبَّكَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الرَّحِيْمُ ہ) آٹھ بار آیا ہے۔

سورۃ قمر میں (وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ہ) چار بار آیا ہے۔

سورۃ مرسلات میں (وَيْلٌ يَّوْمَئِذٍ لِّلْمُكَذِّبِيْنَ ہ) دس بار آیا ہے۔

سورۃ رحمٰن میں (فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ہ) اکتیس بار آیا ہے۔

لیکن ہر جگہ ایک نیا لُطف اور منفرد کیفیت حاصل ہوتی ہے بلکہ تکرار مضامین سے ہر بار نئے معانی اور اسرار و رموز منکشف ہوتے ہیں۔

قرآن کا اسلوب سادگی اور سلاست کے علاوہ فصاحت و بلاغت کے اس اعلیٰ مقام پر ہے جس کا معارض آج تک بڑے بڑے فصحا و بلغا نہیں کر سکے۔ اس میں مقتضائے حال کی رعایت، استعارہ و کنایہ کا استعمال اور صنائع و بدائع کا وجود ناقابلِ بیان حسُن اور ادبی چاشنی پیدا کرتا ہے۔ علامہ کرمانی اپنی کتاب "العجائب" میں لکھتے ہیں۔ [۲]

---

[۱] ڈاکٹر محمد طاہر القادری "منہاج العرفان فی لفظ القرآن"، ص ۵۴ مرکزی ادارہ منہاج القرآن لاہور

معاندین نے عرب و عجم کے تمام کلام ڈھونڈ مارے مگر کوئی کلام بھی
حسن نظم، جودت معانی، فصاحت الفاظ اور ایجاز میں اس کی مثل نہ پایا
اور بالآخر اس امر پر متفق ہو گئے کہ انسانی طاقت قرآن کی آیت کا مثل
لانے سے قاصر ہے۔ قرآن کی فصاحت و بلاغت کا یہ اعجاز تھا کہ دُنیائے
عرب کے ادبی شاہکار "سبع معلقات" جو خانہ کعبہ کے دروازے
پر آویزاں تھے نزول قرآن کے بعد اُتار لئے گئے کہ قرآنی فصاحت و
بلاغت کے ساتھ کوئی شئے بھی معارضہ نہیں کر سکتی۔"
فصاحتِ قرآن کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

(۱) مجاز و کنایہ

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۝ ۱۸۷ سورۃ البقرہ
(وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کے لباس۔ (کنزالایمان ص ۴۶)
فَلَمَّا تَغَشّٰهَا حَمَلَتْ حَمْلًا خَفِيْفًا ۝ ۱۸۹ الاعراف
پھر جب مرد اس پر چھایا اسے ایک ہلکا سا پیٹ رہ گیا۔
(کنزالایمان ص ۲۸۲)

ان آیات کریمہ میں بیان کی بے ساختگی اور اظہار کی بے تکلفی بھی ہے اور کمال درجہ
حیا و شرافت کی آئینہ دار بھی اشاروں میں نہایت حسن و خوبی کے ساتھ ایسے مضامین
اور احکام و مسائل بھی بیان کر دیئے گئے ہیں کہ کوئی ادیب اشارات اور صراحت
کے ایسے خوبصورت امتزاج کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

(۲) تشبیہہ و استعارہ

مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِىْ زُجَاجَةٍ ؕ ۝ ۳۵ النور

اُس کے نور کی مثال ایسی جیسے ایک طاق کہ اس میں چراغ ہے وہ
چراغ ایک فانوس میں ہے۔"

(کنزالایمان ص ۵۶۷)

كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ أَسْفَارًا ۔۔۔ ۵ الجمعہ
"گدھے کی مثال ہے جو پیٹھ پر کتابیں اُٹھائے"

(کنزالایمان ص ۸۸۳)

اسی طرح ایجاز کی مثالیں ملاحظہ ہوں۔

(۱) وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ ۱۷۹ البقرة

"اور خون کا بدلہ لینے میں تمہاری زندگی ہے۔" (کنزالایمان ص ۴۴)

علامہ سیوطی اس آیت کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ۲۰ صنعتیں
بیان ہوئے ہیں [1]

(۲) اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ

۲۵۶ (البقرة)

"اللہ والی ہے مسلمانوں کا انہیں اندھیریوں سے نُور کی طرف نکالتا ہے۔"

(کنزالایمان ص ۶۸)

اس کی فصاحت پر علامہ سیوطی نے ایک مستقل رسالہ لکھا جس میں ۱۲۰ بدائع
بیان کئے ہیں۔

جو لوگ وجدان صحیح اور ذوق سلیم رکھتے ہیں ان کے لیے اعجاز قرآن کی کسی
اور دلیل کی ضرورت نہیں۔ فصاحت و بلاغت قرآنی خود اپنی صداقت و حقانیت

---

[1] علامہ جلال الدین سیوطی "الاتقان" ... لاہور

پر ایک دلیل قاطع ہے۔ کون نہیں جانتا کہ عرب کے معروف اور نامور سردار سخن گو اور شعراء مثلاً عتبہ ابن ربیعہ، زیدالخیل، کعب بن زہیر، اسود بن سریع وغیرھم قرآن کی فصاحت و بلاغت کے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور ہو گئے

صوتی ترنم و نغمگی

قرآن حکیم کی ہر آیت اور اس کے مطلع و مقطع میں ایک خاص قسم کا صوتی حسن و جمال پایا جاتا ہے۔ یہ معنوی نغمگی اور باطنی موسیقیت شعری اوزان و قوافی سے مبرا ہونے کے باوجود فراوانی کے ساتھ محسوس ہوتی ہے۔ قرآن کی سحر بیانی کافی حد تک اس حسن صوتی پر منحصر ہے۔ صوتی ترنم کی مثال آخری سورتوں میں خصوصاً نمایاں ہے۔ اس کے لیے سورۃ ق، سورۃ المرسلت، سورۃ الغاشیۃ، سورۃ الشمس، سورۃ الزلزال، سورۃ العٰدیٰت خاص کر ملاحظہ کی جاسکتی ہیں جن میں ہر آیت کا اختتام ایک خاص صوتی نغمگی پیدا کر رہا ہے الفاظ کا چناؤ اور وزن، ان کا آپس میں اتصال اور ترکیب۔ پھر ان میں تلفظ کی سلاست اور بہاؤ ایک عجیب موسیقیت اور موزونیت کی فضا پیدا کرتا ہے۔ ان آیات کو بار بار پڑھیں سادگی سے پڑھیں یا مترنم انداز میں زبان میں رکاوٹ پیدا نہیں ہوتی اور ہر لمحہ عجیب سی حلاوت پیدا ہوتی چلی جاتی ہے اور اگر ان آیات پر، خاص کر آیات کے تلفظ پر غور کریں تو کسی حد تک معنی و مفہوم کی ترجمانی ہوتی نظر آتی ہے مثلاً

سورۃ الناس کو بار بار پڑھیں تو ہر آیت کا آخری حرف "س"، کثرت استعمال کے باعث سرگوشی کی فضا پیدا کر دیتا ہے۔ یہی سرگوشی اور وسوسہ اندازی اس سورۃ کا موضوع ہے۔

اسی طرح سورۃ رحمٰن کی یہ آیت ملاحظہ کریں۔

مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ ۝١٩

"اس نے دو سمندر بہائے کہ دیکھنے میں معلوم ہوں ملے ہوئے"۔(کنزالایمان ص۶۳۲)

اس آیت کے تینوں لفظوں میں صوتی بہاؤ اور روانی کا کیف پایا جاتا ہے اور یہی اس کا موضوع ہے۔ چنانچہ قرآنی آیات اپنے اندر ایک قدرتی تناسب و توازن ، موزونیت و موسیقیت اور ترنم و تغنم رکھتی ہیں جس سے خاص قسم کی دلکشی اور جاذبیت پیدا ہوتی ہے۔ یہ حقیقت بھی قرآن ہی کا اعجاز ہے ، ایسا رنگ کسی اور کلام میں نہیں دیکھا جا سکا۔ قرآن کا اسلوب بیان کرنے کے لیے ایک دفتر درکار ہے۔ یہاں صرف چند امثال سے اس کا ظاہر کرنا مقصود تھا۔

قرآن مجید عربی زبان میں اس وقت عربوں کے درمیان نازل ہوا جس وقت عربوں کے پاس سوائے عربی ادب کے اور کوئی فن قابلِ رشک نہیں تھا۔ خود عربوں کو بھی اس فن پر بڑا غرور تھا اور نثر کے مقابلے میں نظم کے اندر وہ زیادہ کلام کہا کرتے تھے اور اس زمانے میں عرب ادبا منثور اور منظوم دونوں اسالیب پر ایک دوسرے سے بازی لے جانے کے لیے فصیح سے فصیح تر اور بلیغ سے بلیغ تر کلام پیش کیا کرتے تھے جو آج بھی عربی ادب کے لیے ایک بڑا سرمایہ ہے مگر قرآن کے نزول کے ساتھ ہی عربوں کے تمام اسالیب ماند پڑ گئے اور ہر کوئی قرآن کے اسلوب کے سامنے گنگ ہو کر رہ گیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ قرآن کلام ربّانی تھا اور ہے اور وہ زبانِ محمّد صلی اللہ علیہ وسلم سے جاری ہوا جس کی نظیر ناممکن ہے۔ چنانچہ قاضی ابوبکر اپنی کتاب اعجاز القرآن میں قرآنی اسلوب کے سلسلے میں رقم طراز ہیں:

"قرآن کے اعجاز میں یہ راز پنہاں ہے کہ اس کا اسلوب، اس دَور کے تمام معروف و مروجہ اسالیب سے مختلف ہے۔ یعنی نہ تو یہ اس شعر کی طرح ہے اور نہ اس نثر کی طرح، جس کا اظہار اس دَور کے فصحا اور شعرا

اپنے کلام میں اکثر کیا کرتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اس طرز بیان کی طرفگی کو بخت و
اتفاق کی کارسازی قرار دے کر ٹالا نہیں جاسکتا۔ بلکہ اس میں ایک خاص
انداز کی تازگی، نکھار و نغمگی پائی جاتی ہے۔ ابداع، طرفگی اور ندرت کا یہ
شاہکار بہرحال اس لیے ہے کہ اس کو بدیع السمٰوات والارض کے کلام
ہونے کا شرف حاصل ہے۔" [۵]

ابوالحیان نے اعجاز قرآن سے متعلق ابن الحسین الفارسی کے جس قول کو پسند کیا ہے
وہ یہ ہے کہ:

"قرآن تعبیر و تشریح کا وہ اسلوب ہے جو نہ صرف اچھوتا، نازک اور
بدرجۂ غایت اونچا ہے بلکہ اس میں ان تمام وجوہ اعجاز کو گھیر لیا گیا ہے
جن سے قرآن کی عظمت کا احساس دلوں میں ابھرتا ہے اور زندہ ہوتا ہے۔" [۶]

ابوالحسن حازم نے منہاج البلغاء میں اس رائے کا اظہار کیا ہے۔

"قرآن حکیم میں بلاغت و فصاحت کا ہونا ہی اس کے معجزہ ہونے کی
دلیل نہیں، اصل کمال جس کو اعجاز کہہ سکتے ہیں یہ ہے کہ قرآن حکیم میں
بسم اللہ سے والناس تک فصاحت و بلاغت کا یہ دریا، استمرار اور یکسانی
کے ساتھ رواں دواں ہے اور کہیں بھی ایسا مقام یا مرحلہ نظر نہیں آتا
جہاں جھول ہو یا جہاں عدم توازن یا معیار سے عدم مطابقت کا احساس
پیدا ہو۔" [۷]

---

[۵] محمد حنیف ندوی "مطالعہ قرآن" ص ۱۰۷، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۷۸ء

[۶] " " ص ۱۰۸ " " "

[۷] " " ص ۱۰۹ " " "

اس میں شک نہیں کہ قرآنی اسلوب ایک بالکل منفرد اسلوب بیان ہے اور قرآن کی تمام آیات میں فصاحت و بلاغت کے پیمانوں کی یکسانی اور استمرار کے ساتھ قائم رہنا ہی اس کے کلام خداوندی ہونے کی دلیل ہے اور جہاں تک انسانی کلام کی بات ہے تو اس میں بڑے سے بڑے ادیب و شاعر کے کلام میں کہیں نہ کہیں جھول ضرور رہ جاتا ہے۔ چاہے اس کا تعلق نظم سے ہو یا نثر سے، ایسے مقام اور مراحل ضرور آتے ہیں جہاں اسلوب و معیار کی نیرنگی قائم نہیں رہتی اور اس کے نتیجے میں کہیں نہ کہیں جھول، بندش کی سستی اور عامیانہ پن کی جھلک ضرور فکر و نظر کے ناقدوں کو کھٹکتی ہے۔

قرآن پاک کے اُردو زبان میں تراجم کئے گئے ہیں۔ ہر مترجم نے اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے اچھے سے اچھے پیرائے اور اسلوب بیان میں ترجمہ کیا ہے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ یہ کسی عام کتاب کا ترجمہ نہیں ہے، کلام اللہ کا ترجمہ ہے جو عام انسانوں تک ان کی زبان میں پہنچانا مقصود ہے۔ لہٰذا ہر مترجم کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ترجمۂ قرآن سے پہلے ان تمام علوم و فنون کی مہارت کو استعمال میں لائے جو ترجمۂ قرآن کے لیے لازم و ملزوم ہیں۔ ان میں سے چند مندرجہ ذیل ہیں۔

"علم لُغت، نحو، صرف، معانی، بیان، بدائع، قرأت، اصول دین، اصول فقہ، اسباب نزول، ناسخ و منسوخ، فقہ، تفسیری احادیث کا علم، وغیرہ"[8]

مترجمین قرآن نے اگرچہ اپنی تمام تر صلاحیتیں ترجمہ کرتے ہوئے صرف کی ہوں گی مگر ترجمۂ قرآن میں بیشتر مترجمین کی عبارت میں نہ تو زبان کی حلاوت قائم رہی، نہ ہی

---

[8] علامہ جلال الدین سیوطی "الاتقان" ص ۴۴۳-۴۴۶ ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۸۲ء

جملوں کی ترکیب اور بندش کی چستی برقرار رہی۔ بیشتر مترجمین کا ترجمہ قرآن اسلوب قرآنی
سے خاصا دُور محسوس ہوتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے ترجمہ کرتے وقت قرآن کی مراد کا ترجمہ
کرنے کے بجائے زیادہ سہارا لُغت کا لیا ہے۔ اکثر مترجمین لغوی ترجمہ کرنے میں بھی ایسے
مناسب الفاظ استعمال کرنے میں کامیاب نہیں رہے جو انتہائی اہم مقامات تھے اور
جہاں الفاظ کا چناؤ بڑی اہمیت کا حامل تھا۔ کیونکہ ذرا سی غفلت سے مسلمان کا عقیدہ
متاثر ہو سکتا ہے۔ قرآنی اسلوب کے قریب تر اُردو مترجمین کی صف میں صرف مولانا
احمد رضا ہی ایسے مترجم نظر آتے ہیں جن کا ترجمہ الحمد سے الناس تک کوئی پڑھتا چلا جائے
تو کہیں نہ کوئی اشکال پیدا ہوتا ہے اور نہ ترجمہ پڑھنے میں کوئی گھٹن محسوس ہوتی ہے اور
جُملے بھی اوّل سے آخر تک بہت رواں ہیں۔ کسی قسم کا جھول محسوس نہیں ہوتا جس کو
تفصیل کے ساتھ آگے بیان کیا جائے گا۔

اُردو زبان کے موجودہ تراجم میں سوائے مولانا احمد رضا کے ترجمۂ قرآن کے
بقیہ تمام اُردو تراجم قرآنی اسلوب بیان اور اس کے مرادی معانی و مطالب سے
دُور ہیں۔ کیونکہ ان میں قرآن کے اپنے اسلوب بیان کا خیال نہیں رکھا گیا۔ اگلے ابواب
میں مجھے مولانا احمد رضا ترجمۂ قرآن کو خصوصیت کے ساتھ روشناس کرانا ہے اور اس
کی گراں مائیگی، زبان کی صحت، بیان کی دلکشی اور ندرت کو پیش کرنا ہے۔ جس کو مولانا
احمد رضا خان قادری بریلوی (م۔ ۱۳۴۰ھ) نے ۱۳۳۰ھ میں "کنزالایمان" کے نام سے
پیش کیا۔ اس ترجمہ کی ایک اہم خصوصیت یہ بھی ہے کہ مترجم نے قرآن کے اسلوب
بیان کو پیش نظر رکھ کر ترجمہ کیا ہے۔ اس کے علاوہ اس میں ہر عربی لفظ کی جامعیت،
مقصدیت، محل استعمال اور لُغت کی جامعیت اور ساتھ ہی معنوی وسعتوں کی چاشنی
بھی پائی جاتی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ مترجم نے مقام الوہیت اور شانِ رسالت

کا خصوصیت سے اہتمام رکھا ہے اور ساتھ ہی قرآن کے صوتی حسن اور سلاست کو بھی اُردو ترجمے میں ہاتھ سے نہیں جانے دیا ہے۔ راقم کی تحقیق میں اس بات کا مطالعہ کیا گیا ہے کہ کن وجوہ کے باعث اس ترجمہ کو تمام دوسرے تراجم میں ایک امتیازی حیثیت حاصل ہے

ڈاکٹر مجیداللہ قادری

(بی ایس سی آنرز، ایم ایس سی، ایم اے، پی ایچ ڈی)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نحمدہٗ و نصلّی علیٰ رسولہ الکریم

باب اوّل

قرآن کریم

چھٹی صدی عیسوی قبل اسلام کا زمانہ عربی ادب کا تاریخی دَور تھا۔ شاعری ادبی اظہار کا ذریعہ تھی جو عربوں کو دل سے محبوب تھی، مشہور عربی قصائد جن کو "سبعہ المعلقات" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور جو آج بھی مدارس عربیہ میں پڑھائے جاتے ہیں، عربی ادب کا عظیم شاہکار تھے۔ ان قصائد کو سُنہری حرفوں میں لکھ کر دیوار کعبہ پر لٹکایا جاتا جو برسوں اسی طرح لٹکے آ رہے تھے۔ [1] لیکن قرآنی آفتاب کے آگے ان کی چمک ماند پڑ گئی اور یہ سب بجھ کر رہ گئے۔ اچانک جبل نور کی فضائیں گونج اُٹھیں۔ ہر طرف اُجالا ہی اُجالا ہو گیا اور جس کی چمک دمک سے سب چمکنے والوں کی چمک ماند پڑ گئی۔ وہ قرآن جو کسی انسان کی کاوش کا نتیجہ نہ تھا اور جس کو خالقِ کائنات نے خود نازل کیا، اپنا تعارف اس طرح کرواتا ہے:

تَبٰرَكَ الَّذِیۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰی عَبۡدِهٖ لِیَكُوۡنَ لِلۡعٰلَمِیۡنَ نَذِیۡرَا ۙ
(الفرقان:۱)

ترجمہ: بڑی برکت والا ہے وہ کہ جس نے اُتارا قرآن اپنے بندے پر

---

[1] (الف) "عربی ادب کی تاریخ" ص ۱۶۷
(ب) "تاریخ ادب عربی" ص ۸۰

جو سارے جہاں کو سُنانے والا ہو۔ ؎۲

اس آیت مبارکہ سے یہ معلوم ہوا کہ اُتارنے والا کون ہے اور کس پر یہ قرآن اُتارا گیا اور اس کے اُتارنے کا مقصد اور غرض وغایت کیا ہے اور اس کے قانون کا اطلاق کہاں کہاں ہوگا، اس کا ذکر بھی کر دیا اور بتایا کہ یہ قرآن ہرگز ہرگز خود ساختہ نہیں کیونکہ یہی قرآن گواہی دے رہا ہے۔

وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ تَصْدِيْقَ الَّذِىْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ

(یونس: ۳۷)

ترجمہ: اور اس قرآن کی یہ شان نہیں کہ کوئی اپنی طرف سے بنا لے بے اللہ کے اُتارے، ہاں وہ اگلی کتابوں کی تصدیق ہے، اور لوح میں جو کچھ لکھا ہے اس کی تفصیل ہے، اس میں کچھ شک نہیں یہ پروردگار عالم کی طرف سے ہے ؎۳

قرآن نے آسمانی کتاب ہونے اور انسانی کتاب نہ ہونے کی دلیل یہ دی ہے کہ یہ کوئی ایسی کتاب نہیں جس کا علم لوگوں کو پہلے سے نہ ہو بلکہ پچھلی کتابوں میں بھی اس کا ذکر ہوتا چلا آیا ہے۔ گویا قرآن کی حقانیت وصداقت کتب سابقہ تواتر سے ثابت کر رہی ہیں ارشاد خداوندی ہے

وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ (المائدۃ: ۴۸)

ترجمہ: اور (اے محبوب) ہم نے تمھاری طرف سچی کتاب اُتاری، اگلی کتابوں

؎۲ "کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن" ص ۵۰۸

؎۳ " " " ص ۳۰۳

کی تصدیق فرمائی اور ان پر محافظ و گواہ ۔۔ [۴]

یعنی یہی نہیں کہ قرآن پچھلی کتابوں کی صرف تصدیق کرتا ہے بلکہ پچھلی کتابوں کا محافظ بھی ہے۔ آج نہ زبور شریف اصلی حالت میں ہے نہ ہی توریت و انجیل مقدس، قرآن نہ ہوتا تو شاید لوگ ان سابقہ آسمانی کتابوں کے نام بھی بھول چکے ہوتے۔ مگر قرآن کی حقانیت کی وجہ سے ان کے نام آج زندہ ہیں۔

عظمتِ قرآن

اس سلسلے میں خود باری تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَاِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ وَادۡعُوۡا شُهَدَآءَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ۝۲۳ فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىۡ وَقُوۡدُهَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَةُ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ ۝ (البقرۃ:۲۴)

ترجمہ: اور اگر تمہیں کچھ شک ہو اس میں جو ہم نے اپنے خاص بندے پر اتارا تو اسی جیسی ایک سورت تو لے آؤ۔ اور اللہ کے سوا اپنے سب حمائتیوں کو بلا لو اگر تم سچے ہو ۝۲۳ پھر اگر نہ لاسکو اور ہم فرمائے دیتے ہیں کہ ہرگز نہ لاسکو گے تو ڈرو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں تیار رکھی ہے کافروں کے لئے۔ [۵]

اتنا بڑا چیلنج آج تک کسی بھی کتاب کے لئے نہیں دیا گیا اور یہ کوئی معمولی چیلنج بھی نہیں اور یہ چیلنج جاہلوں کو نہیں دیا جا رہا ہے، بلکہ ان زبان والوں کو جن کو اپنی زبان دانی

---

[۴] "کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن" ص ۲۶۷

[۵] " " " " ص ۶

پر بڑا فخر تھا جن میں بڑے بڑے شعراء اور قادر الکلام ادیب تھے جن کے مایہ ناز قصائد بیت اللہ میں آویزاں تھے اور اس دعوے کے ساتھ آویزاں تھے کہ دنیا ان کا جواب پیش نہیں کر سکی اور جو اپنی زبان دانی کے سامنے دوسروں کو بے زبان (عجمی) سمجھتے تھے لیکن نزولِ قرآن کے بعد سب زبان والے بے زبان ہو گئے۔

تیرے آگے یوں ہیں دبے لچے فصحا عرب کے بڑے بڑے
کوئی جانے منہ میں زباں نہیں، نہیں بلکہ جسم میں جاں نہیں[٦]

قرآن کریم چیلنج کرتا ہے کہ سارے عالم کے جن و انس الگ الگ کوشش کر دیکھیں یا سب مل کر کوشش کریں ہرگز ہرگز قرآن کا مثل نہیں لا سکتے اور چودہ صدیاں گزرنے کے باوجود یہ چیلنج آج تک کوئی قبول نہ کر سکا۔ قرآن کے الفاظ و حروف و کلمات تو بہت دُور کی بات ہے کوئی اپنی تصنیف کا نام اتنا جامع نہ رکھ سکا جتنا جامع نام اس کتاب کا "القرآن" ہے

لفظ قرآن کے لغوی معنی

کسی لفظ کی صحیح معرفت کے لئے اس کے لغوی مفہوم کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، اس لئے کہ لغوی مفہوم کا تعلق اس لفظ کے مادّے (origin) کے ساتھ ہوتا ہے اور اسی مادے پر مصدر اور تمام مشتقات کے معانی کا انحصار ہوتا ہے۔ اس لیے لفظ کے اصلی مفہوم کی صحیح معرفت کے لئے اس کے لغوی اشتقاق کا علم نہایت ضروری ہے۔

لفظ قرآن کے لغوی معنی کے سلسلے میں علماء کرام کے دو موقف ہیں۔ امام شافعی، امام بیہقی، خطیب اور امام سیوطی رحمہم اللہ کے نزدیک لفظ قرآن غیر مشتق ہے اور اسم جامد ہے جو کسی اور لفظ یا مادے سے ماخوذ نہیں[٧] لیکن علماء محققین کی اکثریت کا خیال ہے کہ یہ لفظ

٦ے "حدائق بخشش" حصہ اوّل ص ٧٤
٧ے "الاتقان فی علوم القرآن" جلد اوّل ص [illegible]

قرآن مشتق ہے۔

وہ علماء جو قرآن کو علم صرف کے قواعد سے مہموز قرار دیتے ہیں، وہ کئی مادوں سے قرآن کو مشتق بتاتے ہیں مثلاً امام اللحیانی سمیت ایک گروہ کا خیال ہے کہ قرآن فعلان کے وزن پر اسم صفت ہے اور قرأ سے مشتق ہے۔

"اما القول بانہ وصف من القراء بمعنی الجمع"[8]

جس کے معنی جمع کرنا ہیں اور اسی سے آیا ہے۔

"قرأت الماء فی الحوض"[9] یعنی اس نے حوض میں پانی جمع کیا۔ اس لحاظ سے قرآن کے معنی یوں بیان کیے جا سکتے ہیں کہ قرآن وہ کتاب ہے جسے جمع کیا گیا یا وہ کتاب جس میں سب کچھ جمع کر دیا گیا۔[10] جیسا کہ خود قرآن میں ارشاد خداوندی ہے۔

وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ

اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ۝ (انعام: ۵۹)

ترجمہ: اور کوئی دانہ نہیں زمین کی اندھیریوں میں اور نہ کوئی تر اور خشک جو ایک روشن کتاب میں لکھا نہ ہو۔[11]

قرآن کو قرآن اسی لیے کہا جاتا ہے کہ یہ تمام اوّلین و آخرین کے علوم کا مجموعہ ہے۔ یعنی کوئی علم ایسا نہیں جو قرآن میں بیان نہ کر دیا گیا ہو۔ قرآن نے صرف دو لفظ رطب (wet) اور یابس (Dry) استعمال کیے۔ درحقیقت ساری کائنات کے ایک ایک

۸؎ "مناھل العرفان فی علوم القرآن" ص ۷

۹؎ "مفردات القرآن" ص ۸۴۷

۱۰؎ "منہاج العرفان فی لفظ القرآن" ص ۳

۱۱؎ "کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن" ص ۱۹۴

ذرّے کا بیان کر دیا کہ اس کا علم قرآن میں موجود ہے ایک اور مقام پر قرآن ہی میں ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتٰبَ تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۝

(النحل: ۸۹)

ترجمہ: اور (اے محبوب)، ہم نے تم پر یہ قرآن اتارا کہ ہر چیز کا روشن بیان ہے۔[۱۲]

دوسرے گروہ کے نزدیک جس میں امام اشعری[۱۳] بھی شامل ہیں لفظ قرآن کو قَرَنَ یا قَرْنٌ سے مشتق بتلاتے ہیں، جس طرح کہا جاتا ہے "قَرَنْتُ الشَّیْءَ بالشَّیْءِ"[۱۴] یعنی جب دو چیزوں کو ایک دوسرے سے ملا دیا جائے۔ قرن، اقتران سے مل کر بھی بنا ہے[۱۵] جواز دواج یا متصل ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اب قرآن کو قرآن اس لئے کہا جاتا ہے کہ حق اور ہدایت اس کے ساتھ ساتھ ہے اور یہ مسلمان کے ساتھ ہر وقت ہے۔ مسلمان اور قرآن کا یا قرآن اور ہدایت کا ساتھ اتنا مضبوط ہے کہ اس کو علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ جس طرح از دواج کے بعد شوہر اور زوجہ کو علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ قرآن اپنی دلیل اس سلسلے میں خود یہ پیش کرتا ہے

هٰذَا بَيَانٌ لِّلنَّاسِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝

(آل عمران: ۱۳۸)

ترجمہ: یہ لوگوں کو بتانا اور راہ دکھانا اور پرہیزگاروں کو۔

---

۱۲ "کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن" ص ۳۹۲

۱۳ "الاتقان فی علوم القرآن" ج اوّل ص ۱۳۵

۱۴ "مناہل العرفان فی علوم القرآن" ص ۷

۱۵ "المنجد" ص ۹۸۷

نصیحت ہے۔ [16]

تیسرے گروہ کے مطابق جس میں امام الحیانی[17] بھی شامل ہیں لفظ "قرآن" "قرأۃ" سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں پڑھنا یا پڑھانا۔[18] اسی لیے کہا جاتا ہے "قرأت الکتاب قرانًا" میں نے کتاب کو خوب اچھی طرح پڑھا[19] اور قرآن خود اس کی صراحت یوں پیش کرتا ہے۔

اِنَّ عَلَيۡنَا جَمۡعَهٗ وَقُرۡاٰنَهٗ ۚ فَاِذَا قَرَاۡنٰهُ فَاتَّبِعۡ قُرۡاٰنَهٗ ۚ

(القیٰمۃ)

ترجمہ: بے شک اس کا محفوظ کرنا اور پڑھنا ہمارے ذمے ہے۔ تو جب ہم اسے پڑھ چکیں اس وقت اس پڑھے ہوئے کی اتباع کرو۔[20]

ائمہ لغت کے نزدیک لفظ قرآن میں مبالغے کے معنی پائے جاتے ہیں۔ اس لیے اس کے معنی ہوں گے کہ قرآن وہ کتاب ہے جو انتہائی کثرت کے ساتھ تلاوت کی جاتی ہے اور یہ تاریخی حقیقت ہے کہ چودہ سو سال میں جتنی کثرت کے ساتھ قرآن پڑھا گیا ہے اس کے مقابلے میں کوئی دوسری الہامی کتاب یا انسان کی تصنیف کردہ کتاب عشر عشیر بھی نہیں پڑھی گئی اور نہ پڑھائی گئی ہے۔ کوئی کتاب اپنے زمانے میں مقبول ضرور ہو [illegible] لیکن کچھ ہی عرصے کے بعد اس کی مقبولیت میں کمی آجاتی ہے اور بعض دفعہ صفحۂ ہستی سے بھی مٹ جاتی ہے۔ لیکن قرآن کا یہ اعجاز ہے اور یہ ہی اس کی حقانیت کا خصوصی ثبوت ہے کہ ہر

---

16 "کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن" ص ۹۹

17 "الاتقان فی علوم القرآن" ج اوّل ص ۱۲۵

18 "المنجد" (عربی، اردو) ص ۸۸۷

19 "منہاج العرفان فی لفظ القرآن" ص ۴۰

20 "کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن" ص ۸۱۲

زمانے میں اس کی تلاوت دوسری تمام کتابوں کے مجموعی تلاوت کے مقابلے میں بھی زیادہ ہی رہتی ہے اور رمضان المبارک میں اس کی تلاوت نہایت کو پہنچ جاتی ہے۔

قرآن اور بائبل

قرآن کتاب اللہ کا اصلی وحقیقی نام ہے جس کو خود باری تعالیٰ نے ہی تجویز کیا کیونکہ جتنی جامع ذات اس کی ہے اس کے لیے ضروری تھا کہ کلام اللہ کا نام بھی اتنا ہی جامع ہو۔ لفظ قرآن کلام اللہ میں ۷۰ دفعہ آیا ہے جس میں ۵۸ مرتبہ القرآن، دس دفعہ قرآناً اور دو دفعہ قرآنہ[۲۱] یہ اس بات کی واضح نشاندہی ہے کہ یہی کلام اللہ کا اصل نام ہے جبکہ دیگر الہامی کتابوں میں اس بات کا ثبوت نہیں کہ توریت، زبور اور انجیل اس کے اصلی نام ہیں یا نہیں مگر قرآن ان تمام ناموں کی تصدیق کرتا ہے، ورنہ دیگر الہامی کتابوں میں اس قدر تحریف کر دی گئی ہے کہ اس کا ہر لفظ مشکوک نظر آتا ہے۔ جیسا کہ انسائیکلوپیڈیا امریکانا میں بائیبل کے ۱۳۲ مختلف نسخوں میں سے ۴ مختلف مستند نسخوں یعنی 'انجیل یوحنا'، 'انجیل مرقس'، 'انجیل لوقا' اور 'انجیل متی' میں کم وبیش ۳۰۰۰۰ اغلاط موجود ہیں۔[۲۲] اسی طرح فریڈ گلاڈاسٹون نے اس حقیقت کو بصراحت تسلیم کیا ہے کہ بائیبل کے اندر واقعتاً اغلاط، غیر سائنسی نظریات، خدا اور انسان کے درمیان ناپاک تصورات، تضادات وتناقضات، نامعقول بیانات، مبالغہ آمیزیاں اور ناپختہ خیالات کثرت کے ساتھ موجود ہیں۔[۲۳] لیکن اس کے برعکس قرآن الحمد سے الناس تک ہر قسم کے تضاد اور تناقص سے آج بھی پاک ہے اور اس کا اعتراف (The Websler Family Encyclopedia)[۲۴] میں ان الفاظ کے

۲۱۔ "المعجم المفہرس لالفاظ القرآن الکریم"

۲۲۔ The Encyclopedia Americana Vol. 3 Page 647-719 Grolier Inc. U.S.A.

۲۳۔ Fred Gladstone Bratton "History of Bible" P.5 Boslan U.S.A

۲۴۔ Websler ... Vol. 10 p. 237

ساتھ کیا گیا ہے۔ "Yet there is no doubt that the Koran of today is substatially same as it came from Prophet".

یہ خدا تعالیٰ کی حفاظت الٰہیہ کا ہی کرشمہ ہے کہ ۱۴۴۰ سال گزر جانے کے بعد بھی آج تک قرآن پاک میں ایک آیت یا ایک حرف کی بھی کمی بیشی نہ ہو سکی۔ آج بھی بعض علاقوں میں ہزار بارہ سو سال قبل کے کلام مجید کے خطی نسخے موجود ہیں بلکہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ جس قرآن مجید کی تلاوت کرنے کے دوران شہادت پا گئے تھے وہ نسخہ قرآن پاک آج بھی ترکی کے شہر استنبول کے عجائب گھر میں محفوظ ہے۔ اگر اس قرآن پاک سے آج کے مطبوعہ کسی بھی نسخے سے تقابل کیا جائے تو کسی لفظ یا حرف کی بھی کوئی کمی بیشی نہ ملے گی، کیونکہ اس کی حفاظت کی ذمہ داری خود باری تعالیٰ نے اپنے ذمے لی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّکۡرَ وَ اِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوۡنَ ○ (الحجر:۹)

ترجمہ: بے شک ہم نے اُتارا ہے یہ قرآن اور بے شک ہم خود اس کے نگہبان ہیں۔[۲۵]

جبکہ دیگر الہامی کتابوں میں اگر (Bible) بائیبل ہی کی جمع و تدوین کی تاریخ کا جائزہ لیا جائے تو اس کی پوری تاریخ ردّو بدل، حذف و اضافہ اور تحریف و ترمیم کی تاریخ ہے۔ دوسری صدی عیسوی سے لے کر سترھویں صدی عیسوی تک عہد نامہ جدید (New Testament) میں کئی حصّوں کو پادریوں کے حسب منشا اور مختلف کونسلز (Councils) کے فیصلوں کے مطابق کبھی داخل کیا جاتا رہا اور کبھی خارج کیا جاتا رہا۔ برنباس پر مشتمل نسخہ جو ۱۹۷۲ء میں اپوسٹک فادرز (Apostolic Fathers) کے نام سے شائع ہوا تھا لیکن بعد میں انہیں بائیبل سے محض اس لئے خارج کر دیا گیا کہ ان کی

۲۵؎ "کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن" ص ۴۷۱

تعلیمات سینٹ پال کی خود ساختہ عیسائی عقائد کے خلاف تھیں۔سب سے پہلے مکمل بائیبل گوٹن برگ کے مطبع سے ۱۴۵۵ء میں (vulgate) ویلگیٹ کے نام سے جرمنی سے شائع ہوئی۔جس کے خلاف ۱۶ ویں صدی عیسوی کے اوائل میں پھر پروٹیسٹنٹ اصلاحی تحریک کے ساتھ اعتراضات وتنقیدات کا دروازہ کھل گیا۔الغرض ۱۵۴۶ء میں (counsil of Trent) کے ذریعے اسے آخری شکل دی گئی۔لیکن ایک دفعہ پھر اس میں ترمیم کی ضرورت محسوس کی گئی۔آخر کار ۱۵۹۰ء میں ایک دفعہ پھر ترمیمات کے ساتھ پیرس سے شائع ہوئی[۲۶]۔

یہ مختصر تاریخی خاکہ بائیبل کے سلسلے میں انسائیکلو پیڈیا سے اس لیے پیش کیا گیا ہے کہ اس کے تناظر میں قرآن کی حفاظت اور جامعیت کا جائزہ لیا جا سکے کہ دوسری الہامی کتابوں کے ارتقائی منازل کیا ہیں اور ان کے برعکس قرآن کا کیا مقام ہے کہ وہ اپنی ابتداء سے لے کر آج تک اپنے متن اور اعراب کے لحاظ سے کامل اور تغیّر سے محفوظ ہے، جس کا اعتراف انسائیکلو پیڈیا میں بھی کیا گیا ہے۔قرآن پاک کا یہ عظیم ترین معجزہ ہے کہ ۱۴۰۰ سال سے محفوظ چلا آرہا ہے اور یہ اس کی صداقت کے لیے بہت بڑی دلیل ہے،کیونکہ انسان آج تک کسی بھی تخلیق کردہ شئے کی عرصۂ دراز تک حفاظت اس طرح نہ کر سکا کہ وہ شئے اپنی اصلی حالت پر برقرار رہتی۔ثابت ہوا یہ انسان سے بالا ذات کا کلام ہے اور وہی اس کی حفاظت کر سکتا ہے۔

ہم اپنے معاشرے میں اگر غور کریں تو بہت آسانی سے یہ بات یقین کا درجہ حاصل کر لیتی ہے کہ قرآن ہر قسم کی تحریف اور تنسیخ سے پاک اور محفوظ اس لیے ہے کہ دُنیا میں تقریباً

۲۶۔ The Webster Family Encyclopedia Vol. 2, P. 566-573
Webster Publishing Co. U.S.A. 1984

روزانہ اس قرآن کی کروڑوں لوگ کم ازکم پانچ وقت (نمازمیں) تلاوت ضرور کرتے اور سُنتے ہیں۔ اس کے علاوہ مختلف مواقع پر مثلاً رمضان المبارک میں شبینوں کے موقعوں پر، تراویح میں، انسان کی موت کے وقت مختلف ایام میں ایصالِ ثواب کی خاطر تلاوتِ قرآن کا اہتمام ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ جس کثرت سے اس کتاب کے حفاظ دُنیا میں پائے جاتے ہیں اس کے مقابلے میں کسی بھی کتاب کے حفاظ اس کے عشرِ عشیر بھی نہیں پائے جاتے۔

قرآن پاک کی حقانیت کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ قرآن کا کوئی بھی نسخہ جو دُنیا کے کسی بھی خطّے میں چھپا ہُوا ہو اُٹھا کر دیکھ لیں تو حرف و اعراب کا فرق بھی نہیں ملتا۔ اگرچہ مختلف زبان بولنے والے لوگ قرآن کریم کو الحمد سے الناس تک پڑھتے ہیں مگر مختلف لہجوں اور زبانوں کے باوجود قرآن کے لب و لہجے میں فرق بالکل محسُوس نہیں ہوتا ہے جبکہ دیکھنے میں یہ آتا ہے کہ جب ایک زبان بولنے والا کوئی دوسری زبان بولتا ہے تو لب ولہجہ میں فرق نمایاں نظر آتا ہے اور اس زبان کے جو الفاظ ادا کیے جاتے ہیں، لب ولہجہ کے تغیّر سے معنی میں فرق بھی آجاتا ہے۔ اسی وجہ سے ہر زبان میں نئے نئے الفاظ پیدا ہوتے رہتے ہیں، لیکن قرآن ایک واحد کتاب ہے کہ دُنیا میں جب اس کو پڑھا جاتا ہے تو اس بات کا اہتمام مکمل طور پر کیا جاتا ہے کہ قرآن کریم کے ہر لفظ کا تلفظ وہی کیا جائے جس پر اجماع امت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ کتاب لفظی اور معنوی اعتبار سے محفوظ ہے اور ہر قسم کی تحریف سے پاک بھی۔

فہم القرآن

قرآن پاک کی زبان عربی ہے اور عرب دنیا کے علاوہ دوسرے تمام ممالک میں قرآن کے معانی وہاں کی مقامی زبانوں میں بیان کیے جاتے ہیں۔ پاکستان اور ہندوستان میں اکثر مقامات پر قرآن کی تعلیم اُردو زبان ہی میں دی جاتی ہے۔ تعلیمات قرآنی کے سلسلے میں تفاسیر کا سلسلہ تقریباً ہزار سال سے بلکہ اس سے بھی کچھ زیادہ عرصے سے جاری ہے مگر اُردو زبان میں

ترجمہ قرآن کا آغاز لگ بھگ ۲۵۰ برس قبل ہوا[۲۷]

اُردو زبان میں تفاسیر اور قرآنی تراجم کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو ایک بات واضح طور سے سامنے آتی ہے کہ بیشتر تفاسیر میں ایک ہی رجحان پایا جاتا ہے اور ۱۳ ویں صدی ہجری کے بعد کی تفاسیر اور اُردو قرآنی تراجم میں مذہبی فکر ایک نئے رنگ میں ڈھل گئی جس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ تفسیر بالرائے کی بہتات ہوئی اور اُردو تراجم بھی اس کے اثر سے محفوظ نہ رہے۔ نیز منقولات کی بجائے معقولات سے کام لیا جانے لگا۔

چودھویں صدی ہجری کے اکثر و بیشتر مترجمین قرآن نے، جو اپنے آپ کو مغربی تعلیم یافتہ کہلوانے میں فخر محسوس کرتے ہیں، لوگوں میں یہ غلط فہمی پھیلائی کہ قرآن ایک آسان کتاب ہے، ہر کوئی دنیاوی علوم پڑھا شخص بھی قرآن کو آسانی سے سمجھ سکتا ہے بس تھوڑی بہت عربی زبان سے واقفیت حاصل ہو۔ پھر اسی طبقہ نے اپنے پیشرو کی تفاسیر کو یا تو بالرائے کہہ کر ٹھکرا دیا یا ان کو عصرِ حاضر کے لحاظ سے روایتی اور جامد بتا کر مسترد کر دیا اور ہر کوئی یہاں تک کے صحافتی پیشے سے تعلق رکھنے والے ایک دوسرے سے بڑھ کر مفسّر اور مترجم بن کر ترجمہ اور تفسیر پیش کرنے لگے اور اپنا مقام خود تعین کیا جس کو مولوی سعید احمد اکبرآبادی نے اپنی کتاب فہم قرآن میں جمع کیا ہے[۲۸]

(۱) قرآن سے احکام کا استنباط جس طرح عبداللہ ابن عمر، عبداللہ ابن عباس اور عبداللہ ابن مسعود رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کرتے تھے ہم بھی کر سکتے ہیں اور ہم میں اور دوسرے آئمہ دین میں کوئی فرق نہیں۔

(۲) قرآن سمجھنے کے لیے کسی خاص علم و فن کا حاصل کرنا ضروری نہیں۔

۲۷۔ "قرآن حکیم کے اُردو تراجم" ص ۸۳

۲۸۔ "فہم قرآن" ص ۱۱/۱۲

(۳) اب تک جو تفاسیر لکھی گئی ہیں، بیکار ہیں کیونکہ قرآن تو ایک آسان کتاب ہے اس کے فہم کے لیے کسی معلّم اور رہنما کی ضرورت بھی نہیں۔ ہر شخص ترجمہ دیکھ کر اس کا مطلب خود بخود معلوم کر سکتا ہے۔

پھر ان ہی لوگوں میں ایک گروہ اور پیدا ہوا جو ایک قدم آگے بڑھ کر کہتا ہے۔

"فہم قرآن کے لیے حدیث کی بھی ضرورت نہیں، قرآن ایک مکمل سرچشمۂ ہدایت ہے۔ اسلامی احکام کی تمام کلیات و جزئیات اس میں بیان کر دی گئی ہیں، ان کے ہوتے ہوئے کیا ضرورت ہے کہ احادیث کی روشنی میں قرآن مجید سے احکامات استنباط کیے جائیں۔"[۲۹]

اندازہ لگائیے کہ فہم قرآن کا معیار کیا رہ گیا۔ بس ان گروہوں سے قرآن کا انکار باقی رہ گیا تھا اور اگر معنوی اعتبار سے دیکھا جائے تو اس کا انکار ہو چکا ہے۔ مثلاً عنایت اللہ مشرقی لکھتے ہیں:

(۱) قرآن کی ہر آیت کا ایک اور صرف ایک مطلب ہے۔[۳۰]

(۲) الفاظ وحی کے مطالب کے متعلق سب پرانے اور دقیانوسی، سب ناکارہ اور بے نتیجہ خیالات پر بجلی گرا کر قرآن کریم کو نئے سرے سے پھر پڑھوانا چاہتا ہوں۔[۳۱]

چودہ سو سال سے اس بات پر اتفاق چلا آرہا ہے کہ دین اسلام کے چار بنیادی ماخذ ہیں جن میں سے دو اہم بنیادی ماخذ قرآن (کتاب) اور حدیث (سُنّت) ہیں۔ یہ دونوں ماخذ نُور ہیں۔ گویا قرآن بھی نور ہے اور صاحبِ قرآن بھی نُور۔ کلامِ ربّانی ان دونوں نوروں

[۲۹] "فہم قرآن" ص ۱۲

[۳۰] "تذکرہ" ص ۵۹

[۳۱] " " ص ۸۷

کی شہادت مندرجہ ذیل آیت میں دیتا ہے۔

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ۝ (المائدۃ:۱۵)

ترجمہ: بے شک تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک نور آیا اور روشن کتاب۔[۳۲]

قرآن پاک اگرچہ اکثر مقامات پر اپنے سہل ہونے کا ذکر کرتا ہے مثلاً

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ۝ (القمر:۱۷)

ترجمہ: اور بے شک ہم نے قرآن یاد کرنے کے لیے آسان فرما دیا تو ہے کوئی یاد کرنے والا۔[۳۳]

دوسری جگہ فرمایا:

فَاِنَّمَا يَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ ... ۝ (مریم:۹۸)

ترجمہ: تو ہم نے یہ قرآن تمہاری زبان میں یوں ہی آسان فرمایا۔[۳۴]

عام مترجمین اور مفسرین نے موجودہ دور میں اس آیت پاک سے یہ تاثر لیا کہ قرآن سمجھنے کے لیے کسی اُستاد کی بھی ضرورت نہیں۔ ہر شخص جو معمولی طور پر عربی زبان سے واقفیت رکھتا ہے وہ قرآن کے حقائق و مطالب خود بخود سمجھ سکتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ موجودہ دور کے مفسرین اور مترجمین کو ائمہ تفسیر کے برخلاف اپنی طرف سے جدت طرازی کرتے ہوئے کوئی خوف لاحق نہ ہوا جبکہ عہد صحابہ و تابعین میں یہ جسارت کہیں نظر نہیں آتی۔ حضرت مسروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ایک مشہور تابعی مفسر قرآن ہیں فرماتے ہیں:

"وعن مسروق انه قال: انتهى علم أصحاب رسول

---

[۳۲] "کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن" ص ۱۵۸

[۳۳] " " ص ۷۴۵

[۳۴] " " ص ۸۴

صلی اللہ علیہ وسلّم الی ستۃ : عمر وعلی، وعبداللہ بن مسعود و أبی بن کعب، وابی الدرداٗ وزید بن ثابت، ثم انتہی علم ھؤلاء الستۃ إلی رجلین: علی وعبداللہ۔[۳۵]

ترجمہ: مسروق کا قول ہے: اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلّم کا علم چھ صحابہ کی ذات پر ختم ہو گیا، یعنی عمر فاروق، علی ابن طالب، ابی بن کعب، ابوالدرداٗ، زید بن ثابت اور ابن مسعود (رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین) پھر ان چھ صحابہ کا علم دو اصحاب کی ذات میں مرکوز ہو کر رہ گیا، یعنی علی ابن طالب اور عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔[۳۶]

حضرت صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ عنھم اجمعین کا تفسیر قرآن کے سلسلے میں احتیاط کا یہ عالم ہے کہ اگرچہ تمام صحابہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہی صحبت یافتہ ہیں لیکن فہم قرآن پاک میں چند ہی ماہر نظر آتے ہیں اور باوجود یہ کہ ان میں ہر ایک عربی نژاد ہے لیکن ہر کوئی مفسر بننے کی کوشش نہیں کرتا بلکہ جب کوئی معاملہ پیش آتا ہے تو تاریخ شاہد ہے کہ عام صحابہ کی ایک کثیر تعداد ان چند اہم نفوس کی طرف ہی رجوع کرتی نظر آتی ہے۔ لیکن آج تو ہر کوئی اپنے آپ کو اتنا صاحب فضل و کمال سمجھتا ہے کہ نہ وہ صرف بزعم خود قرآن سمجھ لیتا ہے بلکہ وہ اپنے پیشرو اور خاص کر اوّلین مفسرین کی تفسیر و تاویل پر تنقید کرنے سے گریز نہیں کرتا۔

قرآن سمجھنے کے لیے متعدد شرائط میں سب سے اوّل بنیادی شرط مترجم یا مفسر کا عربی

۳۵؎ "التفسیر والمفسرون" ص ۸۴ جلد اوّل

۳۶؎ "تاریخ تفسیر ومفسرین"، ص ۸۴

زبان وادب پر کامل دسترس رکھنا ضروری ہے۔ عربی زبان کی صرف اتنی استعداد کافی نہیں کہ کوئی شخص لغت کی مدد سے قرآن پاک کا اُردو یا کسی اور زبان میں ترجمہ کر لے۔ صرف اتنی صلاحیت سے وہ شخص قرآن جیسی کتاب کی اجمالی مراد تو سمجھ سکتا ہے، یعنی ظاہری لفظوں کے معنی تو وہ جان لے گا لیکن قرآن مجید کے بلیغ اسلوب بیان سے اوّل تو ناواقف رہے گا اور دوسرے قرآن کی حقیقی مراد کو بھی نہیں پہنچ سکے گا۔ فہم قرآن کے لیے صرف عربی لغت ہی کافی نہیں، یہ تو اوّل بنیادی شرط ہے بلکہ ضروری یہ ہے کہ عربی زبان وادب سے بھرپور واقفیت رکھتا ہو اور عربی زبان پر اس طرح عبور رکھتا ہو کہ اس کو عربی کلام پڑھتے ہوئے وہی لذّت وسرور حاصل ہو جو اس کو اپنی مادری زبان میں کوئی بہت اچھا شعر سُن کر یا بہت اچھی تحریر پڑھ کر حاصل ہوتا ہے، بول چال، لکھنے، پڑھنے میں ایک عربی نژاد شخص کی طرح روانی ہو اور اگر ایسا نہیں ہے تو پھر اس کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ قرآن کے ترجمے یا تفسیر کے لیے قلم اُٹھائے۔ اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ ائمہ مفسرین پر اعتماد کرتے ہوئے ان کی کاوشوں سے استفادہ کرے جنہوں نے اس سلسلے میں تمام بنیادی شرائط اور آداب کو ملحوظ رکھا ہے۔

اُردو زبان میں قرآن پاک کے متعدد ترجمے ہوئے ہیں مگر ہر ترجمہ قرآن محفوظ نہیں اس کے باوجود جو کچھ تاریخ نے محفوظ رکھا، اس کو دیکھا جائے تو بھی ایک کثیر تعداد ہو جاتی ہے۔ ترجمہ قرآن میں مترجم کے علم کی عکاسی ضرور ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ترجمہ میں اگر کوئی نقص موجود پایا گیا تو وہ دراصل مترجم کی اپنی فکر کا نتیجہ ہوگا اور یہ مترجم کو خود سوچنا چاہیے کہ اگر وہ خود کو اس قابل نہ سمجھتا ہو تو اس عمل سے پرہیز کرے۔ اس لیے کہ اگر ترجمہ میں سہواً ہی غلطیاں رہ گئیں اور عام مسلمانوں نے اس کو صحیح جانتے ہوئے اس پر عمل کیا

توپھر نسلاً بعد نسلٍ قیامت تک وہ غلط فکر قائم ہو جائے گی. جو ہو سکتا ہے عقیدہ ہی بن جائے اس غلطی کی وجہ سے جو لوگ گمراہ ہوں گے ان کا وبال بھی اسی مترجم قرآن کے ذمّے رہے گا۔

اُردو زبان میں قرآن مجید کے مکمل ترجمے ایک سو سے زیادہ ہوئے ہیں۔ ان سب کا مطالعہ تو نہیں کیا جا سکا کہ اکثر تو ناپید ہیں، البتہ جو عوام میں مقبول ہیں اور آسانی کے ساتھ دستیاب ہیں ان کا مطالعہ کرنے کے بعد محسوس ہوا کہ بیشتر مترجمین نے کلام اللہ کی صحیح ترجمانی نہیں کی ہے اور اکثر حضرات سے غیر دانستہ لغزش سرزد ہوئی ہے جن کو اگلے ابواب میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا جائے گا۔

باب دوم

ترجمہ قرآن

تاریخ ترجمہ قرآن

قرآن پاک عربی زبان میں نازل ہوا جو اہلِ عرب کی مادری زبان تھی تاکہ وہ اس کو آسانی سے سمجھ سکیں جس کو قرآن نے اس طرح ظاہر فرمایا ہے:

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝ (یوسف:۲)

ترجمہ: بے شک ہم نے اسے عربی قرآن اُتارا تاکہ تم سمجھو۔[۱]

ابتداء میں قرآن کی کسی دوسری زبان میں ترجمہ کی ضرورت محسوس نہ ہوئی۔ خود صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وسلم کے دَور میں اور جب اسلام سرزمین عرب سے نکل کر دوسری اقوام و ممالک میں پہنچا تو پھر قرآن کے مطالب کی دوسری زبان میں شدّت سے ضرورت محسوس ہونے لگی اور اس وقت قرآن کا فارسی، عبرانی، چینی، ہندی زبان میں وہاں آباد اصحاب ایمان کو سمجھانے کے لیے ترجمہ کیا جاتا ہوگا۔

امام سرخسی (المتوفی ۴۸۳ھ/۱۰۹۰ء) کی رائے کے مطابق[۲] سب سے پہلے قرآن کا

---

[۱] "کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن" ص ۴۲۲

[۲] "مناھل العرفان فی علوم القرآن" ص ۵۱

ترجمہ فارسی زبان میں ہوا جو عجم کی مقبول زبان تھی اور یہ ترجمہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ المتوفی ۳۵ھ/۶۵۵ء[۳] نے صرف سورہ فاتحہ کا کیا تھا۔ لیکن غالب گمان یہ ہے کہ قرآن پاک کا ترجمہ خود رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جزوی طور پر یقیناً دوسری زبانوں میں ہوا ہوگا۔ خصوصاً اس وقت جب رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے تبلیغی خطوط دوسرے فرماں رواؤں کے پاس جاتے ہوں گے[۴] اور یقیناً عجم کے لوگ عربی سے نابلد ہونے کی صورت میں اس کا ترجمہ وتشریح اپنی زبان میں سنتے ہوں گے۔ تاریخ نے اس کو محفوظ نہ رکھا لیکن رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ تمام لوگوں کے لیے رسول و نبی بن کر آئے تھے جس کا قرآن نے ان الفاظ میں ذکر فرمایا:

قُلْ يَآيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا ﴿اعراف:۱۵۸﴾

ترجمہ: تم فرماؤ اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول ہوں۔[۵]

اس لیے دوسروں تک اس مصحف کو ان کی اپنی زبان میں پہنچانا نہایت ضروری تھا، ورنہ پھر غیر عرب اسلام کے حقیقی مفہوم سے محروم رہ جاتے جس کے باعث اُمر بالمعروف و نہی عن المنکر کی تعلیم سے قطعاً محروم رہ جاتے اور جب تک عربی زبان نہ سیکھ لیتے اسلام سے بہرہ مند نہ ہو پاتے۔ یہی وجہ ہے کہ کتب احادیث میں یہ کہیں ثابت نہیں کہ ترجمہ قرآن کو کسی دوسری زبان میں منتقل نہ کیا جائے۔ جبکہ دوسری طرف بکثرت احادیث تعلیم قرآن کی ترغیب پر مبنی ہم کو ملتی ہیں کہ قرآن پڑھو، سیکھو اور سکھاؤ۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے:

عن عثمان عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال

۳؎ "کرامات صحابہ" ص ۱۶۹

۴؎ "رسول اکرم کی سیاسی زندگی" ص ۱۳۳

۵؎ "کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن" ص ۲۴۵

خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ۔[6]

ترجمہ: حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں سے بہتر وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔[7]

سب سے افضل عمل یہی ہے کہ قرآن پڑھا جائے اور پڑھایا جائے۔ یہ بات قطعی ناممکن ہے کہ ہر مسلمان عربی زبان کا ماہر ہو، لیکن ہر دور میں اور ہر جگہ مسلمانوں کا ایک گروہ ضرور عام مسلمانوں کو ان کی اپنی زبان میں قرآن و حدیث کی تعلیم دیتا ہے اور حدیث میں اشارہ اسی بات کی طرف ہے کہ قرآن کو ہر زبان والے کی طرف پہنچاؤ اور اس کو اس کی مادری زبان میں قرآن سکھاؤ، یعنی اس کے احکام بتاؤ۔ اسی اشارہ کی طرف مندرجہ ذیل حدیث شریف بھی مددگار ثابت ہو سکتی ہے جس کو امام بخاری (المتوفی ۲۵۵ھ/۸۶۹ء) نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ (المتوفی ۵۶ھ/۶۷۶ء) سے روایت کیا ہے۔

عن ابی ھریرۃ قال کان اھل الکتاب یقرؤن التوراۃ بالعبرانیۃ ویفسرونھا بالعربیۃ لاھل الاسلام فقال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم لا تصدقوا اھل الکتاب ولا تکذبوھم وقولوا اٰمنا باللّٰہ وما انزل الینا وما انزل الیکم الایۃ۔[8]

---

[6] (الف) امام مسلم بن الحجاج القشیری "صحیح مسلم" جلد دوم ص ۵۸۳

(ب) امام داؤد سلیمان بن اشعث سنن ابو داؤد جلد اوّل ص ۵۳۸

[7] "ترجمہ ابو داؤد شریف" ص ۵۳۸

[8] "الجامع الصحیح المختصر" جلد دوم ص ۵۵۱

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اہل کتاب توریت کو عبرانی زبان میں پڑھتے اور اس کی تفسیر مسلمانوں سے عربی زبان میں بیان کرتے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا کہ اہلِ کتاب کی تصدیق نہ کرو اور نہ تکذیب بلکہ کہہ دیا کرو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور اس پر جو ہماری طرف نازل ہوا اور جو تمہاری طرف نازل ہوا۔[9]

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ یہود توراۃ کا ترجمہ عربی زبان میں کرکے مسلمانوں کو سُناتے تھے۔ اگرچہ تورات بھی آسمانی کتاب ہے لیکن عرب کیونکہ اس کے اصلی اور حقیقی متن اور زبان سے واقف نہ تھے اس لیے منع کیا گیا کہ نہ اس کی تکذیب کرو، کیونکہ جس متن کا ترجمہ بتایا جارہا ہے ہوسکتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا ہی قول ہو اور نہ اس کی تصدیق کرو کہ کیا معلوم انہوں نے کن الفاظ کو حذف کردیا ہو اور کس عبارت میں کیا کچھ اضافہ کیا ہو۔ اس لیے عام صحابہ کو یہ تعلیم دی جارہی ہے کہ تم ادھر کان نہ دھرو بلکہ جو کچھ تم کو قرآن سے تعلیم دی جارہی ہے اس کو بغور سُنو اور اسی پر عمل کرو۔ یہاں اصلاً ترجمہ سے منع نہیں کیا گیا۔ جب کہ تورات کا دوسری زبان میں ترجمہ جائز ہے تو پھر قرآن کا بھی دوسری زبانوں میں ترجمہ جائز ہوگا۔ اگرچہ ترجمہ ہرگز اصل قرآن نہ ہوگا کیونکہ لفظ کے مرادی معنی اللہ اور رسول ہی جانتا ہے جبکہ مترجم ظاہری لفظ کا ترجمہ کرتا ہے، کیونکہ ترجمۂ قرآن کسی بھی زبان میں آسان کام نہیں۔ البتہ تلاوت کے اعتبار سے اس کو آسان بنادیا۔

چنانچہ ارشاد قدوسی ہے:

فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِكَ ...o (المریم: ۹۷)

ترجمہ: تو ہم نے یہ قرآن تمہاری زبان میں یونہی آسان فرمادیا۔[10]

9۔ "صحیح بخاری شریف" (اردو ترجمہ) جلد سوم ص ۸۲۵

10۔ "کنزالایمان ترجمہ [illegible]

اس آیت کریم کا اکثر مترجمین نے یہی ترجمہ کیا ہے اور سب ہی نے حرف "ب" کو جو کہ علیٰ کے معنی دیتا ہے "فی" کے معنی میں استعمال کیا ہے اور یہ اکثر عربی قواعد میں ہوتا ہے۔ مثلاً سورۃ بقرہ کی ۱۸۴، اور ۱۸۵ آیت میں (فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ ۱۸۴) تو تم میں سے جو کوئی بیمار یا سفر میں ہو۔[11] یہاں بھی علیٰ بمعنی فی لئے گئے ہیں ورنہ لغوی اعتبار سے ترجمہ سفر پر کیا جائے گا جس سے اُردو زبان کی سلاست متاثر ہو گی۔ عام عربی قواعد جاننے والے سمجھتے ہیں کہ کب "علیٰ" بمعنی "فی" لیا جائے۔ جب یہ معلوم ہو گیا کہ "علیٰ" بمعنی "فی" مراد لیے جاتے ہیں تو پھر آیت کا مطلب یہ ہوا کہ پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم ہم نے اس قرآن کے ہر ہر لفظ اور حرف کو آپ کی زبان میں اُتار کر آسان کر دیا اور اگر اس کے معنی یہ مراد لیے جائیں کہ آپ کی زبان پر آسان کر دیا تو اس طرح قرآن کے معنی و مفہوم مشکل ہو جاتے ہیں کہ اب سوائے زبان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ قرآن کسی کے لیے بھی آسان نہ ہوتا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ظاہری حیات کے بعد جتنے مسائل پیدا ہوتے، ان کا حل ناممکن تھا، کیونکہ قرآن زبان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے آسان تھا اور اس طرح قرآن پاک کا مفہوم غیر عرب سمجھنے سے قاصر رہتے بلکہ خود عرب بھی اس کے محتاج ہوتے، لیکن یہاں معنی یہی ہیں کہ پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم جو زبان آپ بولتے ہیں اس زبان میں ہم نے قرآن آسان کر دیا تاکہ آپ کے لیے اور آپ کے بتانے سے دوسرے مسلمانوں کے لیے یہ آسان ہو جائے اور جو کوئی علوم دینیہ کے ساتھ ساتھ عربی زبان پر عبور حاصل کرے اس کے لیے بھی آسان ہو جائے تاکہ وہ بعد میں پیدا ہونے والے مسائل کا حل تلاش کر سکے۔

قرآن پاک کے تبلیغی مشن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ان کے ورثہ یعنی

---

[11] "کنزالایمان ترجمۃ القرآن"، ص ۴۱-۴۳

علماء اُمت نے سنبھالا۔ قرآن کا پیغام جو تمام عالم کے لیے ہے جس میں ایک دو نہیں ہزاروں بولیاں اور سینکڑوں زبانیں بولی سمجھی جاتی ہیں اور ان سب لوگوں تک "امر بالمعروف و نہی عن المنکر" کا پیغام علماء اُمت نے ان کی اپنی اپنی مادری زبان میں پہنچایا، ورنہ وہ اسلام کی تعلیم سے محروم رہتے۔ بایں صورت قرآن کا ہر دوسری زبان میں ترجمہ ضروری ہوگیا کیونکہ دین کی تعلیمات کسی ایک طبقہ، قوم، ذات کے لیے مخصوص نہیں بلکہ ہر نسل اور ہر ایک زبان بولنے والوں کا حق ہے۔

ائمہ اسلام نے قرآن کے ترجمہ کو جائز رکھا اور دوسری زبان میں ترجمہ کرنے کی تائید بھی کی، مگر اختلاف صرف اس میں رکھا کہ آیا ترجمہ قرآن اپنی اپنی مادری زبان میں نماز کے اندر بوقت ضرورت پڑھنا جائز ہے یا ناجائز، اس سلسلے میں چاروں ائمہ کے اقوال نقل کیے جاتے ہیں۔

امام ابو حنیفہ (المتوفی ۱۵۰ھ/۷۶۷ء) اور صاحبین یعنی امام یوسف (المتوفی ۱۸۲ھ/۷۹۸ء) اور امام محمد (المتوفی ۱۸۹ھ/۸۰۴ء)[۱۲] نے شاید کسی مصلحت کے پیش نظر اور تعلیمات قرآنی عام کرنے کی خاطر نماز میں ترجمہ قرآن کی تلاوت کو اس وقت تک جائز رکھا جب تک وہ عربی زبان نہ سیکھ لے، تاکہ نومسلم جو اس وقت اسلام قبول کر رہے تھے وہ نماز جیسی عبادت سے محروم نہ رہیں اور زبان عبادت میں رکاوٹ نہ بنے۔

"وقد اجاز الامام ابوحنیفه فی البدایة قرأة الترجمة فی الصلاة، وکان تلمیذه الامام محمد والامام ابویوسف متفقین فی الرای علی ان یقرأ المسلم الترجمة فی الصلاة مالم یعرف العربیة"[۱۳]

---

[۱۲] "تاریخ فقہ اسلامی" ص ۳۰۲ - ۳۰۴

[۱۳] (الف) "میزان الشعرانی" (اردو ترجمہ مولوی محمد حیات سنبھلی) جلد اوّل ص ۳۷۰
(ب) "کتاب الاصل" بحوالہ ...

لیکن بعد میں اپنے فتوے سے رجوع اس لیے کر لیا کہ کہیں نومسلم آسانی کی خاطر قرآن کے اصل متن سے دُور نہ ہو جائیں اور صرف ترجمہ پڑھ لینا کافی نہ سمجھنے لگیں۔

"وقد ذکرت بعض المصادر ان الامام ابوحنیفہ رجع عن رأیہ ھذا فیما بعد"،[14]

لیکن نماز کے علاوہ اس کا ترجمہ پڑھنا دوسری زبانوں میں جائز رکھا اور نماز میں عربی زبان سیکھنے تک بس دُعا کو جائز رکھا۔

"وروی ان القدر الذی سمع بقراتہ انما ینحصر فی الدعا"[15]

بعض شوافع حضرات نے نماز میں قرآن کی تلاوت کسی بھی دوسری زبان میں قطعاً ممنوع قرار دی۔

"ویمیل بعض علمأ الشافعیۃ الی عدم اجازۃ قرأۃ القرآن فی الصلاۃ بغیر العربیۃ"[16]

مگر امام شافعی (المتوفی ۲۰۴ھ/۸۲۰ء) نے جو فتویٰ دیا اس کے تحت اس شخص کو تو اجازت حاصل ہو سکتی ہے جو عربی قطعی نہ جانتا ہو، مگر ابو اسحاق الشیرازی (المتوفی ۴۷۶ھ/۱۰۸۳ء) نے اس کو بھی قطعی ممنوع قرار دیا۔

"ویری الامام الشافعی نفسہ الصلاۃ فی حالۃ قراۃ القرآن بغیر العربیۃ لمن یعرفونھا"[17]

---

[14] "الھدایۃ شرح البدایۃ"، جلد اوّل ص

[15] "المعجزۃ الکبریٰ" ص ۵۱۹

[16] "المجموعہ شرح المہذب"، ص ۳۴۳

[17] "کتاب الام" جلد اوّل ص ۲

"امام ابو اسحاق ابراھیم بن علی بن یوسف الشیرازی فیقول بعدم جواز قراۃ القران فی الصلاۃ بلسان غیر العربیۃ"[18]

مالکی حضرات اور حنبلی حضرات کے نزدیک نماز میں ترجمہ قرآن کا پڑھنا ممنوع ہے مگر ابن حزم الظاہری (المتوفی ۴۵۶/۱۰۶۴ء) نے اگرچہ نماز میں سورہ فاتحہ یا کسی اور آیت کا ترجمہ پڑھنا حرام قرار دیا ہے مگر اس مسلمان کو وقتی اجازت دی ہے جو مسلمان ہونے کے بعد عربی سے واقف نہ ہو نماز میں ترجمہ پڑھ سکتا ہے

"وقد قال علماء المالکیۃ ھم لا اخرون بعدم جواز قرأۃ الترجمۃ فی الصلاۃ"[19]

"وذھب الحنابلۃ نفس المذھب"[20]

"ولم یقتبل ابن حزم الظاھری بقرأۃ الترجمۃ فی الصلاۃ بحال الا قول بجواز ان یقرأ من لا یعرفون القرآن بالعربیۃ وعبادات ذکر اللہ بلغاتھم وفی رأیہ ان ترجمۃ الفاتحہ او سورۃ اخری القرآن وقرأتھا فی الصلاۃ حرام"[21]

امام حسن بن احمد علی الشرنبلالی (المتوفی ۱۰۶۹ء/۱۶۵۹ء) نے قرآن کو فارسی خط

---

۱۸ "المہذب فی فقہ مذہب الامام الشافعی" جلد اوّل ص ۷۳

۱۹ "حاشیہ علی شرح اقرب المسالک" جلد اوّل ص ۲۳۷

۲۰ "المغنی" جلد اوّل ص ۳۶۲

۲۱ "المحلی" جلد ۳ ص ۳۲۸

میں لکھنے کو تو حرام قرار دیا مگر اس کے معنی فارسی میں پیش کرنے کی اجازت دی اور ان کے نزدیک نماز میں جو شخص عربی نہ جانتا ہو وہ بغیر تلاوت قرآن کے نماز پڑھ سکتا ہے۔

"وکتب الشرنبلالی رسالة حول کتابة القرآن بالفارسیه وقرأته بها خلاصتها إن کتابة القرآن بالفارسیة حرام وانه لا یجوز إلا کتابة تفسیر و ترجمة کل حرف مع العربیة، و إنه یصح لمن لا یعرفون العربیة أن یصلوا بغیر قرأة" [۲۲]

ائمہ کرام کی آراء کی روشنی میں یہ بات واضح طور سے سامنے آئی کہ نماز میں قرآن کی تلاوت کسی اور زبان میں جائز نہیں سوائے چند بہت ہی غیر معمولی نوعیت کے وجوہ سے وہ بھی کچھ عرصے کے لیے مگر سوائے نماز کے، وہ ہر زبان میں قرآن کے معنی و مطالب پڑھ سکتا ہے بشرطیکہ وہ معنی قرآن سے قریب تر ہوں۔

امام زمخشری (المتوفی ۵۳۹ھ/۱۱۴۴ء) سورۃ ابراہیم کی چوتھی آیت شریفہ

وَمَآ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوۡمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمۡ (ابراہیم ۴)

کی تفسیر بیان کرتے ہوئے ایک فیصلہ اس بحث کے سلسلے میں رقم کیا کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تمام نوع انسان کی ہدایت کے لیے تشریف لائے ہیں مگر اس بات کی ضرورت نہیں تھی کہ قرآن تمام انسانوں کی اپنی اپنی زبانوں میں نازل کیا جائے، کیونکہ ترجمہ کے ذریعہ اس آیت کے معانی کو دوسروں تک پہنچایا جا سکتا ہے۔

"وقد ذکر الزمخشری وهو یفسر الآیة الکریمة (وما ارسلنا من رسول...الخ) (ابراهیم) إن النبی ارسل الی

---

[۲۲] "النفحة القدسیہ فی احکام قرأة القرآن" ص ۱۵۶

كافة البشر وفى هذه الحالة فهو يجيب على مسالة تبليغ الدعوة الى من لا يعرفون العربية فيقول لاحاجة لنزول القرآن بكافة اللغات، وتبليغه الى الناس يمكن ان يكون بطريقه الترجمة" [۲۳]

اسی آیت کی تفسیر امام قرطبی (المتوفی ۶۶۸ھ/۱۲۶۹ء) یوں فرماتے ہیں کہ اسلام کی دعوت ترجمہ ہی کے ذریعہ اتمام پذیر ہو سکتی ہے۔

"ويشير القرطبى عند تفسيره لنفس الاية الى أنه يمكن تبليغ الدعوة بواسطة الترجمة" [۲۴]

ابو اسحاق کا قول اس سلسلے میں ملاحظہ کیجئے:

"ويتفق كافة العلماء على أنه لا يجوز استنباط الاحكام من الترجمة" [۲۵]

تمام ائمہ اس بات پر متفق ہیں کہ ترجمہ اگرچہ جائز ہے مگر ترجمہ دلیل قطعی نہ ہو گا یعنی شرعی معاملات اس ترجمہ پر منحصر نہ ہوں گے بلکہ اس کے لیے فقیہہ کو اصل متن ہی سے استنباط کرنا ہو گا۔ کیونکہ قرآن پاک کے ہر ہر لفظ میں جو معنوی گہرائی ہے اس کو ترجمہ میں نہیں ڈھالا جا سکتا۔ اس اُمر کو وہ حضرات اچھی طرح جانتے ہیں، جنہیں اس بات کا تجربہ ہے کہ قرآن جیسی کتاب کا ترجمہ اس کی مراد کو پیش نہیں کر سکتا۔ البتہ اصل روح کے قریب تر ہو سکتا ہے اور یہ عام آدمی کو سمجھانے کے لیے کافی ہے مگر اس ترجمہ سے شرعی احکام

۲۳؎ "تفسیر الکشاف" جلد ۳، ص

۲۴؎ "الجامع البیان فی احکام القرآن" جلد ۹، ص ۳۴۰

۲۵؎ "الموافقات فی اصول الاحکام" جلد اوّل، ص ۱۷

استنباط کرنے میں غلطی کا احتمال بڑھ جاتا ہے اور حُسنِ اتفاق سے یہ عمل کثرت سے جاری ہے
مولانا نعیم الدین مراد آبادی بھی سورۃ ابراہیم کی اسی آیت کے ضمن میں عام لوگوں تک اس
کی رسائی کو ترجمے کے ذریعے ہی آسان سمجھتے ہیں۔ چنانچہ حاشیہ میں رقمطراز ہیں

"کہ جب اس نبی کی قوم اپنی زبان میں اچھی طرح سمجھ لے تو دوسری قوموں
کو ترجمے کے ذریعے وہ احکام پہنچا دیئے جائیں"۔[۲۶]

پس ترجمہ قرآن کا اصل مقصد یہی سامنے آیا کہ عام عجمی کو اس کی اپنی زبان میں اس
کے اپنے اسلوب میں قرآنی رموز بتائے جائیں تاکہ وہ خدا کی ذات میں فکر کرنے کی بجائے
اس کی نشانیوں میں فکر کرے جو بندگی کے لیے نہایت ضروری ہے، اس طرح وہ قرآن
کے ظاہری معنی کے ساتھ ساتھ کسی حد تک اس کے باطنی معنوں سے بھی آگاہ ہو سکے گا اور
یہ جب ہی ممکن ہے کہ قاری کی اپنی زبان میں سادہ اور سلیس ترجمۂ قرآن موجود ہو، غالباً
اسی عظیم مقصد کے پیشِ نظر قرآن پاک کے اب تک دُنیا کی ۶۵ مختلف زبانوں میں سینکڑوں
مکمّل تراجم کیے جا چکے ہیں۔[۲۷] جو خاص کر پچھلی چار صدیوں میں نمایاں طور سے سامنے آئے
ہیں اور طبع ہوتے رہے ہیں۔ نامکمّل مطبوعہ تراجم کی بھی ایک بڑی تعداد موجود ہے جبکہ کثیر
غیر مطبوعہ تراجم اس کے علاوہ ہیں۔

سب سے زیادہ جس زبان میں تراجم قرآن، مکمّل طور پر ہوئے ہیں وہ اُردو اور انگریزی
زبانیں ہیں۔ اُردو زبان کی تاریخ اگرچہ کئی صدیوں پر محیط ہے اور مختلف زمانوں اور علاقوں
میں یہ جُدا جُدا ناموں سے پہچانی جاتی رہی[۲۸] مگر انگریزی زبان سے بہت بعد میں یہ وجود

۲۶؎ "تفسیر خزائن العرفان فی تفسیر القرآن" ص ۴۰۸

۲۷؎ Ekmeleddin Ihsan Oglu (editor) World Bibliography of Translation of the Meanings of The Holy Quran" Page L. Istanbul R.C.I.H, Art & Culture Turkey.

۲۸؎ "اُردو زبان کے مختلف نام اور اُن کی تاریخ" نوائے ادب، حصّہ اوّل۔

میں آئی۔ اردو میں تقریباً سو سے کچھ زیادہ مکمل طور پر قرآن کے ترجمے ہوئے ہیں اور بیشتر طبع بھی ہو چکے ہیں۔ جبکہ انگریزی زبان کی ترجمہ کی تعداد ۲۴۵ کے لگ بھگ ہے۔

اس کے علاوہ وہ زبانیں جن میں قرآن پاک کے تراجم ہو چکے ہیں ان کی تعداد کچھ یوں ہے: فارسی میں ۱۰۷ اور ترکی میں ۱۰۷ تراجم موجود ہیں۔ اس کے بعد ۱۰ سے زیادہ اور ۱۰۰ سے کم تعداد میں جن زبانوں میں قرآن کا ترجمہ ہوا ہے وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

فرنچ (۱۴) ، فارسی (۲۰) ، ترکی (۱۴۱) قابلِ ذکر ہیں اس کے علاوہ وہ زبانیں جن میں ۱۰ سے کم ترجمے ہوئے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں:

جرمنی ، بنگلہ ، انڈونیشی ، ہسپانوی ، ڈچ ، سندھی ، اطالوی ، روسی ، پنجابی ، پشتو ، ملائی ، چینی ، تامل ، سربوکروشین اور گجراتی ، یونانی ، جاپانی ، پرتگالی ، ہندی ، ڈینش ، لاطینی ، سواحیلی ، سویڈش ، ٹیلگو ، یوروبا ، ہربیو ، چیک ، ملاوک ، آرمینین ، فی نش ، تھائی ، سنسکرت ، مراٹھی ، کردش ، کشمیری ، ہنگیرین ، افریقین ، ام فیرک ، ایس پرنٹو۔

اور جن زبانوں میں صرف ایک ہی ترجمہ اب تک سامنے آیا ہے ان کی تفصیل یہ ہے

آسامی ، بلوچی ، بروہی ، بوگی نیزی ، بلغارین ، برمی ، البانی ، کیردی ، جاوانیزی ، کناریز ، کورین ، لوگانڈا ، مکاسر ، ملائم ، نوردیگین ، پولش ، رومانین ، سن ہالیز ، سوڈانیز۔[۲۹]

اب تاریخی طور پر یہ جائزہ لیا جائے گا کہ کون سا ترجمہ کب اور کہاں کیا گیا اور کس طرح ترجمہ قرآن کا مختلف زبانوں میں آغاز ہوا۔ اس بات پر تمام محققین متفق ہیں کہ ترجمہ قرآن ہر مترجم نے صرف اس ایک ہی مقصد کے لیے کیا کہ اسلام کی زیادہ سے زیادہ اشاعت ہو۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ قرآن کے معنی اور مفہوم کو وہاں کی مقامی زبان میں

۲۹۔ Ekmeleddin Ihsan Oglu (editor) 1986. "World Bibliography of Translation of the Meanings of The Holy Quran" P. (XLVII – L) Istanbul Research Centre Islamic History, Art and Culture. Turkey.

ترجمہ تشریح یا تفسیر کے ذریعہ پہنچایا جائے۔ چند ابتدائی تراجم قرآن کے سلسلے میں ڈاکٹر حمید اللہ رقمطراز ہیں:

"حجاج بن یوسف کے زمانے میں غیر مسلموں نے سوریانی زبان میں پہلی صدی ہجری کے بقیہ نصف حصّے میں قرآن پاک کے ترجمے کیے تھے اور اس بات کی بھی قوی امید ہے کہ بربری زبان میں کیا ہو (۱۲۷ھ) کا ترجمہ قرآن بھی موجود رہا ہو۔ ۲۵۵ ہجری سے قبل اس زمانے میں فارسی زبان کا ترجمہ بھی موجود تھا جو موسیٰ بن سیار الاسوری نے کیا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ ہندی زبان کا ترجمہ جو ۲۷۰ھ میں ہوا تھا وہ بھی موجود رہا ہو۔"[۳۰]

آرنلڈ کے قول کے مطابق[۳۱] پہلی صدی ہجری میں اس بات کا قوی امکان ہے کہ چینی زبان میں بھی ترجمۂ قرآن ضرور موجود رہا ہو۔ کیونکہ چینی ماہر کے قول کے مطابق ۲۴۲ء۔۲۱۳ء کے عرصے میں مسلمان تجارت کے لیے مسلسل چین میں آتے رہے ہیں اور وہ یقیناً اپنے ساتھ آسمانی کتاب ضرور لائے ہوں گے اور اس پر عمل کرتے ہوئے اس قرآن کی چینی زبان میں تبلیغ کی ہو گی۔ اس لیے ضروری ہے کہ قرآن کا مکمل یا جزوی ترجمہ چینی زبان میں پہلی صدی ہجری ہی میں ہو گیا ہو۔

فارسی زبان میں ترجمہ قرآن سلطان ابوصالح منصور بن نوح بن نصر احمد بن اسمٰعیل ــــ (۳۴۸-۳۶۴ھ/۹۷۶-۹۶۱ء) نے اپنے عہد حکومت میں ابن جریر طبری کی تفسیر "جامع البیان فی تفسیر القرآن" کا ترجمہ مختصراً فارسی ترجمہ کے ساتھ کر دیا تھا اور یہ فارسی زبان میں پہلا ترجمۂ قرآن ہے جو لفظی تھا اور اس بات کا اس میں اہتمام نہیں کیا گیا کہ فارسی ادب کی رُو سے

۳۰ھ Hamidullah M., 1980. " Le Saint Quran – Traduction Intégrale et Notes" 10th edition P. LII – LIII Beruit.

۳۱ھ Arnold T.W. 1968. " The Preaching of Islam" Lahore.

صحیح ہے یا غلط، بس لفظ کے نیچے لفظ کا ترجمہ لکھ دیا گیا تھا۔ پھر یہی فارسی ترجمہ بعد کے مترجمین کے لیے سنگِ میل بنا رہا اور سب نے اس کو اپنا ماخذ بنایا۔[۳۲]

ترکی زبان کا پہلا ترجمہ پروفیسر محمد فواد کوپرنو (م ۱۹۶۶ء)[۳۳] اور پروفیسر عبدالقادر اینان (المتوفی ۱۹۷۶ء)[۳۴] کی تحقیق کے مطابق پانچویں صدی ہجری میں ہوا تھا۔ لیکن یہ نسخہ ناپید ہے البتہ مشرقی ترکی زبان میں (۷۳۴ھ/۱۳۳۲ء) کیا ہوا ترجمہ آج بھی موجود ہے۔ یہ ترجمہ فارسی سے ترکی زبان میں منتقل کیا گیا تھا اور یہی ترکی زبان کا قدیم ترین ترجمہ شمار ہوتا ہے۔

ترکی زبان میں پہلی طبع ہونے والی تفسیر قرآن "تفسیر التبیان" ہے جو (۱۸۴۲ء) میں قاہرہ سے شائع ہوئی جبکہ بیسویں صدی میں کئی تراجم ترکی زبان میں ہوئے ہیں۔[۳۵]

بنگالی زبان میں سب سے پہلا ترجمہ ایک برہمن گارش چندرہ سن نے (۱۸۸۱-۱۸۸۶ء) کے دوران مکمل کیا تھا۔[۳۶]

ہندی زبان کا قدیم ترین ترجمہ اور پاک و ہند میں پہلا ترجمہ قرآن پنجاب و کشمیر کے راجہ مہ رُخ نے کروایا تھا۔ راجہ نے سندھ کے مسلم فرماں روا عبداللہ ابن عمر کے ذریعہ عراقی عالم کی خدمات حاصل کی تھیں جنھوں نے (۲۷۰ھ/۸۸۳ء) میں سورہ یٰسین تک ترجمہ کیا۔[۳۷]

ہندی زبان میں پہلا مکمل ترجمہ قرآن ایک پادری ڈاکٹر احمد شاہ مسیحی نے ۱۹۱۵ء میں

۳۲۔ "ترجمہ تفسیر طبری بزبان فارسی" جلد اوّل، ص ۵

۳۳۔ Koprulu, M.F. "Turk Edebiyat Tarikhi" P-129 Istanbul Turkey.

۳۴۔ Inan AbdulQadir, "Kuran-i-Kerim in Turkey" P-8 Ankara, Turkey

۳۵۔ Hamidullah M., 1965. "Kuran-i-Kerim" Istanbul Turkey

۳۶۔ Mofakhkhar H. 1982. "A history of Bengali Translation of Quran" P. 123-136.

۳۷۔ "کتاب عجائب الہند" ص ۲-۳

کیا تھا جو بغیر متن کے شائع ہوا۔[۳۸]

سندھی زبان میں بھی قدیم ترین ترجمہ (۲۷۰ھ/۸۸۲ء) کا ہی کہا جاتا ہے کہ یہ کسی عرب نے کیا تھا۔ قرین قیاس یہی ہے کہ یہ وہی ترجمہ ہو جو کشمیر کے راجہ نے عراقی عالم سے کروایا تھا لیکن یہ ترجمہ اب ناپید ہے۔ البتہ اخوند عزیز اللہ مٹیاری کا سندھی زبان کا ترجمہ قرآن ۱۸۷۰ء میں گجرات سے شائع ہوا تھا۔[۳۹]

پشتو زبان کا پہلا ترجمہ مولانا صوفی مراد علی نے کیا تھا۔ ساتھ میں تفسیر بھی ہے۔ یہ نسخہ ۱۹۰۶ء میں لاہور سے شائع ہوا۔[۴۰]

پنجابی زبان میں کئی ترجمے ہوئے مگر حافظ مبارک اللہ کا ترجمہ جو انہوں نے ۱۸۷۰ء میں مکمل کیا، شاہ ولی اللہ کے ترجمہ فتوح الرحمٰن کے ساتھ ۱۹۰۳ء میں لاہور سے شائع ہوا۔[۴۱]

ملائی زبان میں پہلا ترجمۂ قرآن عبدالرؤف الفانسوری نے کیا جو ۱۹۳۲ء میں شائع ہوا۔[۴۲]

انڈونیشین زبان جو ملایا زبان کی نئی شکل ہے اسی میں پہلا ترجمہ عبدالمراد نے کیا تھا جو ۱۹۲۶ء میں شائع ہوا۔[۴۳]

قدیم چینی زبان کا سب سے پہلا ترجمہ (Malian Yuan) نے کیا تھا، جو کومنگ (Kumming) سے ۱۸۸۸ء میں شائع ہوا جبکہ جدید چینی زبان میں (Li Tiez-

---

۳۸۔ سیارہ ڈائجسٹ "قرآن مجید کے ہندی تراجم" قرآن نمبر جلد نمبر ۱۴، شمارہ ۴، ص ۱۹۹

۳۹۔ "سندھی زبان میں قرآن مجید کے تراجم و تفاسیر" سیارہ ڈائجسٹ، جلد ۱۴، شمارہ ۴، ص ۹۵ء

۴۰۔ "پشتو ادب میں تفاسیر کا تذکرہ" " " " ص ۱۸۷

۴۱۔ "پنجابی میں قرآن کے مطبوعہ تراجم" " " " ص ۳۵۷

۴۲۔ Ekmeleddin Ihsan Oglu. 1986 'World Bibliography of Translation of the Meaning of The Holy Quran." Page-(xxxiii) - Turkey

۴۳۔ Ibd. P. xxxii

(Kamoto-Heng) نے ۱۹۲۷ء میں ایک جاپانی زبان کے ترجمہ قرآن سے ترجمہ کیا جو (Ken'ichi-) نے (Rod well) کے انگریزی ترجمہ سے نقل کیا تھا۔[۴۴]

جاپانی زبان میں سب سے پہلے ۱۹۲۰ء میں ایک بدھسٹ (Ken Lchi sakam-oto) نے انگریزی ترجمہ سے جاپانی زبان میں منتقل کیا اور ۱۹۲۹ء میں دوبارہ (Kurano Kyo) کے نام سے شائع ہوا۔[۴۵]

لاطینی زبان کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یورپ میں بولی جانے والی مختلف زبانوں میں سب سے پہلے اس زبان میں قرآن کا ترجمہ ہوا جو (Robertus Kelensis) نے ۱۱۴۳ء میں مکمل کر لیا تھا مگر ۱۵۴۳ء میں پہلی بار شائع ہوا۔[۴۶]

اسپینی زبان میں سب سے پہلے (Abraham Toledo) نے ۱۷ سورتوں کا ترجمہ کیا تھا مگر اسپینی زبان میں مکمل ترجمہ ۱۸۴۴ء میں میڈرڈ سے شائع ہوا۔ یہ ترجمہ (De Jose Garber de Robles) نے کیا تھا۔[۴۷]

افریقی زبان میں پہلا ترجمہ ایک سواحیلی زبان میں ہوا، جس کو ۱۹۲۳ء میں —— (GOD Frey Dale) نے کیا تھا جبکہ یوربا زبان کا پہلا ترجمہ (M.S.coLe) نے ۱۹۰۶ء میں لاگوس میں کیا۔[۴۸]

اطالوی زبان میں سب سے پہلے (Andrea Arrivabene) نے ترجمہ

۴۴۔ Yiijn Jin, 1982. "The Quran in China" Vol. 17 P. 95-101 Leiden

۴۵۔ Saitoh, Abdul Karim, 1979. "The historical journey of Islam Eastward and The Muslim Community in Japan today" Vol. 1 P-102-110 Saudi Arabia

۴۶۔ Blachere R. 1959. "Introduction to Curan" P-264 Paris, France.

۴۷۔ Ekemeleddin I.O. 1986. Worldbibliography of Translation of the Meanings of The Holy Quran" P-XXXIV Turkey.

۴۸۔ Ibd. P- XXXIV

کیا جو ۱۵۴۷ء میں شائع ہوا۔ اسی ترجمہ کو (solomon schweigger) نے جرمن زبان میں منتقل کیا جو ۱۶۱۶ء میں شائع ہوا۔ اس کے بعد یہ جرمنی زبان کا ترجمہ ڈچ زبان کے لیے ماخذ بنا۔ چنانچہ ڈچ زبان کا ترجمہ ہمبرگ سے ۱۶۴۱ء میں شائع ہوا۔[۴۹]

فرنچ زبان میں (Andre du Ryer) نے براہ راست قرآن سے ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ قرآن (Alcoran de Mahumet) کے نام سے پیرس میں ۱۹۴۷ء میں شائع ہوا۔[۵۰]

انگریزی زبان کا پہلا ترجمہ (ALexander Rose) کا بتایا جاتا ہے جو فرنچ ترجمہ کو بنیاد بنا کر کیا گیا تھا۔ یہ (Andre du Reyer) نے فرنچ زبان میں کیا تھا۔ یہ ترجمہ ۱۶۴۸ء میں لندن سے شائع ہوا تھا۔[۵۱]

کورین زبان کا ترجمہ قرآن ۱۹۷۱ء میں پہلی مرتبہ شائع ہوا جو (young sun Kim) نے کیا تھا۔[۵۲]

گجراتی زبان کا ترجمہ قرآن عبدالقادر بن لقمان کا بتایا جاتا ہے جو ۱۸۷۹ء میں بمبئی سے شائع ہوا۔ کشمیری زبان میں ایک نامکمل ترجمہ محمد یحییٰ شاہ کا ہے جو ۱۸۸۷ء میں کیا گیا۔[۵۳]

اُردو زبان میں ترجمہ قرآن کا تاریخی جائزہ تفصیل کے ساتھ اگلے باب میں لیا جائے گا۔ یہاں صرف ضمناً اوّلیں ترجمہ قرآن کے متعلق ذکر کیا جا رہا ہے کہ تاریخی اعتبار سے شاہ

۴۹۔ Ibd. P. XXXV

۵۰۔ Ibd. P. XXXVI

۵۱۔ Ibd. P. XXXVI

۵۲۔ Ibd. P. XXXVII

۵۳۔ Ibd. P. XXXVIII

رفیع الدین کے ترجمہ قرآن کو محققین حضرات کے نزدیک اوّلیت حاصل ہے جبکہ بعض کے نزدیک شاہ عبدالقادر دہلوی کے ترجمۂ قرآن شرف اوّلیت حاصل ہے۔ دونوں تراجم ۱۳ ویں صدی کے پہلے عشرہ یعنی ۱۲۰۱ اور ۱۲۰۴ ہجری میں بالترتیب مکمل کیے گئے تھے اور پھر اس کے بعد ایک طویل سلسلہ ترجمہ قرآن کا شروع ہو گیا جو آج تک جاری وساری ہے ان دو صدیوں میں ایک سو سے زیادہ مکمل تراجم قرآن اُردو زبان میں منتقل کیے گئے ہیں جُزوی تراجم کی تعداد کا تعین تو ممکن ہی نہیں البتہ تاریخی اعتبار سے ان کی تعداد بھی سینکڑوں سے کم نہیں۔

فن ترجمہ اور اس کے بُنیادی اُصول

ترجمہ قرآن کی تفصیلی بحث سے قبل ضروری ہے کہ فن ترجمہ کے بنیادی اصول اور اس کے مفہوم کی وضاحت کی جائے۔ یہ بحث قرآن کے تراجم کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ ساتھ ہی ساتھ مترجم قرآن کے لیے جن قوانین کی پابندی ناگزیر ہے اس کا بھی تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جائے گا۔ اس بحث کے بعد اس بات کا اندازہ لگانا آسان ہو گا کہ آئندہ صفحات میں جن مترجمین قرآن کا ذکر ہو گا انہوں نے ترجمہ قرآن کا کس حد تک حق ادا کیا ہے، کیونکہ تراجم قرآن کے مطالعہ سے اس بات کا اندازہ ہوا کہ زیادہ تر مترجمین قرآن صرف الفاظ کے تقدم تاخر کی بنیاد پر مترجمین کی صف میں شامل ہو گئے ہیں، اس لیے ان کا ترجمہ قرآن کسی انفرادیت کا حامل نہ ہو سکا، نہ ہی وہ کوئی اپنا اسلوب بیان اپنے ترجمہ میں اُجاگر کر سکے، مثلاً مولوی محمود الحسن دیوبندی کے ترجمہ قرآن کو دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ معدودے چند مقامات کے علاوہ مکمل ترجمہ شاہ عبدالقادر دہلوی ہی کا ہے، اس لیے ضروری ہے کہ اوّلاً ترجمہ کے

لفظ ترجمہ

ترجمہ عربی زبان کا لفظ ہے جو ایک اسم مذکر ہے۔ لغت عربی میں ترجمہ کا لفظ دو معانی کے لیے استعمال ہوتا ہے جس کو ڈاکٹر ذہبی نے اپنی کتاب میں اس طرح بیان کیا ہے۔

الاوّل: "نقل الكلام من لغة إلى أخرى بدون بيان لمعنى الأهل المترجم، وذلك كوضع رديف مكان رديف من لغة واحدة"

الثاني: "تفسير الكلام و بيان معناه بلغة أخرى"[۵۴]

ترجمہ: کسی کلام کو ایک سے دوسری زبان میں منتقل کرنے کو ترجمہ کہتے ہیں بجز اس کے کہ جس کلام کا ترجمہ کیا گیا ہو اس کے معانی کی وضاحت کی جائے مثلاً جیسے ایک ہی زبان کے ردیف کو بدل کر اس کی جگہ اسی زبان کا دوسرا ردیف استعمال کیا جائے

(۲) ترجمہ کے دوسرے معنی یہ ہیں کہ ایک زبان کا مطلب دوسری زبان میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا جائے۔

اس سلسلے میں صاحب تاج العروس رقمطراز ہیں

"والترجمان المفسر للسان، وقد ترجمه وترجم عنه إذا فسر كلامه بلسان أخرى: قال الجوهري، وقيل نقله من لغة إلى لغة أخرى"[۵۵]

ترجمہ: کسی زبان کی تشریح و توضیح کرنے والے کو "ترجمان" کہتے ہیں جبکہ ایک زبان کے کلام کو دوسری زبان میں تبدیل کرنے کا نام ترجمہ ہے۔ امام جوہری کا قول ہے کہ کلام کو ایک زبان سے دوسری زبان میں نقل کرنے کو ترجمہ کہتے ہیں۔

---

۵۴ "التفسیر والمفسرون" جلد اوّل، ص ۲۳

۵۵ "تاج العروس من جواہر القاموس" الجزء الثامن، ص ۲۱۱

مولوی عبدالحفیظ بلیاوی نے ترجمہ کے معنی "ترجمہ کرنا" کسی کے معاملے کو واضح کرنا کیے ہیں۔[۵۶] فرہنگ آصفیہ[۵۷] نے بھی قریب قریب یہی معنی بیان کیے ہیں۔

فیروزاللغات میں لفظ "ترجمہ" کے معنی یہ بیان کیے گئے ہیں:

"ایک زبان سے دوسری زبان میں بیان کیا ہوا۔"[۵۸]

ماہرینِ لغات کی آراء کی روشنی میں یہ بات واضح ہوئی کہ ترجمہ سے مراد ایک کلام کو ایک زبان سے دوسری زبان میں بدل دینا ہے مگر ایسے لفظ کے ساتھ کہ اصل زبان کا مفہوم اور مقصد مکمّل طور سے دُوسری زبان میں واضح ہو رہا ہو۔ اس مقصد کے لیے مترادفات سے بھرپور استفادہ حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اب اصول ترجمہ کی تفصیلات سے آگاہی کے لیے اصول فنِ ترجمہ کے ماہرین کی آراء پیش کی جاتی ہیں۔

جناب مظفر علی سیّد لفظ "ترجمہ" کے متعلق رقمطراز ہیں،

"اُردو اور فارسی میں ترجمے کا لفظ جس کا اشتقاق رابطہ ہے، ترجمان اور مترجم دونوں سے ہے اور عربی زبان سے آیا ہے۔ علماء لغت اس کے کم از کم چار معنی بتاتے ہیں۔

(۱) زبان میں نقل کلام (۲) تفسیر و تعبیر (۳) دیباچہ یا کسی شخص کا احوال (۳) دیباچہ یا کسی شخص کا احوال (۴) تذکرہ۔ یہ چاروں معنی باہم مربوط ہیں۔"[۵۹]

اُردو ادب کے معرُوف محقق اور ادیب شان الحق حقی "ادبی تراجم کے مسائل" کے سلسلے

---

۵۶ مولوی عبدالحفیظ بلیاوی "مصباح اللغات" ص ۸۳ مطبوعہ کراچی ۱۹۸۲ء

۵۷ مولوی سیّد احمد دہلوی "فرہنگ آصفیہ" ج اوّل ص ۶۰۱ مطبوعہ لاہور ۱۹۸۷ء

۵۸ فیروزاللغات اُردو جدید نیا ایڈیشن، ص ۲۰۰

۵۹ "فن ترجمہ کے اصولی مباحث" "اردو زبان میں ترجمے کے مسائل" ص ۳۱

میں رقمطراز ہیں۔

"ترجمہ کی تعریف حتمی طور پر شاید آسان نہیں کیونکہ کچھ لوگ خیال کی منتقلی کو کافی سمجھتے ہیں جبکہ کئی حضرات ہیئت اور اسلوب پر بھی زور دیتے ہیں"[۶۰]

آگے چل کر حقی صاحب لکھتے ہیں۔

"اس پر سب متفق نظر آتے ہیں کہ ایک زبان کا اسلوب دوسری زبان میں منتقل کرنا ناممکن ہے کیونکہ ترجمہ میں خیال اور زبان دونوں کو اہمیّت حاصل ہے اور ترجمے میں مقصد کا تعین ضروری ہے کیونکہ مقصد کے تعیّن کے بغیر تراجم اس کی اصلی غایت کو پہنچ ہی نہیں سکتے جس کی وجہ سے ترجمہ بے جان محسوس ہو گا اور پھر اصل کے مطابق ادبی بھی نہ رہے گا۔یہی وجہ ہے کہ مذہبی صحائف کو جو عالمی ادب کا اہم جُز ہوتے ہیں اور جن میں اس زبان کا اعلیٰ ترین ادب ملتا ہے اکثر ناقابلِ ترجمہ قرار دیا گیا ہے اور بعض اوقات ان کے ترجمے کی کوشش کو ایک طرح کی بے حرُمتی بھی کہا گیا ہے"[۶۱]

پروفیسر رشید امجد اپنے مقالے میں اس طرح رقمطراز ہیں؛

"اصل معاملہ طریقہ کار کا ہے کہ کسی ترجمہ کے معیار کی پابندی کن اصول پر کی جا سکتی ہے۔کیونکہ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ ترجمہ صحیح ہو، عام فہم ہو اور خوبصورت ہو لیکن یہ شرائط کس طرح پوری ہوں جبکہ ہر ترجمہ اپنا ایک الگ ضابطہ رکھتا ہے اور یوں تو پھر ہزاروں لاکھوں اصول بنائے جائیں جو کہ ناممکن ہے اور یہ ترجمہ کرنے والا ہی جانتا ہے کہ وہ کس طرح اصل سے انصاف کر سکتا ہے اور بنیادی

---

[۶۰] ادبی تراجم کے مسائل (اُردو زبان میں ترجمہ کے مسائل) ص ۲۱۲

[۶۱] " " " " ص ۲۱۳

بات بھی یہی ہے کہ جس زبان میں ترجمہ کیا جا رہا ہے اس کے ساتھ ترجمہ نگاری کی جذباتی علمی واقفیت اور ہم آہنگی بھی نہایت ضروری ہے۔"[۶۲]

ڈاکٹر سہیل احمد خان نے مترجم کے مزاج کے سلسلے میں جو بات ضروری اور اہم قرار دی وہ مندرجہ ذیل ہے۔

"مترجم کے مزاج میں اطاعت ہو تا کہ وہ اصل متن سے اتفاق کر سکے اور یہ انکساری کے بغیر ممکن نہیں، اس کے ساتھ ساتھ ترجمہ کرنے والے کو اس صنف ادب یا شاخِ علم سے واقف کار ہونا چاہیے جس میں متعلقہ متن موجود ہے۔ ایک شرط یہ بھی لازم ہے کہ مترجم جس زبان میں ترجمہ کر رہا ہے وہ اصل زبان کے ہم پلہ ہو، کیونکہ ترجمہ کا تعلق اصل تصنیف سے تقریباً وہی ہوتا ہے جو شہاب ثاقب کو نجم و کواکب سے۔"[۶۳]

ڈاکٹر سہیل کی رائے کی روشنی میں اگر مترجم کی اطاعت متن سے سو فی صد نہ ہوگی یا کم از کم متن کے قریب نہ ہوگی تو وہ یقیناً صحیح ترجمہ یا ترجمانی نہ ہوگی، جبکہ مذہبی صحیفے میں عقائد سے ہم آہنگی یا اطاعت اشد ضروری ہے اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ مترجم اپنے ذاتی خیالات اور رجحانات کو ترجمہ میں جگہ نہ دے۔ دوسری اہم بات کی نشاندہی ڈاکٹر سہیل نے یہ کی ہے کہ ترجمہ والی زبان اصل کے ہم پلّہ ہو۔ اگر ہم پلّہ نہ ہو تو کم سے کم اس زبان میں مافی الضمیر بیان کرنے کی صلاحیت تو ضرور ہو ورنہ حقیقتاً ترجمہ میں وہ چاشنی نہ ہوگی جو اصل میں ہے۔

مظفر علی سیّد متن اور موضوع سے متعلق رقمطراز ہیں:

"متن اور اپنی زبان میں تو مہارت ہونا ہی چاہیے اس کے ساتھ ساتھ موضوع

۶۲؎ "ترجمہ کے اصول مباحث" (اُردو زبان میں ترجمہ کے مسائل) ص ۴۵

۶۳؎ "اُردو زبان میں ترجمہ کے مسائل" ص ۴۵

پر مہارت زبان سے بھی زیادہ ضروری ہے بلکہ سب سے زیادہ مہارت موضوع پر ہی چاہیے۔ ساتھ ہی ساتھ مترجم کی مماثلت بھی مصنف سے ضروری ہے۔"[۶۴]

اس لحاظ سے مترجم قرآن کو خصوصیت کے ساتھ علوم قرآن پر گہری نظر ہونا چاہیے اور علوم قرآن بغیر علمِ حدیث، فقہ، تفسیر، منطق قواعد عربیہ، عربی ادب و تاریخ اور عربی زبان پر مکمل دسترس کے سمجھنا ناممکن ہے اس لیے یہ ضروری ہوگا کہ جب کوئی مترجم ان علوم پر مہارت تامہ حاصل کرلے، تب قرآن جیسی کتاب کا ترجمہ کرنے کے لیے قلم اٹھائے۔

مترجم کے اپنے خیالات اور مصنف کے خیالات کی ہم آہنگی کی اہمیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے احمد فخری صاحب ترجمے کی تعریف اس کرتے ہیں:

"ہمارے نزدیک ترجمہ کی تعریف یہ ہے کہ کسی مصنف کے خیالات کو لیا جائے ان کو اپنی زبان کا لباس پہنایا جائے، ان کو اپنے الفاظ و محاورات کے سانچے میں ڈھالا جائے اور اپنی قوم کے سامنے اس انداز سے پیش کیا جائے کہ ترجمے اور تالیف میں کچھ فرق معلوم نہ ہو۔"[۶۵]

اس تعریف کی روشنی میں ترجمہ متن کی ترجمانی ضرور کرے گا لیکن ترجمہ نہیں ہوگا متن اور ترجمے میں جتنا قریبی رابطہ ہوگا اتنی ہی اس ترجمہ کی زیادہ پذیرائی ہوگی۔

ڈاکٹر سید عابد حسین اس سلسلے میں اپنے ایک مکتوب مورخہ ۱۹ اکتوبر ۱۹۴۴ء میں بنام سیّد زوار حسین رقمطراز ہیں:

"ادبی قدر و قیمت ترجمے کو اسی وقت حاصل ہوتی ہے جب ایک زبان سے دوسری زبان میں مفہوم کے ساتھ وہ آب و رنگ، وہ چاشنی، وہ خوشبو، وہ مزہ

---

۶۴ "فن ترجمہ کے اصولی مباحث" ص ۳۸ (اردو زبان میں ترجمہ کے مسائل)

۶۵ (مضمون) "دو تراجم" رسالہ اردو، شمارہ اکتوبر ۱۹۲۹ء، بحوالہ ترجمے کا فن، ص ۸۵

بھی آجائے جو اصل عبادت میں موجود تھا۔[۶۶]

فن ترجمہ میں متن، موضوع، مترجم کی مصنف سے ذہنی ہم آہنگی کے ساتھ ترجمے میں مقصد کا تعین بھی ضروری ہے تب ہی ترجمہ عام فہم اور اصل موضوع سے قریب تر ہو سکتا ہے۔ لیکن اس کو سلیس، بامحاورہ اور آسان بنانے کے لیے ضروری ہے کہ مصنف اس زبان پر جس میں ترجمہ کیا جا رہا ہے۔ کامل دسترس رکھتا ہو، اس کے علاوہ مترجم کے لیے مزید شرائط جو ترجمہ کی نسبت سے زیادہ ضروری ہیں مثلاً:

(۱) اچھا مترجم ہونے کی ایک شرط اچھا انشاء پرداز ہونا بھی بیان کی جاتی ہے۔[۶۷]

(۲) مترجم کے لیے جہاں دونوں زبانوں سے خاص واقفیت ضروری ہے وہاں لفظی اشتقاق کی واقفیت بلکہ انشائی استعداد بھی ضروری ہے، ورنہ اصل کی رُوح ترجمے میں کُلی طور پر منتقل نہ ہو سکے گی۔[۶۸]

(۳) ترجمہ نگاری ایک مشکل فن ہے، اگرچہ لفظوں کا ترجمہ مشکل کام نظر نہیں آتا لیکن یہی ترجمہ جب کوئی دونوں زبانوں کا جاننے والا پڑھتا ہے تو وہی صحیح تجزیہ کر سکتا ہے کہ مترجم نے کہاں اصل سے انحراف کیا یا کس قسم کی لغزش سے وہ دوچار ہوا ہے۔ جس کی جتنی عمیق وسعت نظری ہوگی وہ اتنا ہی اس بات سے آگاہ ہو سکے گا کہ اصل اور ترجمے میں کتنی ہم آہنگی ہے۔

صلاح الدین احمد صاحب کامیاب مترجم کے لیے جو اہم شرائط لازم کرتے ہیں، وہ مندرجہ ذیل ہیں:

"ترجمہ بجائے خود ایک مشکل فن ہے۔ اس میں کامیابی کی سب سے اہم شرط یہ

۶۶؎ "بیاض مبارک" ص ۵۶

۶۷؎ "ترجمے کے چند پہلو" ص ۴۳ ، ماہِ نو" کراچی ۱۹۵۲ء

۶۸؎ " " " ص ۴۴ " " " "

ہے کہ مترجم صاحب ذوق ہو اور دونوں زبانوں کے مزاج سے اچھی طرح واقف ہو۔ یوں ترجمہ کرنے کو جیسا آپ چاہیں کریں لیکن ایک زبان کے فنکار کی رُوح کو دوسری زبان میں اس طرح داخل کرنا کہ ترجمے پر تصنیف کا گماں ہو، بہت کم اہل قلم کو ارزانی ہوا ہے۔[۶۹]

ڈاکٹر جمیل جالبی (سابق شیخ الجامعہ جامعہ کراچی) ترجمے کے تین اقسام بتاتے ہیں۔

(۱) اصل متن کا صرف لفظی ترجمہ کر دیا جائے۔

(۲) مفہوم لے کر آزادی کے ساتھ اپنی زبان کے روایتی و مقبول انداز و بیان کو سامنے رکھتے ہوئے ترجمہ کیا جائے۔

(۳) ترجمہ اس طور پر کیا جائے کہ اس میں مصنف کے لہجے کی کھنک بھی باقی رہے۔ اپنی زبان کا مزاج بھی باقی رہے اور ترجمہ اصل متن کے بالکل مطابق ہو۔ ترجمہ کی یہ شکل سب سے زیادہ مشکل ہے۔[۷۰]

شان الحق حقی ادبی تراجم کے سلسلے میں ڈاکٹر جمیل جالبی کے مقابل تراجم کو دو اقسام میں تقسیم کرتے ہیں اور یہ تقریباً وہ قسمیں ہیں جو ڈاکٹر جمیل جالبی نے بھی اپنائی ہیں مگر حقی صاحب تیسرے قسم کے ترجمے کو یا تو ترجمہ تصوّر نہیں کرتے یا کم از کم ادبی اور بالخصوص عالمی ادب کی کتب یعنی صحائف آسمانی کو صرف دو قسموں کے تحت ترجمہ کرنے کو ترجیح دیتے ہیں، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ تراجم تین اقسام پر مشتمل ہیں جو ڈاکٹر جمیل جالبی کی تقسیم سے قریب تر ہیں مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا تینوں اقسام میں ترجمۂ قرآن مناسب بھی ہے یا نہیں کیونکہ اوّل دوم اقسام تو منشاء الٰہی کے قریب تر ممکن ہیں لیکن تیسری قسم میں ترجمۂ قرآن منشاء الٰہی سے

۶۹۔ صلاح الدین احمد "میراجی کے چند منظوم تراجم" رسالہ ادبی دنیا، ۱۹۵۵ء

۷۰۔ ڈاکٹر جمیل جالبی "ترجمے کے مسائل" (نیا دور) کراچی، شمارہ ۱۵، ۱۹۶۰ء

دُور ہو جاتا ہے۔ لیکن تاریخ تراجم قرآن میں تینوں اقسام میں ہمیں ترجمہ ملتا ہے اور تیسری قسم کے تراجم پچھلے ۸۰ سال میں زیادہ ہوئے ہیں۔ شان الحق حقی نے ادبی تراجم کے مسائل کے سلسلے میں جو اقسام بیان کی ہیں وہ یہ ہیں:

"ترجمے کی غایت متعین ہو جانے کے بعد اگر علمی یا افادی ترجمہ مقصد ہو تو وہ دو طرح کا ہو سکتا ہے، ایک کم و بیش لفظی اور دوسرا وہ جس میں محاورہ بدل جائے۔ نثری ترجمے میں اصل محاورے کی ترجمانی بھی اپنی جگہ ایک افادی پہلو رکھتی ہے لیکن ایک صُورت یہ بھی ہے کہ عبارت کو تمام تر اپنے محاورے میں ڈھال لیا جائے۔ کون سا طریقہ موزوں ہو گا یہ کتاب کی نوعیت پر منحصر ہے۔ لفظی ترجمے کی موٹی سی مثال مولانا شاہ رفیع الدین اور مولانا عبدالقادر دہلوی کے ترجمۂ قرآن ہیں جن کی تحریر پر عربی نحو کا اثر غالب ہے، چنانچہ اُردو کی ترکیب لغوی میں اُلٹ پلٹ ہو گئی ہے۔ جبکہ مولوی نذیر احمد دہلوی نے اپنے ترجمۂ قرآن میں ایسے محاورات کو راہ دی جو علمی تحریر سے میل نہیں کھاتے"[۷۱]

حسن الدین احمد مترجم کے لیے دونوں زبانوں پر دسترس کو لازم قرار دیتے ہیں اور اس کے علاوہ ترجمے کی ریاضت پر بھی زور دیتے ہیں۔ چنانچہ آپ رقمطراز ہیں:

"ترجمہ ایک باقاعدہ اور مستقل فن ہے۔ ترجمے کے فن میں مہارت اور قدرت پیدا کرنے کے لیے اور دوسرے ہُنروں کی طرح شوق اور صلاحیت کے ساتھ تربیت اور ریاضت کی ضرورت ہوتی ہے۔ ترجمہ محنت طلب کام ہے، ایک طرف وہ سنجیدگی کا مطالبہ کرتا ہے اور دوسری طرف اس فن کے اُصول سے واقفیت بھی لازم ہے۔ اس فن کو برتنے اور اس میں مہارت تامہ پیدا کرنے کے

۷۱۔ شان الحق حقی "ادبی تراجم کے مسائل" سمپوزیم بہ اہتمام مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد ۱۹۸۵ء

لئے کم ازکم دو زبانوں کی ساخت اور ان کی ادبیات سے واقفیت ضروری ہے
ایک طرف وہ زبان یا زبانیں جس سے ترجمہ کرنا مقصود ہو اور دوسری طرف
وہ زبان جس میں ترجمہ کرنا ہو، دونوں زبانوں کے مزاج کو پہچاننا بھی لازم
ہے۔ جس زبان میں ترجمہ کرنا ہو اس سے صرف واقفیت ہی کافی نہیں بلکہ اس
زبان کی لُغت، اصطلاحات، محاوروں اور خاص طور پر مترادفات پر ماہرانہ
عبور ازبس ضروری ہے"۔[۴۲]

نیاز فتحپوری صاحب اُردو زبان میں ترجمے سے متعلق چند اصول کا ذکر کرتے ہوئے
رقمطراز ہیں:

"یہ بحث کبھی نہ کبھی ضرور دیکھنے میں آتی ہے کہ غیر زبانوں کے الفاظ کا ترجمہ
کس اصول سے کیا جائے۔ کوئی کہتا ہے کہ ٹھیٹھ ہندی کے الفاظ استعمال کیے
جائیں اور کوئی عربی و فارسی سے مدد لینا ضروری سمجھتا ہے۔ اس میں شک نہیں
کہ جس حد تک صرف معمولی قصے کہانی کی کتابوں کا تعلق ہے، آپ بہ آسانی ہندی
بھاشا سے کام نکال سکتے ہیں لیکن جس وقت سوال علمی کتابوں کا آئے گا تو آپ
مجبور ہوں گے کہ یا تو فارسی سے مدد لیں یا سنسکرت سے"۔[۴۳]

ان تمام ابحاث سے جو نتیجہ برآمد ہوا اس کی روشنی میں ایک عام مترجم کو مذہبی صحائف
کے علاوہ عام کتابوں کا ترجمہ کرنے کے لیے بھی ایک مشکل اور کٹھن راستے سے گزرنا پڑتا ہے مثلاً

(۱) دونوں زبانوں اور ان کے ادب پر کامل دسترس رکھنا۔

(۲) ترجمے کے مقصد کا تعین ہونا۔

(۳) ترجمہ نگار کا اس زبان سے جس میں ترجمہ کیا جا رہا ہے جذباتی اور علمی واقفیت اور

---

[۴۲] حسن الدین احمد، مقدمہ "ساز مغرب اُردو آہنگ میں" جلد دوم، ص ۲۰، ولا اکیڈمی حیدرآباد دکن ۱۹۷۹ء
[۴۳] نیاز فتحپوری "ترجمہ کے متعلق چند اصولی باتیں" رسالہ نگار شمارہ جولائی ۱۹۲۴ء، بحوالہ ڈاکٹر مرزا حامد بیگ "ترجمے کا فن" ص ۴۲

ہم آہنگی کا ہونا۔

(۴) زبان کے ساتھ ساتھ جس موضوع پر کتاب کا ترجمہ مقصود ہو اس موضوع پر بھی مکمل دسترس حاصل ہونا۔

(۵) دونوں زبانوں کے ساتھ ادبی مساوات اور ہم پائیگی ہونا۔

(۶) ترجمہ میں ادبی رنگ برقرار رکھنا۔

(۷) مصنف کے لہجے کی کھنک کا باقی رہنا۔

(۸) مترجم میں انشائی استعداد ہونا وغیرہ۔

یہ وہ ضروری عوامل ہیں کہ اس کے بغیر ترجمہ ممکن ہی نہیں اور جب آسمانی صحائف میں سے قرآن کے ترجمہ کی بات آتی ہے تو پھر ان ضروری عوامل کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت سے اصول و شرائط سامنے آتے ہیں جن کو پورا کرنا ازحد ضروری ہے۔

قرآنی تراجم اور دیگر مذہبی صحائف جو عالمی ادب کا اہم جُز ہوتے ہیں، جن میں اس زبان کا اعلیٰ ترین جُز بھی ملتا ہے، اکثر ناقابلِ ترجمہ قرار دیئے گئے ہیں اور بعض اوقات ان کے ترجمہ کی کوشش کو ایک طرح کا سوءِ ادب بھی کہا گیا ہے[۴۲]۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آسمانی صحائف بالخصوص ترجمۂ قرآن کسی دوسری زبان میں کتنا کٹھن کام ہے اور یہ حقیقت ہے کہ کلامِ ربانی کا ترجمہ انسان کے لیے ناممکن نہیں تو مشکل ترین ضرور ہے۔ البتہ تمام تر کوششوں سے ترجمہ منشاءِ الٰہی کے قریب تر ہو سکتا ہے جس کے لیے بہت زیادہ استعداد کی ضرورت ہے اس کا اندازہ تفسیرِ قرآن سے لگایا جا سکتا ہے جو بجائے خود ایک آسان کام نہیں۔ آغاز کلام سے تفسیر کے سلسلے میں بہت کچھ لکھا گیا ہے۔ یہ ترجمہ کے مقابلے میں آسان کام بھی ہے مگر اس کے لیے بھی اتنی زیادہ شرائط ہیں کہ بہت کم مفسرین ان شرائط پر پورے اُترتے ہیں۔

۴۲ے شان الحق حقی "اُردو زبان میں ترجمے کے مسائل" مرتبہ، اعجاز راہی، ص ۳۱۳، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد ۱۹۸۵ء

تفسیر جس کے معنی علماء لغت نے 'کھول کر بیان کرنا'، 'چھپی شے کو ظاہر کرنا'، 'معنوی صفت کو ظاہر کرنا' وغیرہ بیان کیے ہیں[۷۵]۔ یہ ایک ایسا علم ہے جس کے تحت قرآنی الفاظ کے معنی تفصیل کے ساتھ عام فہم لفظوں میں بیان کیے جاتے ہیں تاکہ قاری کے ذہن میں پورا مفہوم آجائے۔ اس مقصد کو پورا کرنے کی خاطر ایک لفظ کی تفسیر کے لیے مفسّر کئی کئی صفحات استعمال میں لاتا ہے لیکن مترجم کو اس لفظ کے معنی سمجھانے کے لیے چند حروف ہی پر صبر کرنا پڑتا ہے جس میں اصل بات کو واضح کرنا ہوتا ہے، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ترجمۂ قرآن کس قدر مشکل کام ہے۔

علامہ جلال الدین السیوطی (المتوفی ۹۱۱ھ/۱۵۰۵ء) مفسر قرآن کے لیے مندرجہ ذیل شرائط نہایت ضروری قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مفسّر قرآن کم از کم مندرجہ ذیل علوم پر دسترس ضرور رکھتا ہو۔

> عِلم اللغہ، علم نحو، علم صرف، علم اشتقاق، علم معانی، علم بیان، علم بدیع، علم قرأت، علم اصولِ دین، علم اصول فقہ، علم اسباب نزول، علم قصص القرآن، علم الحدیث، علم ناسخ و منسوخ، علم محاورات عرب، علم التاریخ اور علم اللدّنی وغیرہ۔[۷۶]

مندرجہ بالا شرائط سے یہ ظاہر ہے کہ تفسیر القرآن کوئی آسان کام نہیں کیونکہ ان شرائط کو تو مفسر کو پورا کرنا ہی ہے، اس کے ساتھ ساتھ مفسر کو بہت زیادہ وسیع النظری اور بصیرت تامہ کے ساتھ ساتھ تغیّر کے وقت بہت احتیاط درکار ہے کیونکہ ذرا سی کوتاہی سے یہ تفسیر بالرائے ہو سکتی ہے جس کا ٹھکانا پھر جہنّم کی آگ ہے، کیونکہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

من قال فی کتاب اللہ برأیہ فاصاب فقد اخطاء[۷۷]

---

[۷۵] علامہ حسین بن محمد بن مفضل بالراغب الاصفہانی "المفردات فی غریب القرآن" اہل حدیث اکادمی لاہور، ۱۹۶۱ء، مترجم محمد عبدہ، ص ۹۹۔
[۷۶] علامہ جلال الدین السیوطی "الاتقان فی علوم القرآن" جلد ۲، ص ۱۸۵، سہیل اکیڈمی لاہور ۱۹۸۰ء
[۷۷] امام ابوداؤد سلیمان ابن اشعث سنن ابوداؤد (مترجم عبدالحکیم اختر شاہجہانپوری) جلد سوم، ص ۳۵۱، فرید بک اسٹال لاہور

ترجمہ: جس نے اللہ کی کتاب میں اپنی رائے سے کچھ کہا، خواہ وہ ٹھیک ہو پھر بھی اس نے غلطی کی۔

ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا:

"ومن قال فی القرآن برأیہ فلیتبوأ مقعدہ من النار"[48] (جامع ترمذی)

ترجمہ: اور جو قرآن کی تفسیر اپنی رائے سے کرے اسے بھی چاہیے کہ اپنا ٹھکانا جہنم میں بنالے۔ (حدیث حسن)

ان احادیث اور علامہ سیوطی کی بیان کردہ شرائط کی روشنی میں مترجم قرآن کی ذمہ داری مفسر قرآن سے بھی زیادہ قرار پاتی ہے۔ مترجم قرآن کو بہت ہی محتاط رہنے کی ضرورت ہے کیونکہ اس کو محدود الفاظ میں وہی کچھ کہنا ہے جو منشاء الٰہی ہے اور یہ کام ناممکن نہیں تو مشکل ترین ضرور ہے۔ تمام احتیاط کے ساتھ ترجمہ جب ہی ممکن ہے کہ مترجم قرآن تمام تفاسیر، کتب حدیث، تاریخ فقہ پر دستگاہی کے ساتھ ساتھ عربی زبان وادب پر بھی مکمل عبور رکھتا ہو۔ ساتھ ہی وہ ایک عبقری شخصیت کا مالک ہو۔ علاوہ ازیں مترجم اصل ماخذ عربی زبان میں سمجھنے کی حد درجہ صلاحیت سے بھی بہرہ وَر ہو۔ یہ نہیں کہ مترجم قرآن تفاسیر و حدیث کے ترجمے پڑھ پڑھ کر تفسیر یا ترجمہ کرنے لگے جیسا کہ موجودہ دَور میں عام طور پر دیکھنے میں آیا ہے اور موجودہ دَور میں اس کام کو اتنا آسان سمجھ لیا گیا ہے جیسے کسی عام کتاب کا ترجمہ کرنا۔

قرآن پاک کا کسی بھی دوسری زبان میں ترجمہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ مترجم علم تفسیر کے ساتھ ہی ساتھ علم تاویل سے بھی اچھی طرح آگاہ ہو کیونکہ ترجمہ کے لیے علم تاویل بھی نہایت ضروری ہے۔ علم تاویل میں یہ بات پیش نظر ہوتی ہے کہ ایک لفظ میں معانی کی جس قدر گنجائش موجود ہے ان میں صحیح معنیٰ کا انتخاب کس طرح ہو یعنی کس لفظ کو ترجیح دی جائے۔ اس ترجیح کا

---

[48] امام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ ترمذی "جامع ترمذی" جلد ۲، باب ۸۰، ۱۳، حدیث ۸۶۱، ص ۳۵۱ (مترجم محمد صدیق ہزاروی) فرید بک اسٹال لاہور ۱۴۰۴ء

انحصار اجتہاد پر ہوتا ہے اور مترجم کو یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ کسی مفرد لفظ کے معنی لغت عرب میں کیا ہیں اور سیاق و سباق کے اعتبار سے کون سے معنی وہاں موزوں رہیں گے۔ ساتھ ہی ساتھ اسالیب کلام کو دیکھ کر بھی معنی کا انتخاب کیا جاتا ہے۔[۷۹]

قرآن پاک کے معنی و مطالب سمجھنے کے لیے ہر ایک تفسیر و تاویل کا محتاج ہوتا ہے اور یہ بات بھی یقینی ہے کہ تفسیر جتنی قدیم ہوگی اتنی ہی زیادہ معتبر و مستند ہوگی کیونکہ اس کا زمانہ نزول قرآن سے قریب تر ہوتا چلا جاتا ہے، اسی لیے صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین کی تفاسیر یا ان کے نقل کیے ہوئے اقوال متاخرین علماء کی تفاسیر سے نہ صرف زیادہ مستند بلکہ ہمارے لیے حجت ہیں، قرون اولیٰ اور عہد وسطیٰ میں علماء کو جو علم حاصل تھا، الّا ماشاءاللہ آج وہ ناپید ہے۔ ان کو اعتقاد و یقین میں درجہ کمال حاصل تھا اور ساتھ ہی ساتھ اہم اور بنیادی اعتقادات میں اہلسنت و جماعت میں کوئی ٹکراؤ بھی نہ تھا، اس لیے ترجمہ قرآن کرتے وقت ضروری ہوگا کہ اُن تمام تفاسیر سے مدد لی جائے۔

وقت کے ساتھ ساتھ اعتقادات کا ٹکراؤ بڑھتا گیا جس کے باعث مختلف فرقے جنم لینے لگے اور مختلف فکری رجحان بٹنے لگے تو پھر تفاسیر پر بھی اس کے اثرات مرتب ہوئے اور تفاسیر میں ان کی مختلف آراء جا بجا سامنے آنے لگیں۔ جب دوسری زبانوں میں ترجمہ و تفاسیر کا سلسلہ شروع ہوا تو ترجمہ میں ان عقائد کی خاص کر اشاعت ہونے لگی، خصوصاً برصغیر پاک و ہند میں اُردو ترجمہ قرآن پر جب نظر ڈالیں تو تراجم میں عقائد کا پرتو واضح نظر آتا ہے۔ ان اُردو تراجم قرآن کا اگر غائر مطالعہ کیا جائے تو قاری اس نتیجے پر پہنچے گا کہ مترجم اپنے خیالات کے مطابق الفاظ کے معنی ڈھالتا ہے جس سے ایک نیا پہلو نکلتا ہے یا نیا عقیدہ جنم لیتا محسوس ہوتا ہے اور یہی معنی اس مترجم کے اعتقادی اور فکری رجحان کا تعین بھی کرتے

[۷۹] "الاتقان فی علوم القرآن" (ترجمہ مولانا حلیم انصاری) جلد ۲، ص ۱۳۸

ہیں۔ مثلاً

وَلَقَدْ عَهِدْنَآ إِلَىٰٓ ءَادَمَ مِن قَبْلُ فَنَسِىَ وَلَمْ نَجِدْ لَهُۥ عَزْمًا

(طٰہٰ: ۱۱۴)

ترجمہ: اور اس سے (بہت زمانہ پہلے) ہم آدم کو ایک حکم دے چکے تھے سو ان سے غفلت (اور بے احتیاطی) ہوگئی اور ہم نے ان میں پختگی نہ پائی۔[80]

إِنَّ أَبَانَا لَفِى ضَلَٰلٍ مُّبِينٍ (یوسف: ۸)

ترجمہ: البتہ ہمارا باپ (یعقوب) خطاء میں ہے صریح۔[81]

ان دونوں آیات کے ترجمے سے قاری کے ذہن میں جو مفہوم آسکتا ہے وہ یہ کہ انبیاء غافل بھی رہتے ہیں اور ان سے خطائیں بھی سرزد ہوتی رہتی ہیں۔ (معاذ اللہ) اس طرح تو نبی اور غیر نبی میں کوئی فرق ہی باقی نہیں رہتا۔ ذہن میں ایک سوال اور ابھرتا ہے کہ جب تعلیم دینے والا ہی غافل اور خطا کار ہے تو وہ اُمت کو کس طرح راہ راست پر لاسکتا ہے، جبکہ نبی اپنے دَور میں اُمّت کے لیے اعلیٰ نمونہ بن کر آتا ہے اور وہ کامل نمونہ جب ہی ہوسکتا ہے جبکہ وہ ہمیشہ کے لیے خطا سے پاک ہو۔ یہ عقیدہ درحقیقت عصمت انبیاء کا متقاضی بھی ہے۔

ان جیسے تراجم کو اگر قرون اولیٰ کی تفاسیر کی روشنی میں دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ پچھلے مفسرین عصمت انبیاء کے عقیدے میں پختہ تھے اور انبیاء کے لیے ان کی شایان شان الفاظ استعمال کرتے۔ چونکہ ان کے نزدیک انبیاء معصوم عن الخطا ہیں۔ مندرجہ بالا آیات میں مترجمین کو ایسے مترادف الفاظ استعمال کرنے چاہیے تھے کہ عصمت انبیاء مجروح نہ ہوتی۔

ترجمۂ قرآن دوسری زبان میں ہی کیا جاتا ہے۔ بعض کے نزدیک یہ بدعت ہے، مگر

---

[80] مولوی اشرف علی تھانوی "ترجمۂ قرآن" ص ۳۶۰

[81] شاہ عبدالقادر دہلوی "ترجمۂ قرآن" ص ۲۸۷

یہ عمل بدعت ہے یا مستحسن، یہاں ہم اس بحث میں اُلجھنا نہیں چاہتے۔ مطالعے سے یہ بات سامنے آئی کہ اس عمل کو کثیر علماء کرام نے احسن سمجھا ہے مگر ترجمۂ قرآن تیز دھار پر چلنے کے مترادف ہے اس لیے اس میں بہت احتیاط چاہیے۔

باب سوم

برصغیر پاک و ہند میں

اُردو زبان میں قرآنی تراجم کا تاریخی جائزہ

قرآن کریم خطۂ عرب کو اپنی ضیا پاشیوں کا امین و برکات سے نوازتا ہوا برصغیر پاک و ہند میں پہلی صدی ہجری ہی میں سندھ کے راستے پہنچ چکا تھا[1] مگر تاریخی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یہاں کی مقامی زبان میں قرآن کریم کا ترجمہ سندھ کے ایک عراقی النسل عالم عبداللہ بن عمرؒ نے جس کی نشوونما اسی خطے میں ہوئی تھی۔ ۲۷۰ھ میں کیا۔[2] یہ ترجمہ گو ناپید ہو چکا ہے مگر اوّلیت کا سہرا اس کے سر رہے گا۔ پھر جب اسلام رفتہ رفتہ پورے برصغیر میں پھیل گیا تو یہاں کے باشندوں کو قرآنی تعلیمات سے روشناس اور اس کے اسرار و رموز کی تفہیم کی خاطر ناگزیر تھا کہ علاقائی زبانوں میں قرآن مجید کے تراجم سے اعراض برتا جاتا۔ ابتداء میں گو عجمی زبان میں قرآن مجید کے تراجم کی جسارت کی شدّت سے مخالفت کی گئی اور بعض مترجمین کرام کو اس راہ میں مصائب سے بھی دوچار ہونا پڑا، مگر یہ فضا زیادہ دیر تک قائم نہ رہ سکی۔

برصغیر پاک و ہند میں اسلام کے ابتدائی دَور میں ہی محمد بن قاسم کی شاندار فتح کے بعد

---

[1] مخدوم محمد ہاشم ٹھٹھوی بیاض ہاشمی قلمی، ج ۴، ص ۲، بحوالہ پروفیسر ڈاکٹر مسعود احمد "آخری پیغام" ص ۱۸۱، مطبوعہ کراچی ۱۹۸۶ء

[2] ابوالحسن مدائنی "فتوح الہند و السند" (سندھی ترجمہ چچ نامہ)، ص ۹۸، مطبوعہ حیدرآباد سندھ ۱۹۶۶ء

یہاں (۹۳ھ/۷۱۲ء) اسلامی حکومت قائم ہوگئی۔[۳] عربی زبان یہاں کی مقامی زبان کے ساتھ بولی جاتی رہی اور پھر جلد ہی فارسی نے عربی زبان کی جگہ لے لی اور تقریباً ہزار برس تک مقامی لوگوں کو قرآنی تعلیم ان کی مقامی بول چال کی زبان میں دی جاتی رہی۔

علماء کرام نے قرآن شریف کی اَن گنت تفاسیر عربی اور فارسی زبان میں لکھیں۔ ساتھ ہی ساتھ مقامی زبان میں بھی جزوی یا مکمل تراجم قرآن کیے جانے کا سلسلہ جاری رہا۔ سب سے زیادہ قرآن کریم کی تفسیر یہاں عربی زبان میں لکھی گئیں۔[۴]

عربی اور فارسی تراجم اور تفاسیر

قرآن پاک کی پہلی عجمی تفسیر فارسی زبان میں لکھی گئی تھی جو دراصل محمد بن جریر الطبری المتوفی (۳۱۰/۹۲۲ء) کی عربی تفسیر جامع البیان فی تفسیر القرآن کا فارسی ترجمہ ہے۔ اس تفسیر کو ابو صالح منصور بن نوح حاکم خراساں کے حکم پر (جن کا دورِ حکومت سن ۳۵۰-۳۶۶ھ تھا) بخارا، بلخ اور فرغانہ کے علماء نے عربی سے فارسی میں منتقل کیا۔[۵]

برصغیر پاک و ہند میں قرآن پاک کے فارسی زبان میں ترجمہ کے آغاز کو ساتویں صدی ہجری میں بتایا جاتا ہے جو شیخ سعدی کی طرف منسوب ہے۔ اسی نسخے کو قرآن پاک کا پہلا ترجمہ بھی قرار دیا جاتا ہے۔ مگر مؤرخین نے اس سے اختلاف کیا ہے۔[۶] اس کے علاوہ قدیم تراجم قرآن میں ملک العلماء شہاب الدین بن شمس الدین (المتوفی ۸۴۹ھ) استاد شیر شاہ سوری کا ترجمہ/تفسیر قرآن کا بھی تاریخ میں سراغ ملتا ہے۔ آپ نے یہ تفسیر سلاطین جونپور کے زمانے

۳۔ (الف) مخدوم امیر احمد "چچ نامہ سندھی" ص ۱۲۵، مطبوعہ حیدر آباد سندھ ۱۹۶۶ء
(ب) عبیداللہ قدسی "مفکرین اسلام" ص ۱۴۲، انجمن ترقی اردو کراچی ۱۹۸۴ء

۴۔ ڈاکٹر سالم قدوائی "ہندوستانی مفسرین اور ان کی عربی تفسیریں" ص ۱۶، مکتبہ جامعہ لمیٹڈ نئی دہلی ۱۹۷۳ء

۵۔ ڈاکٹر ذبیح اللہ صفا "تاریخ ادبیات در ایران" جلد اوّل، ص ۴۲۳ مطبوعہ تہران ۱۳۲۵ھ

۶۔ شیخ محمد اکرام "رودِ کوثر" ص ۵۱۸، فیروز سنز کراچی ۱۹۵۸ء

میں تفسیر "بحرِ مواج" کے نام سے لکھی تھی جس میں تفسیر کے ساتھ ساتھ ترجمہ کا اہتمام بھی کیا گیا تھا۔[7] ایک اور قدیم فارسی ترجمۂ قرآن مخدوم نوح ہالائی (المتوفی ۹۸۹ھ) کا بھی تاریخ میں پایا جاتا ہے جس کا ایک پارہ حیدرآباد سندھ سے شائع ہوا ہے۔[8] ان تراجم کے علاوہ بھی فارسی تراجم وتفاسیر کا بھی تاریخ میں ذکر ملتا ہے۔ برصغیر پاک وہند میں ان تراجم وتفاسیر کو خاصی مقبولیت بھی حاصل رہی۔ ان میں چند مترجمین کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) آقا نعمت اللہ طبرانی۔

(۲) شاہ عبدالعزیز دہلوی۔

(۳) شاہ ولی اللہ دہلوی۔

(۴) مرزا خلیل اصفہانی۔

(۵) شمس الدین۔

(۶) ابو محمد وغیرہ۔[9]

فارسی ترجمۂ قرآن میں جو مقبولیت شاہ ولی اللہ دہلوی کے ترجمۂ قرآن کو حاصل ہوئی وہ کسی کو نصیب نہ ہوئی اور اکثر مؤرخین شاہ ولی اللہ دہلوی کے ترجمۂ قرآن کو اوّل مکمل فارسی زبان کا ترجمہ قرار دیتے ہیں کیونکہ اس سے قبل کے فارسی تراجم کو صرف ترجمہ نہیں کہا جاسکتا بلکہ وہ تشریحی یا توضیحی ترجمے کہے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ مولوی عبدالحق (بابائے اُردو) شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے ترجمہ کو برصغیر پاک وہند میں اوّل ترجمہ قرار دیتے ہیں۔[10]

---

[7] (الف) شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ "اخبار الاخیار" (ترجمہ مولانا محمد فاضل) ص۳۹۰، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی
(ب) میر غلام علی آزاد بلگرامیؒ "ماثر الکرام" (ترجمہ شاہ محمد خالد میاں فاخری) ص۲۶۲، دائرۃ المصنفین کراچی ۱۹۸۳ء

[8] مخدوم نوح ہالائی "ترجمہ قرآن" مطبوعہ حیدرآباد سندھ ۱۳۸۱ھ

[9] جمیل نقوی "اُردو تراجم قرآن مجید" ص۴۴، اُردو اکیڈمی سندھ کراچی ۱۴۰۵ھ

[10] مولوی عبدالحق "تذکرہ علماء ہند" (ترجمہ ڈاکٹر ایوب قادری) ص۵۴۲، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی ۱۹۶۱ء

شاہ ولی اللہ دہلوی (پ ۱۱۱۵ھ/۱۷۰۲ء۔م ۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) ابن شاہ عبد الرحیم العمری الحنفی النقشبندی الدہلوی (پ ۱۰۵۴ھ/۱۶۴۴ء۔م ۱۱۳۱ھ/۱۷۱۸ء)[11] نے فارسی ترجمۂ قرآن ۱۱۵۱ھ میں مکمل کیا جو "فتح الرحمٰن" کے نام سے مقبول ہوا۔ آپ نے ترجمہ کے ساتھ مختصر تفسیر بھی تحریر فرمائی۔ یہ ترجمہ تفسیر سب سے پہلے دہلی سے (۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء) میں شائع ہوا تھا۔

شاہ وَلی اللہ کے ترجمۂ قرآن کا پس منظر

شاہ ولی اللہ دہلوی نے بارہویں صدی ہجری میں شمالی ہند میں خصوصاً اور پورے برصغیر (پاک وہند) میں عموماً یہ دیکھتے ہوئے کہ عربی زبان یہاں سے رُخصت ہو رہی ہے اور فارسی زبان عام لوگوں تک رسائی رکھتی ہے، مسلمانوں کی فلاح کی خاطر اور قرآنی تعلیمات کی اہمیت کے پیش نظر قرآن پاک کے معانی فارسی زبان میں منتقل کیے۔ لیکن ان کی اس محنت پر موشگافیاں کی گئیں اور علماء وقت نے فارسی ترجمۂ قرآن کی سختی سے مخالفت کی۔ برصغیر میں ایک ہنگامہ برپا ہوگیا اور علمی حلقوں میں ایک بھونچال سا آگیا۔ یہاں تک کہ علماء تلواریں کھینچ کر باہر نکل آئے اور اس کو بے ادبی قرار دیا۔[12] بعض مؤرخین لکھتے ہیں کہ اس ہنگامہ آرائی کی وجہ سے شاہ صاحب کی جان خطرے میں پڑ گئی اور انہیں دہلی چھوڑنا پڑا، کیونکہ علماء دہلی اُن کے قتل کے درپے ہو گئے تھے۔[13]

شاہ ولی اللہ دہلوی کی یہ خدمت اگرچہ مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے تھی لیکن ایسا کیوں ہوا، کس لیے اتنی سخت مخالفت کی گئی اور ہنگامہ آرائی کی وجوہات کیا تھیں اور کیوں علماء

---

[11] مولوی رحمٰن علی "تذکرہ علماء ہند" (ترجمہ ڈاکٹر ایوب قادری)، ص ۵۴۲، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی ۱۳۸۰ھ

[12] شیخ محمد اکرام "رودِ کوثر" ص ۵۱۹،

[13] ابویحییٰ امام خان نوشہروی "تراجم علمائے حدیث ہند" (۱۳۵۶ھ) جلد اوّل، ص ۴۰، جید برقی پریس دہلی

نے اتنا سخت رویّہ اختیار کیا کہ شاہ صاحب کو دہلی چھوڑنا پڑا۔ جبکہ اس سے قبل کے جزوی فارسی ترجمے موجود تھے۔ ساتھ ہی ساتھ ہندی یا قدیم اُردو زبان میں بھی توضیحی تراجم/تفاسیر موجود تھیں۔ ممکن ہے کہ علماء وقت توضیحی ترجمے/تفسیر سے خواہ وہ کسی زبان میں بھی ہو متفق ہوں مگر خالص ترجمہ کو وہ ایک فعل مستحسن نہ سمجھتے ہوں۔ دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ علماء شاہ صاحب کے ترجمے سے متفق نہ ہوں۔

شاہ صاحب کے فارسی ترجمۂ قرآن پر علماء کی ہنگامہ آرائی کی دو[۲] اہم وجوہ شیخ محمد اکرام نے "رودِ کوثر" میں بیان کی ہیں[۱۴]

(i) علماء نے تلواریں اس لیے نیام سے باہر نکالیں کہ ان کے نزدیک یہ کلام مجید کی سخت بے ادبی ہے کہ اس کو ترجمہ کی صورت میں کسی دوسری زبان میں لکھا جائے۔

(ii) بیشتر علماء کی شاہ صاحب کے ترجمہ سے مخالفت تقلید اور امور مذہب میں مغز کو چھوڑ کر استخوان کے پیچھے دوڑنے کی وجہ سے تھی۔

مندرجہ بالا وجوہات کے باوجود جلد ہی شاہ صاحب نے لوگوں اور علماء کو ترجمہ کی اہمیت سے آگاہ کر دیا اور لوگوں نے بعد میں اس کی تائید بھی کی، چنانچہ اس کے بعد ترجمۂ قرآن کا جو سلسلہ شروع ہوا وہ آج تک جاری ہے اور تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ اگر علماء حق ترجمۂ قرآن کی مسلسل مخالفت کرتے تو کبھی بھی ترجمۂ قرآن کا یہ تسلسل فروغ نہیں پاتا جبکہ شاہ صاحب کے بعد خود ان کے فرزندوں نے بھی یکے بعد دیگرے تیرھویں صدی ہجری یا اٹھارھویں صدی عیسوی میں اُردو زبان میں ترجمۂ قرآن کا اہم فریضہ انجام دیا۔ جبکہ اُردو زبان کو سرکاری زبان کی حیثیت ۱۸۳۰ء میں حاصل ہوئی۔[۱۵] اگرچہ ابتدائی اُردو میں ترجمۂ قرآن کا آغاز دسویں صدی

۱۴؎ شیخ محمد اکرام "رودِ کوثر" ص ۵۲۰

۱۵؎ عبید اللہ قدسی "منکرین السلام" ص ۱۴۶، انجمن ترقی اُردو کراچی ۱۹۸۴ء

ہجری سے ملتا ہے۔[19]

اس سے قبل کہ اُردو زبان میں ترجمۂ قرآن کا تاریخی جائزہ لیا جائے، ضروری معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اُردو زبان کی تاریخ کے اجمالی خاکے پر نظر ڈالی جائے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ اُردو زبان کو کن کن مراحل سے گزرنا پڑا اور اُردو زبان میں یہ صلاحیت کب پیدا ہوئی کہ اس میں قرآن جیسی الہامی کتاب کا ترجمہ کیا جائے۔

اُردو زبان کا ارتقائی جائزہ

زبان کے بارے میں قطعی کوئی بات کہنا کہ کسی زبان کا مولد فلاں جگہ ہے ذرا مشکل مسئلہ ہے کیونکہ زبان نہ فرد واحد کی کوشش سے پیدا ہوتی ہے اور نہ ہی کوئی ایک وقت اور کسی جگہ کو متعین کیا جاسکتا ہے۔ اسی لیے لسانیات کے محققین کے نزدیک جب کسی مخصوص زمانے کے حوالے سے کسی زبان کی شکل یا اس کی حیثیت کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس کا مطلب اس زمانے میں اس زبان کی ارتقائی منزل سے ہوتا ہے۔[17]

اُردو زبان کی ابتداء کو برصغیر (پاک و ہند) میں مسلمانوں کی سندھ کے راستے سے محمد بن قاسم کی فتوحات کے ساتھ (۹۳ھ/۷۱۲ء) آمد اور افغانستان کے راستے سے سلطان محمود غزنوی کی فتوحات (۳۹۲ھ/۱۰۰۱) کے بعد ان کے یہاں توطن اختیار کرنے کے دور سے وابستہ کیا جاسکتا ہے جن کے افراد عربی، فارسی اور ترکی زبانیں بولتے تھے۔[18] اور مقامی زبان کے ساتھ مل کر ایک نئی زبان وجود پانے لگی۔ اُردو زبان نہ تو باہر سے لائی گئی اور نہ ہی یہاں کی بولی تھی

[16] جمیل نقوی "قرآن مجید کے اُردو تراجم" ص ۴۲

[17] ڈاکٹر وحید قریشی "تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند" جلد ششم، پنجاب یونیورسٹی لاہور

[18] ڈاکٹر جمیل جالبی "تاریخ ادب اردو" جلد اوّل، ص ۸، مجلس ادب لاہور ۱۹۸۲ء

بلکہ یہ ہند کے فاتحین اور مفتوحین کے ملاپ سے وجود میں آئی۔ قدیم اُردو دراصل ایک مخلوط زبان تھی جو علماء کرام اور صوفیائے عظام اپنے تبلیغی مواعظ میں (جس کا مقصد مقامی لوگوں کو اسلامی تعلیمات سے آگاہ کرنا تھا) استعمال کیا کرتے تھے۔ تبلیغ دین کے نتیجے میں ہی یہ مخلوط زبان وجود میں آئی جس نے اپنی ارتقائی منزلیں طے کرنے کے بعد موجودہ اُردو زبان کی شکل اختیار کی جس کی نشوونما میں صوفیائے کرام نے اہم کردار ادا کیا۔[19]

اُردو زبان اپنے ابتدائی دَور میں مختلف علاقوں میں مختلف ناموں سے یاد کی جاتی رہی۔ ملتان میں ملتانی، گجرات میں گجراتی، دکن میں دکنی، دہلی میں دہلوی ریختہ اور پھر اُردوئے معلیٰ کے نام سے یاد کی جانے لگی۔[20] آخر کار ۱۸۳۰ء میں اسے سرکاری حیثیت حاصل ہوگئی۔

اُردو زبان کو اگرچہ سب سے پہلے حیدرآباد دکن میں سلطنت بہمنی (۷۴۸ھ۔۹۳۲ھ/ ۱۳۴۷۔۱۵۲۶ء) کے زمانے میں سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہوگیا تھا مگر اس وقت عرف عام میں وہ ہندی کہلاتی تھی۔[21] اُس وقت کی ہندی ہرگز موجودہ ہندی زبان نہیں ہے، کیونکہ اس کا رسم الخط مختلف ہے جبکہ اس وقت کی ہندی کہلانے والی زبان کا رسم الخط وہی تھا جو آج موجودہ اُردو زبان کا ہے۔

اُردو زبان کی اوّل تصنیف

اُردو تصانیف میں سب سے پہلی تصنیف عظیم صوفی بزرگ سیّد اشرف جہانگیر سمنانی

---

۱۹ ڈاکٹر حامد حسن قادری "تاریخ داستان اُردو" ص ۱۶، اُردو اکیڈمی سندھ کراچی ۱۹۶۶ء

(ب) مولوی عبدالحق "اُردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا کام" انجمن ترقی اُردو پاکستان ۱۹۸۴ء

۲۰ اے۔ حمید "اُردو نثر کی داستان" ص ۲۵۔ شیخ غلام علی لاہور

۲۱ ڈاکٹر حامد حسن قادری "تاریخ داستان اُردو" ص ۳۸

(المتوفی ۸۰۸ھ/۱۴۰۵ء) مؤلف مشہور زمانہ تصنیف "لطائف اشرفیہ" بزبان فارسی[۲۲] کا تصوف پر رسالہ ہے جو آپ نے (۸۰۰ھ/۱۳۰۸ء) میں شمالی ہند میں تبلیغ دین کے سلسلے میں تصنیف فرمایا تھا۔[۲۳] خیال رہے کہ آپ نے ۱۲۰ برس کی عمر پائی۔ اُردو زبان کی کوئی نثری تحریر اس سے پہلے ثابت نہیں۔ اس کا ایک اقتباس نمونتہً ملاحظہ ہو جو آپ نے اس وقت کی مخلوط بولی یا عوام الناس سے رابطہ کی بولی یعنی قدیم ہندی زبان میں تحریر فرمایا تھا۔

"اے طالب! آسمان زمین سب خدا میں ہے۔ ہور سب خدا میں ہے جو تحقیق جان اگر تجھ میں کچھ سمجھ کا ذرّہ ہے تو صفات کے باہر بہتر سب ذات ہی ذات"[۲۴]

سید اشرف جہانگیر سمنانی کی تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ مخلوط بولی شمالی ہند پہنچتے پہنچتے ایک زبان بن چکی تھی۔ آپ کے تصوف کے اس رسالے کو اُردو زبان میں تصنیفی اعتبار سے اوّلیت کا درجہ حاصل ہے لیکن افسوس آج تک یہ اوّل تصنیف زیور طباعت سے آراستہ نہیں ہوئی۔

برصغیر میں دکن کی سلطنت بہمنی کے عہد حکومت میں ایک اور تصنیف کا پتہ چلتا ہے اور یہ تصنیف بھی صوفی بزرگ سید محمد ابن سید یوسف الحسنی الدہلوی المعروف بہ خواجہ بندۂ نواز سیّد محمد گیسو دراز (المتوفی ۸۲۵ھ/۱۴۲۲ء) کا رسالہ "معراج العاشقین" ہے جس کا موضوع بھی تصوّف ہے۔ یہ غالباً ۱۴۱۲ء کے قریب لکھا گیا تھا۔[۲۵] البتہ اس رسالے کو انجمن ترقی اُردو نے سے شائع کیا ہے۔

---

۲۲ ڈاکٹر ظہور الحسن شارب "تذکرہ اولیائے پاک و ہند" ص ۱۵۴، الفیصل پبلشنگ کمپنی لاہور ۱۹۶۶ء

۲۳ ڈاکٹر حامد حسن قادری "داستان تاریخ اُردو" ص ۲۴

۲۴ اے۔ حمید "اُردو نثر کی داستان" ص ۱۷

۲۵ مولوی عبدالحق "اُردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا حصہ"

خواجہ صاحب بندہ نواز گیسو دراز کے نام سے ایک واقعہ کی نسبت سے مشہور ہو گئے جب آپ کے پیرو مرشد حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلوی (المتوفی ۷۵۷ھ/۱۳۵۶ء)[۲۶] نے آپ کے لیے ایک دفعہ آپ کی شان میں یہ شعر پڑھا۔

ہر کہ مرید سید گیسو دراز شد

واللہ خلاف نیست کہ او عشق باز شد[۲۷]

(جو کوئی سید گیسو دراز کا مرید ہو گیا بخدا بلا تخلف وہ عشق باز ہو گیا)

حضرت گیسو دراز کے عربی، فارسی کے علاوہ ہندی زبان میں تصوف و اخلاق پر اور بھی رسائل ہیں مثلاً دارالاسرار، شکار نامہ، تمثیل نامہ، ہشت مسائل وغیرہ۔[۲۸]

ابتدائی تصانیف میں صوفیائے کرام کی خدمات

صوفیائے کرام کی تصنیفات کا سلسلہ تبلیغ دین کے ساتھ ساتھ برابر جاری رہا۔ پاک و ہند کے کم و بیش تمام ہی علاقوں میں تصنیف کا یہ سلسلہ پایا جاتا ہے لیکن موضوع ابتداء میں ہر جگہ تصوف اور اخلاق ہی رہا اور اس موضوع پر بیشتر صوفیائے کرام نے متعدد تصنیفات اپنی یادگار چھوڑی ہیں اور تصنیفات و تالیفات کا یہ سلسلہ گیارہویں ہجری تک جاری رہا۔ اس دور کی مذہبی ادبی خدمات کا ڈاکٹر معین الدین عقیل نے بھی اعتراف کیا ہے۔

"گیارہویں ہجری اور اس سے پہلے کی اُردو کی تاریخ زیادہ تر صوفیا و مشائخ کے اقوال و فرمودات سے مرتب ہے۔ یہ بزرگ اپنے اپنے زمانے میں علم و ادب

۲۶؎ مولوی رحمٰن علی "تذکرہ علمائے ہند" (ترجمہ ڈاکٹر محمد ایوب قادری) ص ۵۱۹

۲۷؎ شیخ عبدالحق محدث دہلوی "اخبار الاخیار" اردو ترجمہ ص ۲۸۵ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی

۲۸؎ ڈاکٹر حامد حسن قادری "داستان تاریخ اُردو" ص ۳۹

کے رہنما تھے ان کے سلسلوں سے جو ادیب اور شاعر وابستہ رہے ان کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ نتیجتاً ان کے افکار و خیالات، نظریات و عقائد، شعروادب پر اس حد تک اثرانداز ہوئے کہ انہیں روایات کا درجہ حاصل ہوا۔"[29]

آگے چل کر مزید رقمطراز ہیں:۔

"صوفیائے کرام و مشائخ عظام نے اصلاح معاشرہ اور احیائے دین کا کام روحانیت کی راہ سے شروع کیا تھا۔ انہوں نے اسلام کو باطنی رنگ میں بلکہ بڑی حد تک روحانی نظام کے طور پر پیش کیا۔ بعض بزرگوں نے قرآن کریم کی آیات کو اُردوئے قدیم میں نظم کیا۔ حمد و نعت میں توحید و رسالت کے نکات بھی بیان کیے۔"[30]

اُردو زبان میں مذکورہ تصنیف و تالیف کے علاوہ سب سے پہلا ترجمہ جو کسی کتاب کا پاک و ہند میں کیا گیا وہ عربی زبان کی کتاب "تمہیدات عین القضات" ہے جس کا ترجمہ سید میراں حسینی المعروف بہ شاہ میراں جی خدا نما (المتوفی ۱۰۷۴ھ/۱۶۶۴ء) نے ۱۰۱۲ھ میں "شرح تمہید ہمدانی" کے نام سے تحریر کیا۔[31] شاہ میراں جی کی کتاب کو اوّل ترجمہ بزبان اُردو قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ اس سے پہلے کسی بھی کتاب کا (خواہ عربی یا فارسی تصنیف ہو) ترجمہ نہیں کیا گیا۔ یہ رسالہ بھی تصوّف، عقائد اور سلوک کی تعلیمات پر مشتمل ہے جو اس بات کی شہادت پیش کرتا ہے کہ مذہبی رجحان ان ہی عنوانات کی طرف ہے کیونکہ تبلیغ دین کے لیے یہ نہایت ضروری تعلیمات ہیں۔

---

۲۹ ڈاکٹر معین الدین عقیل "تحریک آزادی میں اُردو کا حصہ" ص ۱۵۱، انجمن ترقی اُردو پاکستان ۱۹۷۶ء

۳۰ " " " " " "

۳۱ ڈاکٹر حامد حسن قادری "تاریخ داستان اُردو" ص ۴۴

فارسی زبان سے اُردو زبان میں پہلا ترجمہ شاہ میراں یعقوب نے (۱۰۷۸ھ/۱۶۶۷ء) میں شیخ برہان الدین اورنگ آبادی کی تصنیف "شمائل الاتقیا" نامی کتاب کا کیا۔[۳۲] لیکن طارق محمود کی تحقیق کے مطابق فارسی سے اُردو زبان میں پہلا ترجمہ ملک خورشید نے ۱۰۵۶ء میں امیر خسرو (المتوفی ۷۲۵ھ/۱۳۲۴ء) کی مثنوی "ہشت بہشت" کے چند ابواب کا کیا تھا اور دوسرا ترجمہ ۱۰۸۱ھ میں طبعی نے نظامی گنجوی کی مثنوی "ہفت پیکر" کا "بہرام و گل اندام" کے نام سے کیا تھا۔[۳۳]

برصغیر میں ترجمہ کا آغاز

برصغیر پاک و ہند میں ترجمہ کا آغاز اگرچہ گیارہویں ہجری میں ہو چکا تھا اور عربی و فارسی کتب کے تراجم کا سلسلہ جاری و ساری رہا، لیکن ان تراجم کا دائرہ اکثر و بیشتر تصوف، عقائد، سلوک، اخلاق اور فقہی رسائل تک محدود رہا جبکہ مذکورہ صدی میں ترجمۂ قرآن کا باقاعدہ آغاز نظر نہیں آتا ہے، البتہ تراجم قرآن سے قبل اُردو زبان میں تفسیر کا سلسلہ یقیناً شروع ہو چکا تھا۔ دسویں صدی ہجری میں اگرچہ تفسیر کا پتہ ملتا ہے مگر گیارہویں صدی ہجری تک اس کو فروغ نہ ملا اور قرون مابعد کی جتنی بھی جزوی تفاسیر دستیاب ہیں، کسی ایک پر بھی مؤلف کا نام موجود نہیں ہے اور یہ بیشتر قلمی مسوّدات یعنی مخطوطات محفوظ بھی ہیں۔ ان میں سے بعض مخطوطے انجمن ترقیٔ اُردو کی لائبریری میں موجود ہیں۔ یہاں ان میں سے ایک ترجمہ کا اقتباس نمونۃً پیش کیا جا رہا ہے

اَلرَّحْمٰنُ ۝ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ۝ (سورۃ الرحمٰن)

ترجمہ: اے لوگو تم کرو بکھان جس کا میٹھا نام رحمان۔ سجن سکھایا ہے قرآن جن

---

[۳۲] ڈاکٹر حامد حسن قادری "تاریخ داستان اُردو" ص ۴۷

[۳۳] طارق محمود "اُردو کی سائنسی اور فنیاتی تراجم کا جائزہ" بحوالہ (اُردو زبان میں ترجمے کے مسائل) ص ۴۷، مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد

سا جو ہے انسان۔ [۳۴]

اُردو کی ابتدائی نشو ونما میں چونکہ ذخیرہ الفاظ محدود تھا اسی لیے قرآن مجید کا اُردو زبان میں ترجمہ کا کام انتہائی مشکل اور دقت طلب تھا لیکن شروع دَور کی چند تفاسیر ضرور ملتی ہیں۔ تفسیر میں دراصل بات کا سمجھانا مقصود ہوتا ہے اس لیے زبان کا ادبی ہونا ضروری نہیں یا کم از کم بنیادی شرط نہیں کیونکہ تفسیر میں مفسّر ہر طرح اصل متن کو سمجھنے کے بعد متن قرآن کو آسان اور عام فہم لفظوں میں پیش کرتا ہے جبکہ ترجمۂ قرآن میں لفظوں کا استعمال محدود ہوتا ہے۔ قرآن کے ترجمے کے لیے لفظوں کا موضوع اور فصیح ہونا دونوں بہت ضروری ہیں اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ جس زبان میں ترجمہ کیا جارہا ہے اس زبان کا ایک وافر ذخیرۂ الفاظ موجود ہو۔ یہ اَمر پوشیدہ نہیں کہ کسی زبان یا بولی میں الفاظ کی تعداد یکبارگی نہیں بڑھتی بلکہ اس کے لیے خاصا طویل وقت درکار ہوتا ہے۔ پس ان ہی مسائل سے اُردو زبان بھی دوچار رہی۔ یہی وجہ ہے کہ آٹھویں صدی ہجری میں اُردو تصنیف کا سلسلہ شروع ہو جانے کے باوجود گیارہویں صدی ہجری تک مکمل ترجمۂ قرآن نہ کیا جاسکا، البتہ جزوی تفسیر کی ابتداء کافی پہلے ہو گئی تھی۔

اُردو زبان میں ترجمہ کی ابتدائی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ دکن کی اسلامی ریاستوں میں عرصۂ دراز تک زیادہ تر توجہ عقائد، تصوّف، اخلاقیات اور فقہی کتب کے تراجم تک محدود رہی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ موضوعات کی نوعیت خالصتاً تبلیغی ہے۔ صوفیائے کرام عقائد، توحید و رسالت کی تعلیم کے بعد سب سے زیادہ توجہ ان ہی موضوعات پر دیتے رہے ہیں، تاکہ اپنے معتقد راسخ العقیدہ ہونے کے ساتھ ساتھ اسلامی تہذیب کا اعلیٰ نمونہ بنا سکیں۔ یہ اس لیے ممکن ہے کہ صوفیائے عظام شریعت و طریقت دونوں کی تعلیم یکسوئی کے ساتھ دیتے ہیں کیونکہ شریعت اور طریقت کوئی دو الگ الگ راہیں نہیں بلکہ شریعت اصل اور طریقت

۳۴۔ "ترجمہ سورۂ رحمٰن" ورق ۷۶، نمبر الف ۵/۱ کتب خانہ خاص، انجمن ترقی اُردو (قلمی نسخہ)

اس کی فرع ہے[۳۵]۔ بلکہ ایک دوسرے سے اسی طرح تعلق رکھتی ہیں جس طرح جسم کا تعلق رُوح سے ہے۔ شریعت وطریقت کے درمیان خط فاصل کبھی بھی بہت نمایاں اور واضح نہیں رہا[۳۶]۔

برصغیر سے فارسی زبان کی رخصت

بارہویں صدی ہجری میں اُردو زبان نہ صرف ادبی رنگ اختیار کر چکی تھی بلکہ کثیر تصنیفات تالیفات اور تراجم کے باعث وہ ایک عام فہم زبان بن چکی تھی۔ دوسری طرف عربی کے بعد فارسی زبان بھی یہاں سے رخصت ہو رہی تھی اور اس خلا کو اُردو زبان پُر کر رہی تھی، لیکن اس کے باوجود علماء اور صوفیاء نے قرآن مجید کے ترجمہ کی طرف توجہ نہیں فرمائی۔ یہ بات بعید از قیاس ہے کہ ان حضرات کو عربی زبان وادب یا علوم دینیہ پر دسترس نہ تھی جبکہ اس زمانے میں مدارس کی سطح پر تمام علوم درسیہ فارسی وعربی ہی میں پڑھائے جاتے تھے۔ ان حضرات کے نزدیک ترجمۂ قرآن نہ کرنے کے کئی وجوہ ہو سکتے ہیں۔ مثلاً (۱) علماء قرآن کے ترجمہ کو خواہ وہ کوئی زبان ہو بدعت سیئہ سمجھتے ہوں کیونکہ عوام الناس کو بغیر تشریح کے معنی ومطالب نہیں سمجھائے جا سکتے۔ شاہ ولی اللہ کا ترجمۂ قرآن ان کے سامنے تھا جس پر ایک ہنگامہ برپا ہوا تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ شاہ ولی اللہ دہلوی نے ہی برصغیر پاک وہند میں ترجمۂ قرآن کا دروازہ کھولا تھا جس کی افادیت آج ہم مسلمان محسوس کر سکتے ہیں لیکن یہ بات بھی ایک خاص حد تک درست ہے کہ اس سے بہت سے مضر اثرات بھی مرتب ہوئے جب مترجمین اور مفسرین نے نامناسب اور غیر ضروری تاویلات کو بروئے کار لا کر مسلمانوں کو قرآن کی اصل رُوح سے دُور کر دیا[۳۷]۔

۳۵۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی "مقال عرفا باعزاز شرع علماء" ص ۲۹، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۱۹۸۵ء

۳۶۔ حسن عبدالحکیم (کاگائی این) اسلام اور تقدیر انسانی" (مترجم فضل قدیر) ص ۳۶۰، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور ۱۹۸۹ء

۳۷۔ مولانا سعید احمد اکبر آبادی "فہم القرآن" ص ۱۱، ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۸۲ء

دوسری وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس وقت کے مترجمین قرآن اُردو زبان کو ایک مکمل زبان نہ سمجھتے ہوں جس کے باعث قرآن کریم جیسی الہامی کتاب کا ترجمہ کرنے سے گریز کرتے رہے اور یہ وجہ قلّت الفاظ ہی کی ہو سکتی ہے۔ اگرچہ انہوں نے اپنی دیگر تصنیفات اور تالیفات میں جگہ جگہ قرآن و حدیث کے ترجمے پیش کیے مگر وہ عموماً توضیحی یا تشریحی نوعیت کے ہیں، لیکن وہ تمام قرآن مجید کو اُردو زبان کے قالب میں ڈھالنے سے گریز کرتے رہے۔ ایک اور وجہ مولوی عبد الحق کی زبانی بھی نظر آتی ہے کہ "قرآن مجید کا ترجمہ آسان کام نہیں"۔[۳۸]

یہ درست ہے کہ ترجمۂ قرآن جس زبان میں بھی کیا جا رہا ہو وہ زبان ہر لحاظ سے مکمل اور جامع ہو کیونکہ عقائد اور احکام کا دار و مدار لفظوں کے معانی اور مفہوم ہی پر ہے اور لفظوں کے معانی بعض اوقات زمانے کے ساتھ ساتھ بدل بھی جاتے ہیں۔ اس لیے مترجم کو لازم ہے کہ وہ اس بات سے آگاہ ہو کہ قرآن کے جن لفظوں کا ترجمہ کر رہا ہے اس کے معنی اس وقت کیا تھے اور لفظ کن کن معنوں میں مستعمل تھا۔ اسی طرح اگر کوئی لفظ ذو معنی ہو یا کثیر المعانی، تو کون سا مترادف لفظ ترجمے کے وقت استعمال کیا جائے مثلاً قرآن میں لفظ "مَكَرَ" ایک ہی آیت شریفہ میں تین دفعہ استعمال ہوا ہے مثلاً سورۃ آل عمران میں ارشاد ہوتا ہے؛

وَمَكَرُوا وَمَكَرَ اللّٰهُ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَاكِرِيْنَ ﴿آل عمران: ۵۴﴾

اس آیت شریفہ میں لفظ "مکر" تین دفعہ استعمال ہوا ہے پہلے "مکر" کے حامل وہاں منافقین، یہود و نصاریٰ ہیں کہ ان کی عادت ہی مکر کرنے کی ہے کیونکہ وہ مکار، فریبی، دغاباز، چالباز اور دھوکے باز ہی ہیں۔ جبکہ آیت میں دوسرے اور تیسرے "مکر" کی نسبت خود باری تعالیٰ کی طرف ہے مگر عام لفظی معنی اس کی شان میں ہرگز ہرگز استعمال نہ ہوں

---

[۳۸] مولوی عبد الحق "قدیم اُردو" ص ۱۲۰

گے۔ لیکن تعجب ہے کہ اکثر مترجمین قرآن نے ان دونوں 'مکر' کا بھی وہی ترجمہ کیا ہے جو کفار اور منافقین کے لیے کیا تھا۔[۳۹]

بیشتر مترجمین نے 'مکر' کے ترجمہ کے وقت صرف لغت سے مدد حاصل کی اور عربی ادب کو ملحوظ نہیں رکھا ورنہ ذات باری تعالیٰ کے لیے یقیناً کوئی دوسرا مترادف لفظ استعمال کرتے۔ اگرچہ آیت میں 'مکر' کا لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف بھی نسبت کر رہا ہے۔

ممکن ہے ایسے ہی مقامات کے پیش نظر اور لفظوں کی قلت اور ان کا مترادف نہ ملنے کے باعث بارہویں صدی تک قرآن کا ترجمہ اُردو زبان میں نہیں کیا جا سکا کیونکہ صوفیا یہ سمجھتے تھے کہ ذرا سی بھی غفلت ترجمے میں ہوگئی تو اللہ کے یہاں سخت پکڑ ہوگی۔

حقیقت میں ایسے ہی مقامات کے استقصا اور تحقیق کے بعد ہی کسی مترجم کے متعلق یہ رائے قائم کی جا سکتی ہے کہ اس نے حق ترجمہ ادا کیا یا کم فہمی کے باعث ٹھوکر کھائی۔ راقم الحروف ایسے ہی مقامات کے مطالعے کے بعد اس طرف متوجہ ہوا کہ اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ کون کون سے مترجم اس قسم کے مقامات پر کامیابی سے گزرے ہیں اور کن مترجمین کے قلم بہکے اور قدم ڈگمگائے ہیں۔

قرآن پاک کے بیشتر اُردو تراجم میں سینکڑوں مثالیں ایسی موجود ہیں کہ جب مترجمین نے قرآن کے ذو معنی الفاظ سے ایسے مختلف معنی اخذ کیے جو بعض دفعہ لغوی اعتبار سے بھی غلط ثابت ہوتے ہیں۔ اس کا احساس مترجمین کو ترجمہ کرتے وقت نہیں ہو سکا مگر مسلمان اس کو پڑھنے کے بعد مختلف گروہوں میں بٹنے لگے۔ بہت ممکن ہے ان ہی حالات کے پیش نظر فی زمانہ علماء نے ترجمۂ قرآن سے نہ صرف گریز کیا بلکہ ابتدا میں مخالفت بھی کی کیونکہ بہت سے قرآن کے الفاظ ایسے بھی ہیں جن کا ہماری زبان میں ترجمہ ممکن ہی نہیں، اسی لیے ترجمہ نہیں کیا صرف

---

۳۹ "رفیع الشان قرآن عظیم" دس ترجموں والا، ص ۲۰۰، تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی، سن مرکوز نہیں۔

توضیح اور تشریح پر اکتفا کیا۔

قرآن مجید کا پہلا اُردو ترجمہ

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ جب زبان میں مزید وسعت پیدا ہوئی تو پھر علماء کی ہمتیں ترجمۂ قرآن کے لیے بڑھیں اور آخر کار شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے خانوادے کے جلیل القدر فرزندوں نے اس کا بوجھ دوبارہ اپنے کندھوں پر اُٹھایا کیونکہ یہ خانوادہ پہلے ہی اپنے نورِ بصیرت سے دیکھ چکا تھا کہ اُمّت مسلمہ کے لیے اس خطّے میں فلاح جب ہی ممکن ہے کہ مسلمان قرآن سے تعلّق جاری رکھیں اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ قرآنی تعلیمات ان کی مادری زبان میں فراہم کی جائیں۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے عربی زبان کو جب یہاں سے رخصت ہوتے دیکھا تو انہوں نے فارسی زبان میں قرآن کا ترجمہ کیا اور جب فارسی زبان بھی مغلیہ سلطنت کے زوال اور انگریزوں کے تسلّط کے بعد تیزی سے روبہ زوال ہوئی اور عوامی طبقہ فارسی زبان سے دُور ہونے لگا تو شاہ ولی اللہ کے صاحبزادوں نے شمالی ہند کو ایک دفعہ پھر یہ شرف بخشا کہ جہاں سے اُردو زبان کی پہلی تصنیف منظرِ عام پر آئی تھی وہیں سے اس زبان میں اللہ کی آخری کتاب کا ترجمہ بھی پیش کر دیا۔ چنانچہ شاہ محمد رفیع الدین دہلوی (پ ۱۱۶۳/۱۷۵۰ء) (م ۱۲۳۳ھ/۱۸۱۷ء) ابن شاہ ولی اللہ دہلوی نے قرآن مجید کا اُردو میں پہلا لفظی ترجمہ (۱۲۰۰ھ/۱۷۷۶ء) میں مکمل کیا۔[۴۰]
شاہ رفیع الدین دہلوی کو اُردو زبان میں ترجمۂ قرآن کا اوّلیں مترجم کہا جا سکتا ہے آپ

---

[۴۰] (الف) دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۱۰، ص ۳۱۸، دانش گاہ پنجاب لاہور ۱۹۷۳ء
(ب) ڈاکٹر جمیل جالبی "تاریخ ادب اُردو" جلد دوم حصّہ دوم، ص ۱۰۵۳، مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۸۲ء
(ج) مولوی رحمان علی "تذکرہ علمائے ہند" (مترجم ڈاکٹر ایوب قادری) ص ۱۹۶

کا ترجمۂ قرآن ایک لفظی ترجمہ ہے۔ آپ نے بہت ممکن ہے لفظی ترجمہ کرنے کو اس لیے ترجیح دی ہو کہ وہ خود اس عملِ خیر میں ابتدا کر رہے تھے۔ اگرچہ یہ شوق ان کو یقیناً اپنے والد کے ترجمۂ قرآن کو دیکھ کر پیدا ہوا ہوگا مگر جو چیز ان کے پیش نظر رہی ہوگی وہ مسلمانوں کی فلاح و بہبود ہوگی۔ چونکہ عوامی طبقہ عربی، فارسی دونوں زبانوں سے دُور ہو رہا تھا اور مسلمانوں کو قرآن فہمی میں مشکلات پیش آ رہی تھیں۔ اس لیے انہوں نے اپنی بصیرت کو بروئے کار لاتے ہوئے قرآن مجید کا تحت اللفظی اُردو ترجمہ کیا۔ اگرچہ وہ خود بھی اس بات سے آگاہ تھے کہ قرآن کی معجز نما فصیح و بلیغ عبارت ترجمہ کی گرفت میں نہیں آسکتی۔[41]

شاہ رفیع الدین نے بہت ممکن ہے اس بات کے پیش نظر کہ اُردو زبان ابھی اپنی ارتقائی منزل سے گزر رہی ہے اور زبان میں فصاحت و بلاغت بھی پوری طرح پیدا نہیں ہوئی ہے۔ قرآن کا بامحاورہ ترجمہ کرنے سے گریز کیا مگر وقت کی ضرورت کو مدِّنظر رکھا کہ اگر اُردو ترجمہ پیش نہ کیا گیا تو مسلمان قرآن کی معرفت سے محروم رہ جائیں گے، لہٰذا ہندوستان کے سیاسی حالات میں انگریزوں کا بڑھتا ہوا اثر دیکھ کر انہوں نے ترجمہ کر کے دوسرے علماء کے لیے بھی راہ ہموار کر دی، چنانچہ جلد ہی آپ کے چھوٹے بھائی شاہ عبدالقادر دہلوی (پ ۱۱۶۷ھ/۱۷۲۵ء) (م ۱۲۳۰ھ/۱۸۱۴ء) ابن شاہ ولی اللہ دہلوی نے اردو زبان کی تاریخ میں پہلا بامحاورہ ترجمہ مختصر حاشیہ کے ساتھ "موضوع قرآن" کے نام سے (۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء) میں مکمل کیا۔[42]

شاہ عبدالقادر کا ترجمۂ قرآن اپنے بڑے بھائی کے ترجمۂ قرآن کی طرح لفظی نہیں بلکہ

---

[41] حسن عبدالحکیم (گائی این)، "اسلام اور تقدیر انسانی" ص ۴۶۰

[42] (الف) دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۱۲، ص ۹۳۵ دانش گاہ پنجاب لاہور ۱۹۷۳ء

[illegible] ۱۰۹ [illegible] مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۸۲ء

محاوراتی کہا جا سکتا ہے کیونکہ آپ کے ترجمۂ قرآن میں جملے کی ساخت پر شاہ رفیع الدین کے ترجمۂ قرآن کے برخلاف اُردو جملے کا مزاج حاوی ہے۔ اس میں روزمرّہ کی بول چال اور محاوروں کا خیال رکھا گیا ہے، عربی لفظ کے لیے موزوں اُردو لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے شاہ عبدالقادر دہلوی کا ترجمۂ قرآن اُردو ہندی لغت کا ایک عظیم گنجینہ ہے[۴۳]۔ آپ نے زیادہ تر وہی زبان استعمال کی ہے جو عوام میں بولی جاتی تھی۔ شاہ عبدالقادر دہلوی نے دراصل عوامی زبان اور محاوروں کو قرآن جیسی کتاب کے ترجمے کے لیے استعمال کرکے اس کو ایک نئی رفعت عطا کی جس سے اُردو زبان میں اظہار کی غیر معمولی قوّت کا اندازہ ہوتا ہے۔

شاہ برادران کے ترجموں نے حقیقت میں برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں پر احسان عظیم کیا، کیونکہ اس وقت مسلمان بدترین سیاسی حالات سے دوچار تھے اور اُن کا علمی میدان بھی زوال آشنا تھا لیکن یہ صوفیائے کرام اور علماء حق کی بصیرت تھی کہ انھوں نے مستقبل کو دیکھ لیا اور قرآنی تعلیمات کو جاری رکھنے کی خاطر اس کو اُردو کے قلب میں ڈھال کر عوام کے لیے قرآنی تعلیمات کا راستہ کھلا رکھا، بلکہ اُردو ادب میں ایک جدّت پیدا کی۔ ادب کو ایک نئے انداز سے اسلوب قرآنی سے آشنا کروایا۔ اس کے علاوہ اُردو ادب کو لفظوں کا ایک بڑا ذخیرہ بھی بہم پہنچا دیا۔

اُردو ادب کا اسلوب جو ابھی تک فارسی ادب کا مرہون منت تھا اس نے قرآن سے استفادہ کے بعد اپنا راستہ خود متعین کیا اور پھر وقت کے ساتھ ساتھ کئی اسالیب پیدا ہوئے۔ اس لیے قرآن مجید کے اُردو زبان میں لفظی اور بامحاورہ ترجموں کے بعد نثری اُردو ادب کا نیا دور شروع ہوتا ہے جس کو اسلامی، مذہبی یا دینی ادب کا دَور کہا جا سکتا ہے۔ بقول ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی (المتوفی ۱۹۸۱ء) یہ نہ صرف ایک جراُت مندانہ قدم تھا بلکہ اس کے دُور رس

۴۳؎ ڈاکٹر جمیل جالبی "تاریخ ادب اُردو" جلد دوم حصّہ دوم ...

نتائج برآمد ہوئے اور آج کے تمام مذہبی، اسلامی ادب اسی نئے دَور کا مرہون منت ہے۔[44]

تراجم قرآن کے ساتھ ساتھ تیرہویں صدی ہجری میں مذہبی کتابوں کی تالیف و تصنیف کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ خاص کر تصوّف، سلوک، اخلاقیات اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر خوب لکھا گیا اور اُردو نثر کے اسالیب وضع ہوتے چلے گئے۔ اس دَور کی لکھی گئی مذہبی تصانیف کا اسلوب سادہ اور صاف ہے۔ تیرہویں صدی کے یہ اسالیب چودھویں صدی ہجری میں پختہ اور مستحکم ہو جاتے ہیں۔[45]

شاہ برادران کے تراجم قرآن تیرہویں صدی ہجری کے اوائل میں ہی منظرِ عام پر آ گئے تھے اور دونوں بھائیوں کو اس بات کا اعزاز حاصل ہے کہ ایک لفظی ترجمہ کا بانی ہے تو دوسرا بامحاورہ ترجمہ کا موجد ہے[46] مگر تاریخ میں شاہ برادران سے قبل کے بھی تراجم قرآن اُردو زبان میں ملتے ہیں جو عموماً تفسیر نما ہیں اور نامکمل۔ ایسا ہی ایک تفسیر نما نامکمل ترجمۂ قرآن شاہ مراد اللہ انصاری سنبھلی قادری حنفی (المتوفی   ) کا ہے جو انہوں نے (۱۱۸۴ھ/۱۷۷۱ء) میں شاہ رفیع الدین دہلوی سے ۱۵ سال قبل مکمل کر لیا تھا مگر یہ تفسیر مرادیہ "خدائی نعمت" کے نام سے مشہور ہے اور صرف آخری "عـمّ یتسـآءلـون" پر مشتمل ہے۔ کئی بار کلکتہ، کانپور اور بمبئی سے چھپ چکی ہے[47]

ڈاکٹر جمیل جالبی نے اپنی کتاب "تاریخ ادب اُردو" میں شاہ مراد اللہ انصاری قادری کی تفسیر مرادیہ کے دیباچہ کا ایک اقتباس نقل کیا ہے جس میں شاہ انصاری نے تفسیر لکھنے کی وجہ بیان کی ہے۔

"جن لوگوں نے متن قرآن پڑھا اُن کو قرآن کی آیتوں کی تفسیر ہندی زبان میں

---

[44] ڈاکٹر اشتیاق حسین قریشی "برصغیر پاک و ہند میں ملت اسلامیہ"، ص ۲۳۵۔ مطبوعہ کراچی

[45] ڈاکٹر جمیل جالبی "تاریخ ادب اُردو" جلد دوم، حصّہ دوم، ص ۹۹۲

[46] مولوی عبدالحق "پرانی اُردو میں قرآن مجید کے تراجم اور تفاسیر" ص ۱۷۷، سیارہ ڈائجسٹ، قرآن نمبر جلد دوم لاہور ۱۹۸۰ء

[47] [illegible]

معنی سنادُنا تھا..... اللہ تعالیٰ نے اُن کے سچے شوق اور اخلاق کی برکت
میں اس عاجز بندے خاکسار کے دل میں یہ بات ڈال دی جو اس ہندی
تقریر کو، وہی بات جو عربی فارسی تفسیروں کے بیان میں زبان سے نکلتی
ہے۔ اوس ہی تقریر کو کاغذ کے اوپر قلم بند کر، لکھ کر اون کو پڑھا دیجئے
تو دین کے علم کی باتیں اون کے اوپر خوب طرح سے معلوم ہو جاویں، یاد رہیں
کام آویں، اچھے عمل کرنے کا شوق بڑھ جاوے"[۴۸]

شاہ مراد اللہ انصاری قادری حنفی کی تفسیر "خدائی نعمت" کی وجہ تالیف سے یہ بات
سامنے آئی کہ انھوں نے قرآنی تعلیمات کو عام کرنے کی ضرورت کو محسوس کیا، اس کے لیے
انھوں نے وہی زبان استعمال کی جو ان کے چاروں طرف بولی جاتی تھی اور دیکھا جائے تو
چند مخصوص مقامات کے علاوہ اس دَور کی اُردو اور آج کی اُردو میں زیادہ فرق بھی نہیں ہے
بارہویں صدی ہجری میں اس کے علاوہ بھی نامکمل تراجم نما تفسیری تراجم مخطوطات کی
شکل میں ملتے ہیں۔ یہ ترجمہ کی شکل ہی ہے صرف جگہ جگہ تفہیم کی خاطر تفصیل آجاتی ہے اس قسم
کے ایک اور ترجمہ نما تفسیر کا ذکر ڈاکٹر حامد حسن قادری نے بھی کیا ہے۔ یہ ترجمہ اشرف الحکماء
حکیم محمد شریف خان (المتوفی ۱۲۱۶ھ/۱۸۰۱ء)[۴۹] ابن محمد اکمل خان حاذق الملک نے شاہ رفیع الدین
دہلوی سے کافی عرصے پہلے کیا تھا لیکن مشہور نہ ہو سکا۔ ترجمہ کا مکمل مسودہ حکیم محمد احمد خان
دہلوی المتوفی ۱۹۳۷ء کے پاس دیکھا گیا تھا جو خود مترجم کے ہاتھ کا لکھا ہوا تھا لیکن تاریخ
میں وہ محفوظ نہ رہ سکا اور اب اسے کوئی نہیں جانتا۔[۵۰] حکیم محمد شریف خان نے جہاں

۴۸۔ ڈاکٹر جمیل جالبی "تاریخ ادب اردو" جلد دوم، حصہ دوم، ص ۱۰۴۴

۴۹۔ " " " " " ص ۱۰۶۰

۵۰۔ ڈاکٹر حامد حسن قادری "تاریخ داستان اُردو" ص ۱۴۴

بہت سی کتابیں تصنیف کی تھیں، وہاں ان کو قرآن کا ترجمہ کرنے کا شرف بھی حاصل ہے۔ اگر تاریخ ان کے ترجمے کو محفوظ رکھتی تو اوّلیت کا سہرا آپ ہی کے سر ہوتا۔ البتہ حدیث شریف کی مشہور کتاب "مشکوۃ شریف" کا اُردو زبان میں "کاشف المشکوۃ" کے نام سے پہلا ترجمہ کر کے اولیت کا اعزاز حاصل کیا۔ یہ ترجمہ آپ نے ۱۱۹۳ھ/۱۷۷۹ء میں مکمل کیا تھا۔[۵۱]

حکیم شریف خان کا ترجمہ جو ابوالکلام آزاد کی وساطت سے مولوی عبدالحق کو دیکھنے کا موقعہ ملا۔ اپنی رائے میں اشرف الحکماء محمد حکیم شریف کے ترجمے کو شاہ عبدالقادر کے ترجمے سے زیادہ آسان اور صاف قرار دیتے ہیں کیونکہ بقول ان کے حکیم صاحب کے ترجمۂ قرآن میں لفظی پابندی اتنی زیادہ نہیں کی گئی ہے اور اُردو زبان کی ترکیب کا نسبتاً زیادہ خیال رکھا گیا ہے۔ نیز یہ ترجمہ شاہ عبدالقادر دہلوی کی طرح ہندی کے بجائے ریختہ میں کیا گیا ہے۔[۵۲]

شاہ برادران کے بعد قرآنی تراجم کا اُردو زبان میں باقاعدہ آغاز ہو جاتا ہے اور یکے بعد دیگرے کئی ترجمے تیرہویں صدی ہجری میں منظر عام پر آئے لیکن کسی ترجمۂ قرآن کو بھی کوئی خاص شہرت حاصل نہ ہوئی۔ ان میں سے اکثر جو موجود ہیں وہ لائبریریوں کی زینت ہیں۔ البتہ ان تراجم میں اگر کسی ترجمۂ قرآن کو تھوڑی بہت شہرت اس صدی میں ملی تو وہ سرسیّد احمد خان کے ترجمہ/تفسیر کو حاصل ہوئی جو انہوں نے ۱۵ پارے تک مکمل کیا تھا۔

تیرہویں صدی ہجری کا ادبی جائزہ

تیرہویں صدی ہجری میں جو ترجمۂ قرآن شاہ برادران کے بعد سب سے پہلے منظر عام پر آیا وہ مولوی عزیز اللہ ہمرنگ اورنگ آبادی (دکن) کا جزوی ترجمہ "چراغ ابدی" تھا ۱۲۱۶ھ

۵۱۔ ڈاکٹر حامد حسن قادری "تاریخ داستانِ اُردو" ص ۱۶۷

۵۲۔ مولوی عبدالحق دہلوی "قد[illegible]

میں لکھا گیا یہ صرف آخری پارے کا ترجمہ ہے۔[۵۳]

تیرہویں صدی ہجری میں اُردو زبان کو قرآن کے ساتھ ساتھ دوسری مذہبی کتابوں کے تراجم سے بالخصوص حدیث، فقہ کی کتابوں کے ترجمے سے بہت فروغ حاصل ہوا۔ خاص کر فورٹ ولیم کالج کے قیام کے بعد جس کی بنیاد کلکتہ میں ۷ ذی الحجہ ۱۲۱۴ھ/۴ مئی ۱۸۰۰ء کو لارڈ ویلزلی گورنر جنرل ایسٹ انڈیا کمپنی نے رکھی تھی۔[۵۴]

اُردو ادب کو پہلی دفعہ اجتماعی فوائد اس وقت حاصل ہوئے جب برصغیر پاک و ہند میں پہلا عربی حروف کا مطبع قائم ہوا۔ جہاں مختصر عرصے میں ہی ۵۰ سے زیادہ مختلف موضوعات پر کتابیں شائع ہوئیں جن میں بیشتر مذہبی کتابوں کے ترجمے تھے۔[۵۵] اُن تراجم کا اسلوب زیادہ تر سادہ ہے۔ محاورات پر خاص توجہ نہیں کی گئی۔ البتہ قصہ کہانیوں کی تصانیف میں عبارت مقفّیٰ اور مسجع نظر آتی ہے۔ اسی کالج میں جہاں انجیل مقدس کا پہلی دفعہ اُردو زبان میں ترجمہ کیا گیا وہیں کالج میں متحدہ کوششوں سے ترجمۂ قرآن کا بھی آغاز ہوا۔ ترجمہ کے لیے ۵ افراد کی ایک جماعت تشکیل پائی جو ڈاکٹر گل کرائسٹ کی نگرانی میں قرآن کو اُردو زبان میں منتقل کر رہے تھے۔ ان ۵ صاحبان میں مولوی امانت اللہ شیدا، میر بہادر علی حسینی، مولوی فضل اللہ، مرزا کاظم علی اور حافظ محمد غوث نے لگ بھگ ۲ سال کی جدوجہد کے بعد تیرہویں صدی کا تیسرا مکمل ترجمۂ قرآن اُردو زبان میں (۱۲۱۹ھ/۱۸۰۴ء) میں مکمل کرلیا اور یہ انیسویں صدی عیسوی کا پہلا ترجمۂ قرآن ہے جو اُردو زبان میں سامنے آیا۔[۵۶]

---

۵۳ جمیل نقوی "قرآن مجید کے اُردو تراجم" ص ۴۵

۵۴ ڈاکٹر حامد حسن قادری "تاریخ داستان اُردو" ص ۹۵

۵۵ " " " ص ۴۷

۵۶ جمیل نقوی "قرآن مجید کے اُردو تراجم"

تیرہویں صدی ہجری میں اس کے علاوہ اور بھی انفرادی کوششیں کی گئیں جس کے نتیجے میں کئی ترجمۂ قرآن اُردو زبان میں منظرِعام پر آئے لیکن کسی ترجمہ کو بھی شہرت دوام نصیب نہ ہوئی مگر اب یہ تراجم مختلف لائبریریوں کی زینت ہیں۔ جزدی تراجم کا تو کوئی شمار ہی نہیں۔ اسی طرح ممکن ہے قلمی تراجم قرآن اُردو زبان میں اور بھی ہوں مگر تاریخ ان کو محفوظ نہ رکھ سکی۔ تیرہویں صدی کے چند تراجم قرآن کی فہرست پیش کی جا رہی ہے جن کو تاریخ نے محفوظ رکھا ہے۔[۵۷]

۱۔ عبداللہ ہوگلی ۱۲۴۵ھ/۱۸۲۹ء

۲۔ عبداللہ سید ۱۲۴۵ھ/۱۸۲۹ء

۳۔ امام الدین مسیحی ۱۲۶۰ھ/۱۸۴۴ء

۴۔ کرامت اللہ جونپوری ۱۲۵۳ھ/۱۸۳۷ء

۵۔ انور علی لکھنوی ۱۲۵۵ھ/۱۸۳۹ء

۶۔ کہنیا لال کھزری ۱۳۰۰ھ/۱۸۸۲ء

۷۔ محمد ہاشم علی ۱۲۸۹ھ/۱۸۶۱ء قلمی

۸۔ ظہور الدین بلگرامی ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء قلمی

۹۔ مترجم نامعلوم الاسم ۱۲۸۵ھ/۱۸۶۵ء قلمی

(۷ تا ۹: برٹش میوزیم)

تیرہویں صدی ہجری کے اختتام سے قبل اُردو تفسیر میں ایک اہم اضافہ ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء میں ہوا جب سر سید احمد خان (المتوفی ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۸ء)[۵۸] کی ۷ جلدوں پر مشتمل اُردو تفسیر القرآن مع ترجمہ کے ساتھ سامنے آئی۔ اس کی آخری جلد جو ۱۵ویں پارے پر مشتمل ہے

---

[۵۷] جمیل نقوی "قرآن مجید کے اُردو تراجم" ص ۴۵

[۵۸] ڈاکٹر حامد حسن قادری "داس[illegible]

(۱۳۱۳ھ/۱۸۹۵ء) میں منظر عام پر آئی، یہ علیگڑھ انسٹی ٹیوٹ پریس سے شائع ہوئی۔[۵۹] اس صدی میں محتاط اندازے کے مطابق کل ۲۵ ترجمہ/تفسیر اُردو زبان میں پائے جاتے ہیں۔[۶۰] لیکن چند کے علاوہ سب غیر مشہور اور غیر معروف ہیں۔

سر سیّد احمد خان کے ترجمہ/تفسیر سے قرآنی تراجم اور تفسیر کے ایک جدید دَور کا آغاز ہوتا ہے کیونکہ کئی مقامات پر سر سیّد نے عام روایات سے ہٹ کر ترجمہ اور تفسیر بیان کی ہے جس کو ان کے قریبی ساتھی مولوی الطاف حسین حالی نے اپنی کتاب حیات جاوید میں ذکر بھی کیا ہے۔ مولوی الطاف حسین نے ۵۲ سے زیادہ مسائل کا ذکر کیا ہے جن میں سر سیّد احمد خان نے جمہور علماء کی آراء سے اختلاف کیا ہے۔[۶۱]

سر سید احمد کے ہم خیال علماء نے ترجمۂ قرآن اور تفسیر لکھنے میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا مثلاً مولوی محمد علی امیر جماعت احمدیہ (قادیانی) کی تفسیر/ترجمہ میں بیشتر مقامات پر سر سید احمد خان کی فکر ہی کی ترجمانی ہے۔[۶۲] سر سیّد احمد کی تفسیر اور ترجمۂ قرآن نے درحقیقت اسلام میں ایک نیا نیچری (   ) رجحان پیدا کیا جس کے نتیجے میں کئی فرقوں نے نئے خیالات کے ساتھ جنم لیا۔[۶۳]

سر سید احمد خان کی اُردو ادب کے حوالے سے خدمات کا ہر کوئی معترف ہے کیونکہ جدید اُردو ادب کے فروغ کے سلسلے میں آپ نے جو اہم خدمات انجام دی ہیں، تاریخ

---

۵۹ جمیل نقوی "قرآن مجید کے اُردو تراجم" ص ۴۴

۶۰ ڈاکٹر صالحہ عبد الحکیم شرف الدین "قرآن حکیم کے اُردو تراجم" ص ۱۰۱، قدیمی کتب خانہ، کراچی

۶۱ شیخ محمد اکرام "موج کوثر" ص ۱۶۷/۱۶۸، فیروز سنز لمیٹڈ کراچی

۶۲ 〃 〃 〃 〃 〃

۶۳ محمد طیب داناپوری "تجانب اہل سنۃ عن اہل الفتنۃ" ص ۲۸، بریلی الیکٹرک پریس، انڈیا

اُردو ادب اس پر جتنا فخر کرے وہ کم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جدید اُردو ادب کے عناصرِ خمسہ اس کا لازمی جُز قرار دیئے جاتے ہیں[٦٤] اور اگر آپ کو جدید اُردو کا بانی کہا جائے تو بھی غلط نہ ہوگا کیونکہ اُردو ادب میں انہوں نے کئی تصنیفات و تالیفات کے علاوہ سینکڑوں مضامین کا ایک عظیم ذخیرہ یادگار چھوڑا ہے۔ اس لیے سرسید کے دَور کو جدید اُردو کے اسالیب سے علیحدہ نہیں کیا جاسکتا لیکن مذہب کے بنیادی اصولوں میں جدت پسندی نے انہیں مسلمانوں میں ایک متنازعہ شخصیت بنا دیا۔[٦٥]

چودھویں صدی ہجری کا اُردو ادب

چودھویں صدی ہجری اُردو زبان کی ارتقائی تاریخ میں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ جدید اُردو ادب کو جتنا فروغ اسی صدی میں نصیب ہوا اس سے پہلے کبھی حاصل نہ ہوا۔ اس صدی کے ابتدائی ۵۰ سالوں میں جتنا لکھا گیا ہے اس سے قبل پچھلی دو تین صدیوں میں بحیثیت اجتماعی بھی اُردو زبان میں اتنا نہیں لکھا گیا۔ مختلف موضوعات پر تصنیفات کے ساتھ ساتھ مصنفین کی تعداد میں بھی خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ خاص کر دینی ادب کے حوالے سے مترجمین قرآن اور مفسرین کی تعداد میں بھی غیر معمولی اضافہ ہوا اور اگر نامکمل تفاسیر اور تراجم بھی شامل کر لیے جائیں تو دینی ادب میں مصنفین کی ایک بہت بڑی تعداد سامنے آتی ہے۔ اس دَور کے کئی مصنفین کی وجہ شہرت صرف اس وجہ سے ہے کہ اس دَور میں اُردو ادب پر مذہب کا غلبہ تھا۔

سرسید احمد خان کی تحریروں میں از خود مذہب کا عنصر غالب نظر آتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ سرسیّد احمد خان کی توجیحات کو علماء قبول نہیں کرتے ہیں اور نہ ہی ان سے ہر کسی کا متفق ہونا

٦٤؎ ڈاکٹر حامد حسن قادری "داستان تاریخ اُردو" ص ٦٣٢

٦٥؎ شیخ محمد اکرام "موج کوثر" ص ٧٦

ضروری ہے۔[٦٦] ان کے علاوہ تیرہویں صدی کے آخری عشرہ سے لے کر چودھویں صدی ہجری کے نصف تک لکھنے والوں کی کثیر تعداد موجود رہی۔ ان میں بہت سے ایسے نام آتے ہیں جنھوں نے اُردو ادب کی خدمت خالصتاً مذہب کے حوالے سے کی ہے جس طرح اس سے پہلے بھی صوفیائے کرام اُردو ادب کی خدمات انجام دیتے چلے آئے تھے۔ ان مصنفین میں مختلف الخیال علماء کرام ہیں جنھوں نے ترجمۂ قرآن، تفسیر القرآن، فقہ، حدیث، تصوف، اخلاق، تاریخ اسلام اور سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل ایک مخیم ذخیرہ تصانیف یادگار چھوڑا ہے۔

دینی اُردو ادب کے فروغ سے اُردو ادب کی غیر ارادی خدمات جاری رہیں اور اُردو زبان اپنی ارتقائی منزل طے کرتی رہی اور جلد ہی ۱۹ ویں صدی عیسوی میں اُردو سرکاری زبان بھی بن گئی۔ مذہبی مصنفین نے کبھی بھی اپنی تحریر میں مذہب کا دامن نہ چھوڑا۔ یہ اور بات ہے کہ اُردو ادب کے مؤرخین نے تاریخ لکھتے وقت اس دَور کے اکثر مذہبی مصنفین کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ یہ بات دیکھنے میں آئی ہے کہ اکثر اُردو ادب کے مؤرخین حضرات مذہبی کتب کے مصنفین کو اپنے یہاں جگہ نہیں دیتے، چاہے ان میں کوئی کتنا ہی بہترین ادیب اور انشاء پرداز ہی کیوں نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اہم مصنفین تاریخِ اُردو ادب میں اپنا صحیح مقام حاصل نہ کر سکے۔ مثلاً ذاکر حسین، غلام السیدین، سید عبداللہ، مولانا احمد رضا وغیرہ۔[٦٧]

حیرت ہے کہ تاریخ ادب اُردو کی مستند تصانیف میں بھی حد درجہ جانبداری برتی گئی، اور اس کا شکار بعض دفعہ ایسے عظیم مصنف ہوئے جو حقیقت میں اُردو نثر میں تحقیق و تدقیق کی راہ دکھا گئے اور بساط ادب کو اپنے نثری شہ پاروں سے اتنا سجا دیا کہ ان کے معاصرین بھی ان سے کہیں پیچھے دکھائی دیتے ہیں جو اپنے رشحات قلم مختلف موضوعات پر مبنی تصانیف کا ایک عظیم سرمایہ

---

[٦٦] مولانا سعید احمد اکبرآبادی "فہم القرآن" ص ۱۴

[٦٧] مجید اللہ قادری "اردو ادب کی تاریخی فروگذاشت" سالنامہ "معارف رضا" شمارہ ہفتم، ص ۱۵۹ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا رجسٹرڈ کراچی ۱۹۸۷ء

یادگار چھوڑ گئے جو اُردو ادب کے لیے انمول خزانے سے کم نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ ان حضرات کا ذکر کیے بغیر تاریخ ادب اُردو نامکمل ہے۔

ایک ایسی ہی باکمال شخصیت جس کو تاریخ ادب اُردو کے مستند مؤرخین ڈاکٹر حامد حسن قادری، ڈاکٹر نسیم قریشی، رام بابو سکسینہ، عبدالسلام ندوی، ڈاکٹر محمود شیرانی، ڈاکٹر وحید قریشی ڈاکٹر جمیل جالبی وغیرہ نے درخوراعتنا نہیں سمجھا[68] جس کی وجہ سے ان کی علمی کاوشوں پر دبیز پردے پڑے رہے اور جن کے افکار عالیہ سے اُردو ادب کو نصف صدی سے زیادہ محروم رہنا پڑا، نہ تو خود استفادہ کیا اور نہ دوسروں کو مستفیض ہونے کا موقع فراہم کیا اور اکثر ادب دوست حضرات کو ان سے محروم رکھا مگر اُردو ادب کے ہی ایک محقق عصر پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد ابن مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی نقشبندی مجددی امام وخطیب شاہی مسجد فتحپوری دہلی (المتوفی ۱۳۸۶/ ۱۹۶۶ء)[69] نے تاریخ کا دوسرا رُخ دکھایا اور چودھویں صدی ہجری کے اس ادیب کو جو علم اور ذہانت کے اعتبار سے بھرپور صلاحیتوں سے بہرہ ور اور عالمِ اسلام کی قدآور شخصیت یعنی مولانا احمد رضا خان قادری محدث بریلوی کو دُنیائے علم وادب میں روشناس کرایا اور ثابت کیا کہ آپ اپنے وقت کے عظیم ادیب بھی تھے[70]

برصغیر پاک وہند میں مولانا احمد رضا خان قادری نے اُردو ادب کی بحیثیت انشاپرداز ایسی خدمت انجام دی ہے کہ اُردو ادب کے عناصر خمسہ کی مجموعی خدمات کے مقابلے میں فرد واحد کی خدمات کہیں زیادہ ہیں جس کی مثال برصغیر میں شاید ہی ملے۔ آپ نہ صرف السنہ شرقیہ کے رمز شناس تھے بلکہ اُردو ادب پر دستگاہ کامل کے مالک بھی تھے جن

۶۸؎ مجید اللہ قادری "اردو ادب کی تاریخی فروگذاشت" ص ۱۶۲

۶۹؎ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد "حیات مظہری" ص ۴۲، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی ۱۳۹۴ء

۷۰؎ 〃 〃 "حیات مولانا امام احمد رضا خان بریلوی" ص ۱۵۰، اسلامی کتب خانہ، سیالکوٹ ۱۹۸۱ء

کی تصانیف کی تعداد ایک محتاط اندازے کے مطابق ایک ہزار سے زیادہ ہے[۷۱]۔ ان کی صرف ایک تصنیف "العطایا النبویۃ فی الفتاوٰی الرّضویۃ" المعروف بہ فتاوٰی رضویہ ۱۲ ضخیم مجلدات پر مشتمل ہے جو تفقہ سے قطع نظر اُردو نثر نگاری کا ایک عظیم شاہکار بھی ہے۔ آپ کی انہی علمی و ادبی کاوشوں کے اعتراف میں اُردو زبان وادب کے بزرگ محقق، پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفٰے خان نقشبندی سابق صدر شعبہ اُردو سندھ یونیورسٹی رقمطراز ہیں:

"مولانا احمد رضا اپنے دور کے بے مثل علماء میں شمار ہوتے ہیں کہ جن کے فضل و کمال، ذہانت و فطانت، طباعی اور درّاکی کے سامنے بڑے بڑے علماٗ فضلا جامعات کے اساتذہ، محققین مستشرقین نظروں میں نہیں جچتے۔ مختصر یہ کہ وہ کون سا علم ہے جو انہیں نہیں آتا اور کون سا فن ہے جس سے وہ واقف نہیں"[۷۲]

ایک اور مقام پر وہ تمام مؤرخین کو ان الفاظ کے ساتھ توجّہ دلانا چاہتے ہیں:

"اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک "عاشق رسول" یعنی مولانا احمد رضا خان بریلوی کا بھی ذکر کر دیا جائے جس سے ہمارے ادبا نے ہمیشہ بے اعتنائی برتی ہے حالانکہ یہ غالباً واحد عالم دین ہیں جنھوں نے نظم و نثر دونوں میں اُردو کے بے شمار محاورات استعمال کیے ہیں اور اپنی علمیّت سے اُردو شاعری میں چار چاند لگا دئیے ہیں"[۷۳]

جدید اُردو ادب میں عناصر خمسہ سرسیّد احمد خان، مولوی محمد حسین آزاد، ڈپٹی نذیر احمد دہلوی، مولوی شبلی نعمانی اور مولوی الطاف حسین حالی[۷۴]، جن میں ہر ایک انگریز حکومت

---

۷۱ مفتی اعجاز ولی خان "ضمیمہ المعتقد" ص ۶۶۶، مکتبہ حامدیہ لاہور

۷۲ ڈاکٹر غلام مصطفٰے خان نقشبندی "مولانا احمد رضا خان کا علمی مقام" ہفت روزہ افق کراچی شمارہ ۲۲-۲۸ جنوری ۱۹۷۹ء

۷۳ " " " "اُردو شاعری اور تصوّف" ص ۵۶۸، رسالہ فکر و نظر مطبوعہ اسلام آباد

۷۴ ڈاکٹر حامد حسن قادری، "داستان تاریخ [illegible]

کی طرف سے "شمس العلماء" کا خطاب یافتہ ہے۔ اُردو ادب کا نہ صرف معمار بلکہ ادب کے ایوان کے مرجع کار سمجھے جاتے ہیں۔ اُردو ادب کا کوئی ایسا موضوع نہیں جن پر ان حضرات کی قلمی یادگار نہ ہو۔ اگرچہ ان میں سے ہر کوئی ایک دوسرے پر بعض انفرادی خصوصیت کے باعث فوقیت رکھتا ہے لیکن ان سب میں ایک پہلو مشترک ہے یعنی دینی یا مذہبی ادب میں گوناگوں آزاد خیالی اور ان میں سے ہر ایک کے قلم سے کہیں نہ کہیں اعتدال کا دامن چھوٹ گیا ہے اور اعتدال سے ہٹ کر بہت کچھ لکھ گئے ہیں۔ ان میں سے دو حضرات یعنی سرسید احمد خان اور ڈپٹی نذیر احمد کی بے اعتدالیاں ان کے ترجمۂ قرآن کے حوالے سے آگے پیش کی جائیں گی۔ مگر مولوی الطاف حسین حالیؔ، مولوی شبلی نعمانی اور مولوی محمد حسین آزاد جو مترجمین قرآن نہیں ہیں مگر ان کی علمی و ادبی کتابوں میں بے اعتدالیاں دیکھی جا سکتی ہیں۔ مثلاً مولوی شبلی نعمانی جو ایک مؤرخ کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں اور تاریخ کے حوالے سے کئی کتابوں کے مصنف ہیں ان کی تحریر میں بے اعتدالیوں کا تعاقب مولوی عبدالرؤف داناپوری نے "اصح السیر" میں ان الفاظ کے ساتھ کیا ہے:

"اُردو میں سیرت پر بہتر کتاب صرف ایک ہی لکھی گئی ہے یعنی مولانا شبلی کی سیرت نبوی، مگر انھوں نے مغازی پر جو کچھ لکھا ہے با دلِ نخواستہ۔ اس میں جو کچھ خامیاں ہیں اہل علم سے مخفی نہیں ہے خصوصاً غزوہ بدر کے حالات میں تو انھوں نے عجیب و غریب جدّت کی ہے۔ تمام واقعات کو پلٹ دیا ہے تمام روایت صحیحہ کو ترک کر دیا ہے۔ قرآن پاک سے غزوہ کے حالات کو مرتّب کرنے کا دعویٰ کیا ہے اور قرآن پاک کے مطالب ایسے لیے ہیں اور اس سے وہ باتیں پیدا کی ہیں جو اب تک کسی نے نہ کی تھیں۔ مولانا کی نیّت خراب نہ تھی واقعات میں اُلٹ پھیر اور مطالب میں ردّ و بدل انھوں نے اس

لیے کیا کہ عیسائیوں کا جواب دیا جائے اور بتایا جائے کہ غزوہ بدر اس لیے نہیں ہوا کہ رسول اللہ قریش کے قافلہ تجارت پر حملے کی نیت سے نکلے تھے بلکہ اس لیے ہوا کہ خود قریش مدینہ پر حملہ کرنے آئے تھے مگر مولانا کی یہ تکلیف بے کار ہے۔ صرف بدر کے واقعات بدلنے سے کچھ نہیں ہو سکتا۔"[۷۵]

مولوی الطاف حسین حالی نے اگرچہ 'حیات جاوید' میں سرسیّد احمد خان کی تفسیر القرآن میں کی گئی لغزشوں کا ذکر کیا ہے اور اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ سرسیّد سے کئی مقامات پر بے اعتدالیاں ہوگئیں مگر وہ خود بھی اس محفوظ نہ رہ سکے، چنانچہ ان کی 'مسدس حالی' میں سے چند اشعار نموتناً پیش کیے جا رہے ہیں جن میں ان کے عقائد کا بھی اظہار ہے مثلاً

تم اَوروں کی مانند دھوکا نہ کھانا
کسی کو خدا کا نہ بیٹا بنانا
میری حد سے رُتبہ نہ میرا بڑھانا
بڑھا کر بہت تم نہ مجھ کو گھٹانا
سب انسان ہیں واں جس طرح سرفگندہ
اسی طرح ہوں مَیں بھی اِک اسی کا بندہ
بنانا نہ تربت کو میری صنم تم
نہ کرنا مری قبر پر سَر کو خم تم؛
نہیں بندہ ہونے میں کچھ مجھ سے کم تم
کہ بے چارگی میں برابر ہیں ہم تم؛
مجھے دی ہے حق نے بس اتنی بزرگی
کہ بندہ بھی ہوں اس کا اور ایلچی بھی[۷۶]

۷۵ ۔ مولوی عبدالرؤف دانا پوری، اصح السیر، ص ۲-۲۰۱ صمد بک ڈپو انڈیا

۷۶ ۔ مولوی الطاف حسین حالی، "مسدس حالی" ص ۱۷ ۔ ۱۸ مطبوعہ لاہور

ان اشعار میں مولوی الطاف حسین حالی نے صاف صاف لکھ دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جیسے بندے ہم ہیں ویسے ہی بندے افضل الانبیاء علیہ الصلاۃ والسلام ہیں۔ جیسے ہم عاجز و مجبور ہیں ویسے ہی آپ بھی اور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو بس صرف اتنی ہی بزرگی حاصل ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بندے بھی ہیں اور اس کے ایلچی بھی۔ مولوی الطاف حسین حالی شاید یہ بھول گئے کہ ہم صرف عبد ہیں اور وہ عبدہٗ اور وہ صرف رسول ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی جمیع صفات کے مظہر کل ہیں۔ الحاصل عناصر خمسہ کے تمام ہی افراد سے کہیں نہ کہیں بے اعتدالی ضرور ہوئی ہے جس نے بعد میں ایک باقاعدہ گروہ کی شکل اختیار کر لی اور جن سے متاثر ہو کر بعض دانشوروں اور روشن خیال علماء نے ان خیالات کی نہ صرف تائید کی بلکہ کئی قدم آگے بڑھ کر حصہ لیا ان میں نمایاں مولوی عنایت اللہ مشرقی، غلام احمد پرویز، مرزا غلام قادیانی اور حسن نظامی (مصنف کرشن بتی) وغیرہ سرفہرست ہیں۔

ان تمام افراد کی تحریروں میں جو بات مشترک ہے وہ یہ کہ ہر کسی نے بلاجھجک اللہ عزوجل اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخ کلمات لکھ ڈالے، ساتھ ہی اسلام کے بنیادی ارکان کو سائنس سے منطبق کرنے کی کوشش کرنے لگا اور اسلاف کی خدمات کو کم مایہ ثابت کرنے میں زبان درازی کرنے لگا۔ راقم یہاں اس بحث کو طول دینا نہیں چاہتا۔ یہاں صرف اجمالاً آزاد خیالی کی نشاندہی کرنا مقصود تھی کہ جس کے مضر اثرات نے مذہب سے برگشتگی کے نت نئے راستے کھول دیئے۔ یہاں تک کہ احادیث کا انکار ہونے لگا[۷۷] اور آخر کار مرزا غلام احمد قادیانی نے ۱۹۰۰ء میں نبوت کا رستہ کھلا سمجھ کر جھوٹی نبوت کا دعویٰ کر دیا۔[۷۸]

۷۷؎ غلام احمد پرویز "مفہوم القرآن" جلد اوّل، صفحہ "ت" ادارہ طلوع اسلام لاہور

۷۸؎ مرزا بشیر الدین محمود قادیانی "حقیقت نبوت" ص ۷۰، مطبوعہ ربوہ

عناصرِ خمسہ اور دیگر ادباء کی اُردو ادبیات سے متعلق خدمات کا جہاں تک تعلق ہے ہر کوئی اس کا معترف ہے لیکن تاریخ ادبیات اُردو کے مؤرخین و محققین نے کتنی بڑی ناانصافی کی کہ مولانا احمد رضا خان قادری کی ادبی خدمات کو خواہ نثری ہوں یا منظوم یکسر نظر انداز کر دیا جبکہ صرف ضخامت کے اعتبار سے مولانا احمد رضا کی تصانیف اُردو ادب میں عناصرِ خمسہ کی مجموعی تصانیف سے بھی کہیں زیادہ ہیں اور پھر انفرادیت کا یہ عالم کہ تبحر علمی اور رد قوف علوم و فنون کے باعث گراں مایہ بھی ہیں۔ مگر محسوس یہ ہوتا ہے کہ مولانا احمد رضا چونکہ انگریز کے سخت خلاف تھے اور جدید اردو ادب کو فروغ بھی آزاد خیال علماء اور دانشوروں سے ہی ملا اور بعد کے مؤرخین کا بھی وہی مزاج تھا، اس لیے اکثر و بیشتر مؤرخین نے ان کو اپنی تصانیف میں جگہ نہیں دی جبکہ تمام شمس العلماء کا خطاب پانے والے علماء اور دانشوروں کو سراہا گیا۔ تعجب ہے کہ پاکستان بننے کے بعد کے مؤرخین نے بھی انھی کی تقلید کرتے ہوئے مولانا کو اہمیت نہیں دی۔ البتہ علماء عرب و عجم نے ان کی دینی خدمات کے پیش نظر آپ کو اس صدی کا مجدد ضرور قرار دیا۔[۷۹]

مولانا احمد رضا کو اُردو ادب میں شہرت دوام نہ ملنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ آپ نے تحریر کو آزاد خیالی سے پاک رکھا اور افسانہ، ناول، ڈرامہ، قصہ کہانیاں اور خیالی شاعری جیسے غیر سنجیدہ موضوعات و فنون درخور اعتناء نہ سمجھتے ہوئے کوئی تصنیف یادگار نہیں چھوڑی کیونکہ آپ کا منشاء آپ کے ہی نعتیہ غزل کے ایک شعر میں یوں نمایاں نظر آتا ہے۔

کروں مدح اہل دول رضاؔ، پڑے اس بلا میں مری بلا
مَیں گدا ہوں اپنے کریم کا، مِرا دین پارہ ناں نہیں[۸۰]

۷۹ے السید اسمعیل بن السید خلیل تقریظ "حسام الحرمین" ص ۵۱، مکتبہ نبویہ لاہور
۸۰ے مولانا احمد رضا خان قادری بریلوی، "[illegible] بک ڈپو کراچی

ادب میں مولانا احمد رضا خاں کی خصوصیات میں سے ایک انفرادی خصوصیت یہ ہے کہ السنۂ شرقیہ کے علم سے ہٹ کر سائنسی موضوعات پر بھی بہت لکھا اور عناصر خمسہ کے بالمقابل آپ نے اسلام کو ہمیشہ سربلند رکھا اور سائنسی خیالات کو ہمیشہ اسلام کے زیرنگیں رکھا[۸۱] جبکہ دیگر مصنفین نے حقیقت میں یہی ٹھوکر کھائی ہے کیونکہ وہ اسلام کو سائنس کا مرہون منّت جان کر اسلام کو سائنس کی مدد سے سمجھ رہے تھے جس کے باعث سینکڑوں اختلافی مسائل سامنے آئے جس نے پھر نئے نئے مذہب اور فرقوں کی بنیاد فراہم کی۔[۸۲]

برصغیر پاک و ہند میں چودھویں صدی ہجری کے دوران اُردو ادب میں قرآن مجید کے تراجم، تفاسیر اور دوسری مذہبی دینی کتابوں کے تراجم اور تصنیفات سے گراں قدر اضافہ ہوا۔ اس صدی میں اُردو زبان میں قرآنی تراجم کی تعداد ۱۰۰ سے زیادہ ہے اور تقریباً اتنی ہی تعداد میں تفاسیر بھی لکھی گئی ہیں۔ جزوی یا نامکمل تراجم قرآن کی تعداد علیحدہ ہے۔ لیکن تراجم قرآن میں چند ہی تراجم کو شہرت حاصل ہو سکی جن کے شروع سے اب تک برابر ایڈیشن شائع ہو رہے ہیں، ان میں معروف تراجم کی تعداد ۲۰-۲۵ سے زیادہ نہیں اور اگر عوام میں مقبولیت کے حوالے سے دیکھا جائے تو یہ تعداد گھٹ کر ۱۵-۲۰ رہ جاتی ہے۔ معروف تراجم قرآن کی مقبولیت کا دائرہ بھی اپنے اپنے حلقوں میں محدود ہے۔ کسی کا دائرہ وسیع ہے اور کئی بہت ہی محدود دائرے میں مقبول ہیں مثلاً شیعہ اور قادیانیوں کے تراجم جن کو باقاعدہ تقابل میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔ باقی معروف قرآنی اُردو تراجم کا تقابل مولانا احمد رضا کے اُردو ترجمہ قرآن کنزالایمان فی ترجمہ القرآن (۱۳۳۰ھ) سے آئندہ ابواب میں کیا جائے گا۔

۸۱؎ مولانا احمد رضا خاں قادری بریلوی "نزدل آیات فرقان بسکون زمین وآسمان" ص ۲۵، یونائیٹڈ پریس لکھنؤ

۸۲؎ مولانا [illegible]

باب چہارم

معروف اُردو قرآنی تراجم اور مترجمین (کنزالایمان سے قبل)

معروف اُردو قرآنی تراجم سے مُراد وہ تراجم قرآن ہیں جو پاک و ہند میں خصوصاً اور دیگر ممالک میں عوامی طبقے میں قبولیت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ معروف اور مقبول تراجم قرآن کی تعداد بہت زیادہ تو نہیں مگر ان کا تعین کرنا مشکل کام ہے کیونکہ بہت سے تراجم قرآن ایک مخصوص اور محدود حلقے میں تو مقبول ہیں، جیسے شیعہ حضرات کے تراجم قرآن اور قادیانیوں کے تراجم قرآن وغیرہ، مگر عام مسلمانوں میں ان کی پذیرائی نہیں پائی جاتی۔ عوامی سطح پر مقبول تراجم کی تعداد ۱۵۔ ۲۰ سے زیادہ نہیں لہٰذا ان تراجم کا تقابل کنزالایمان سے کیا جائے گا لیکن اس سے قبل ان تمام معروف تراجم قرآن کا تعارف اس کے مترجم کے تعارف کے ساتھ دو ابواب میں کیا جائے گا۔ پہلے چوتھے باب میں کنزالایمان سے قبل یعنی (۱۳۳۰ھ) سے قبل کیے گئے تراجم قرآن کا تعارف پیش کیا جائے گا اور پھر چھٹے باب میں کنزالایمان کے بعد ہونے والے معروف اُردو قرآنی تراجم کا تعارف پیش کیا جائے گا۔ معروف تراجم قرآن کے علاوہ بھی جن مختلف مکتبۂ فکر کے اُردو تراجم سے استفادہ کیا گیا ہے جو مندرجہ ذیل ہیں:

۱۔ مولوی فیروز ... [illegible] ...۱۰ اگ ... ھ

۳۔ ڈاکٹر سید حامد حسن بلگرامی ۔۔۔ ۴۔ مولانا سید احمد سعید کاظمی
۵۔ مولوی محمد نعیم دہلوی ۔۔۔ ۶۔ مرزا بشیر الدین محمود قادیانی
۷۔ سید مقبول احمد دہلوی ۔۔۔ ۸۔ مولوی فرقان علی
۹۔ مرزا حیرت دہلوی ۔۔۔ ۱۰۔ پیر کرم شاہ الازہری
۱۱۔ مولوی عبد الرحمٰن ابن احمد قادیانی ۔۔۔ ۱۲۔ مفتی منظر اللہ دہلوی

اس باب میں جن مترجمین قرآن کو شامل کیا گیا ہے وہ حسب ذیل حضرات ہیں :

۱۔ مولانا شاہ رفیع الدین دہلوی ۔۔۔ ۲۔ شاہ عبد القادر دہلوی
۳۔ ڈپٹی نذیر احمد دہلوی ۔۔۔ ۴۔ مولوی فتح محمد جالندھری
۵۔ مولوی عاشق الٰہی میرٹھی ۔۔۔ ۶۔ مولوی عبد اللہ چکڑالوی
۷۔ سر سیّد احمد خان ۔۔۔ ۸۔ مولوی مرزا وحید الزمان
۹۔ مولوی عبد الحق حقّانی ۔۔۔ ۱۰۔ مولوی اشرف علی تھانوی

مولانا شاہ رفیع الدین دہلوی

مولانا شاہ رفیع الدین دہلوی (پ ۱۱۶۳ھ / ۱۷۵۰ء) (م ۱۲۳۳ھ / ۱۸۱۸ء)[1] ابن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا پورا نام شاہ رفیع الدین عبد الوہاب تھا[2]۔ آپ شاہ عبد العزیز محدث دہلوی (المتوفی ۱۲۳۹ھ / ۱۸۲۴ء)[3] سے چھوٹے تھے اور شاہ عبد القادر اور شاہ عبد الغنی دہلوی سے بڑے تھے۔ شاہ صاحب نے دہلی کے ایک علمی خانوادے میں آنکھ کھولی۔ تحصیل علم پہلے

۱؎ دائرہ معارف اسلامیہ، جلد ۱۰، ص ۳۱۸، دانش گاہ پنجاب لاہور ۱۹۷۳ء

۲؎ مولوی حکیم عبد الحیٔ لکھنوی، "نزھتہ الخواطر"، الجز سابع ص ۱۸۲، کراچی ۱۹۷۶ء

۳؎ مولوی رحمان علی، "تذکرہ علمائے ہند"، (مترجم ڈاکٹر ایوب قادری) ص ۳۰۲

والد سے اور تکمیل بڑے بھائی سے کی۔ جب کبرسنی کی وجہ سے شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی درس و تدریس کا سلسلہ جاری نہ رکھ سکے تو ان کی جگہ شاہ صاحب درس دینے لگے۔ آپ کو معقولات و منقولات دونوں پر یکساں قدرت حاصل تھی۔ عربی اور فارسی زبانوں پر پورا عبور حاصل تھا۔ عربی میں کئی قصائد کے علاوہ اُردو، عربی اور فارسی میں کم و بیش بیس[۲] کتابیں ان سے منسوب کی جاتی ہیں[۴] مثلاً

① مقدمۃ العلم ② رسالہ عروض ③ کتاب التکمیل ④ تفسیر رفیعی
⑤ رسالہ دفع الباطل ⑥ رسالہ اسرار المحبہ ⑦ ترجمہ قرآن مجید

برصغیر پاک و ہند میں ان کی شہرت استاد، عالم اور ادیب کی حیثیت سے آج بھی مسلم ہے۔ اُردو ادب کی تاریخ میں ان کی اصل شہرت قرآن پاک کا پہلا لفظی اُردو ترجمہ ہے جو آپ نے ۱۲۰۰ھ میں مکمل کیا۔ ترجمہ قرآن کے علاوہ ان کی مختصر تفسیر بھی ہے جو "تفسیر رفیعی" کے نام سے موسوم ہے۔ ایک مصدقہ روایت کے مطابق ترجمہ و تفسیر آپ نے اپنے شاگرد سید نجف علی خان کو املا کروائی تھی[۵] جس کی تفصیل نجف علی خان کے بیٹے میر عبدالرزاق نے تفسیر رفیعی کے دیباچے میں بیان بھی کی ہے۔

"کمترین خاکسار میر عبدالرزاق بن سید نجف علی خان المعروف فوجدار خان کہ والد بزرگوار نے بخدمت جناب عالم باعمل و فاضل بے بدل، واقف علوم معقول و منقول، خلاصۂ علمائے متاخرین مولوی رفیع الدین سے عرض کیا تھا کہ میں چاہتا ہوں کہ ترجمہ کلام اللہ تحت اللفظ آپ سے پڑھ کر زبان اُردو میں لکھوں۔ پھر اُس کو آپ ملاحظہ فرما کر اصلاح دے کر

۴؎ مولوی رحمان علی، "تذکرہ علمائے ہند"، (مترجم ڈاکٹر ایوب قادری) ص ۲۰۲

۵؎ ڈاکٹر جمیل جالبی، "تاریخ ادب اُردو"، جلد دوم، حصہ دوم، ص ۱۰۴۹

درست فرمادیا کریں۔ چنانچہ آپ نے قبول فرمایا اور تمام کلام اللہ اسی طرح مرتب ہوا اور رواج پایا۔ اسی صورت سے تفسیر سورۃ بقرہ کی موسوم بہ "تفسیر رفیعی" کیا۔ [٦]

برصغیر پاک و ہند میں شاہ رفیع الدین دہلوی کو اُردو زبان میں لفظی ترجمۂ قرآن کا بانی تصوّر کیا جاتا ہے۔ اس ترجمہ کا پہلا ایڈیشن دو جلدوں پر مشتمل پہلی دفعہ اسلام پریس کلکتہ سے ۱۲۵۴ھ/۱۸۴۰ء میں نستعلیق ٹائپ میں طبع ہوا تھا۔ [٧] یہ قدیم طبع شدہ نسخہ راقم حاصل نہ کر سکا البتہ قدیم ترین مسوّدہ جو حاصل ہوا وہ نسخہ (۱۳۴۵ھ/۱۹۲۷ء) کا طبع شدہ ہے جس کو نور محمد مالک کارخانہ تجارت کتب دہلی نے شائع کیا تھا۔ اس کے پہلے ہی صفحہ پر یہ پڑھ کر تعجب ہوا کہ شاہ صاحب کے اس سے قبل شائع ہونے والے ترجمہ قرآن میں کتب فروشوں نے بر بنائے۔ بغض اور اپنے مفاد کی خاطر کئی مقامات پر لفظوں کا ردّو بدل کر دیا تھا جس کی وجہ سے شاہ صاحب کے ترجمے کی صحت بہت زیادہ متاثر ہوئی لیکن بعد میں اس کو صحت کے ساتھ نور محمد کارخانے سے شائع کیا گیا اسی پر بطور تقدیم طباعت جو عبارت تحریر ہے وہ اس طرح ہے:۔

"معجز نما متوسط قرآن شریف مترجم بدو ترجمہ جس کی نقل و صحت منشی ممتاز علی صاحب دہلوی کے قرآن شریف مطبوعہ ۱۳۰۵ کے مطابق ہوئی ہے اس لیے اس کی صحت بینظیر ہے اس کے دو ترجمے ہیں ترجمہ اول رئیس الفقہا و المحدثین شاہ رفیع الدین دہلوی کا ہے جو سب سے پرانے مطبوعہ مترجم قرآن شریف سے نقل کیا گیا ہے جو بالکل اصلی ہے اور موجودہ زمانے کے کتب

---

[٦] شاہ رفیع الدین دہلوی "تفسیر رفیعی"، (سورۃ بقرہ) ص ۲۰ دہلی ۱۲۷۲ھ

[٧] مولوی عبدالحق بمقالہ "پرانی اُردو میں قرآن مجید کے تراجم و تفسیر"، سارہ ڈائجسٹ قرآن نمبر جلد دوم صفحہ ۱۷۷

فروشوں کی ترمیم و تصرف سے پاک ہے اور یہ ترجمہ ہندوستان کے تمام عقائد کے مسلمانوں میں بلا اختلاف مقبول ہے۔ ترجمہ دوم مولوی اشرف علی تھانوی قادری چشتی کا ہے جو تقریباً تحت اللفظ ہونے کے باوجود بامحاورہ نہایت سلیس اور صحیح ہے۔ یہ ہر دو ترجمے ان اغلاط و خلل لفظی سے پاک ہیں جو آزاد پسند اصحاب کے ترجموں میں موجود ہیں"۔ [۸]

اس اقتباس سے کئی باتوں کا علم حاصل ہوا مثلاً

۱۔ شاہ رفیع الدین کا ترجمہ جو ۱۳۴۵ھ میں دوبارہ صحت کے ساتھ شائع ہوا وہ اصل مسودہ دیکھے بغیر اب بھی مشکوک رہے گا۔

۲۔ مولوی اشرف علی تھانوی نہ صرف چشتی سلسلے وابستہ تھے بلکہ سلسلہ قادری میں بھی ان کو ادارت حاصل تھی۔

۳۔ یہ دونوں تراجم جدّت پسند مترجمین کی اغلاط سے پاک ہیں یعنی آزاد پسند حضرات کے تراجم قرآن اغلاط سے پُر ہیں۔

۴۔ جب شاہ رفیع الدین کا ترجمہ اصلی حالت میں نہ رہ سکا تو یقیناً شاہ عبدالقادر کا ترجمہ قرآن بھی تحریف سے محفوظ نہ رہا ہوگا۔ کیونکہ اس کی بھی اشاعت ان ہی کتب فروشوں کے ذریعہ ہوئی جنھوں نے شاہ رفیع الدین کا ترجمہ شائع کیا تھا۔

شاہ رفیع الدین دہلوی کا ترجمہ قرآن چونکہ لفظی ہے اس لیے معنی و مفہوم واضح نہیں مگر ترجمہ میں متن قرآن کی پابندی کا اہتمام بڑے نظم وضبط کے ساتھ کیا گیا ہے۔ شاہ

---

[۸] شاہ رفیع الدین / مولوی اشرف علی تھانوی" قرآن شریف مترجم"، ص۔ ۱

صاحب نے ہر لفظ کے نیچے عموماً اُردو کا یا پھر فارسی، ہندی اور بعض وقت عربی کا ہی لفظ لکھ دیا ہے۔ وضاحت کے لیے الفاظ بڑھانے یا ترجمہ کو بامحاورہ بنانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ شاہ صاحب عموماً متن قرآن سے بالکل نہیں ہٹے البتہ چند مقامات پر اضافی الفاظ استعمال کئے ہیں اس کے باوجود ترجمے سے مربوط جملے حاصل نہیں ہوتے لہٰذا ترجمے کو سوائے لفظی اسلوب کے اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

عربی قواعد کے اعتبار سے ہر کوئی واقف ہے کہ پہلے مضاف اور پھر مضاف الیہ آتا ہے اور اُردو میں اس کے برعکس ہے مگر شاہ صاحب نے ترجمہ میں بھی عربی گرامر کے مطابق ہی ترجمہ کیا ہے۔ یہ ہی اصول فعل، فاعل اور مفعول کے ترجمے میں بھی رکھا گیا ہے۔ اس التزام کے باوجود بہت کم ایسے لفظ ملیں گے جو عام فہم نہ ہوں البتہ زبان ۲۰۰ سالہ قدیم ہونے کے باعث اس میں متروک الفاظ بڑی تعداد میں ملتے ہیں۔ سرسیّد احمد خاں نے شاہ صاحب کے اسی اسلوب ترجمہ کے باعث آپ کے ترجمۂ قرآن کو تراکیب نحوی کے اعتبار سے ایک بہت بڑی دستاویز قرار دی ہے۔ [۹]

ڈاکٹر جمیل جالبی شاہ صاحب کے ترجمۂ قرآن سے متعلق خیالات کا اظہار کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"شاہ رفیع الدین کے ترجمے کی تاریخی اہمیت یہ ہے کہ یہ اُردو زبان کا پہلا ترجمہ ہے۔ جن کو اسی وقت سے قبولیت حاصل ہوئی جب سے یہ مکمل ہوا اور اس ترجمے نے بند دروازے کھول کر قرآن کے اُردو ترجمے کی ایسی

---

[۹] شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی "مقالات سرسید"، جلد ہفتم ص۔ ۲۵۵
مجلس ترقی ادب لاہور ۱۹۶۲ء

روایت قائم کی ہے کہ یہ سلسلہ آج تک جاری ہے۔ لفظی ترجمہ ہونے کے باوجود یہ وہ ترجمہ ہے جو قرآن کی روح اس کے مزاج کے مطابق اور قریب ترین ہے۔"[10]

ڈاکٹر مولوی عبدالحق شاہ رفیع الدین کے ترجمہ قرآن پر یوں تبصرہ کرتے ہیں :۔

"شاہ رفیع الدین نے ترجمہ میں عربی جملہ کی ترکیب اور ساخت کی بہت زیادہ پابندی کی ہے۔ ایک حرف ادھر سے ادھر نہیں ہونے پایا۔ ہر عربی لفظ بلکہ ہر حرف کا ترجمہ خواہ اُردو زبان کے محاورے میں کھپے نہ کھپے انہیں کرنا ضرور ہے۔"[11]

ڈاکٹر مولوی عبدالحق کے تبصرے کا جواب مولوی محمود الحسن دیو بندی نے ان الفاظ میں دیا :۔

"شاہ رفیع الدین کا یہ کمال ہے کہ تحت اللفظی ترجمہ کا التزام کر کے ایک ضروری حد تک سہولت اور مطلب خیزی کو ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔"[12]

شاہ رفیع الدین دہلوی کے ترجمہ قرآن کے اسلوب نگارش سے آگاہی کے لیے

---

۱۰ ؎ ڈاکٹر جمیل جالبی "تاریخ ادب اُردو" جلد دوم حصہ دوم ص ۔ ۱۰۵۴

۱۱ ؎ ڈاکٹر مولوی عبدالحق مقالہ "پرانی اُردو میں قرآن مجید کے تراجم و تفسیر" سیارہ ڈائجسٹ قرآن نمبر جلد دوم ص ۱۷۷

۱۲ ؎ مولوی محمود الحسن دیو بندی "مقدمہ موضح القرآن" ص ۔ ۱، دار التصنیف لمیٹڈ کراچی ۱۹۷۵ ء

ان کے ترجمہ قرآن سے چند آیات کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے۔

یہاں شاہ رفیع الدین دہلوی کے ترجمہ قرآن کے جس ایڈیشن کو استعمال کیا جا رہا ہے وہ ۱۳۴۵ھ کا طبع شدہ ہے۔ [۱۳]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں میں ساتھ نام اللہ بخشش کرنے والے مہربان کے

۱۔ اللہ ٹھٹھا کرتا ہے ان سے اور کھینچتا ہے ان کو بیچ سرکشی ان کی کے بہکتے ہیں۔ (البقرۃ: ۱۵)

۲۔ اور مکر کرتے تھے وہ اور مکر کرتا تھا اللہ اور اللہ تعالیٰ نیک مکر کرنے والوں کا ہے۔ (الانفال: ۳۰)

۳۔ پس ٹھٹھا کرتے ہیں ان سے ٹھٹھا کرتا ہے اللہ ان سے اور واسطے ان کے عذاب ہے درد دینے والا۔ (التوبہ: ۷۹)

۴۔ تحقیق باپ ہمارا البتہ بیچ غلطی ظاہر کے ہے۔ (الیوسف: ۸)

۵۔ پاکی ہے اس شخص کو لے گیا بندے اپنے کو رات کو مسجد حرام سے طرف مسجد اقصیٰ کے۔ (بنی اسرائیل: ۱)

۶۔ اور نافرمانی کی آدم نے رب کی پس گمراہ ہو گیا۔ (طٰہٰ: ۱۲۱)

---

[۱۳] شاہ رفیع الدین دہلوی، "قرآن شریف مترجم"، نور محمد کارخانہ تجارت کتب دہلی ۱۳۴۵ھ/۱۹۲۷ء

۷۔ نبی بہت شفقت کرنے والا ہے مسلمانوں پر جانوں ان کی۔

(الاحزاب:۵)

۸۔ البتہ تحقیق ہے واسطے تمہارے بیچ رسول خدا کے پیروی اچھی۔

(الاحزاب: ۲۱)

۹۔ اے نبی تحقیق ہم نے بھیجا ہے تجھ کو گواہ اور خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا۔

(الاحزاب:۴۵)

۱۰۔ نہ جانتا تھا تو کیا ہے کتاب اور نہ ایمان۔

(الشوریٰ:۵۲)

۱۱۔ اور بخشش مانگ واسطے گناہ اپنے کے اور واسطے ایمان والوں کے۔

(محمّد: ۱۹)

۱۲۔ تو کہ بخشے واسطے تیرے خدا جو کچھ ہوا تھا پہلے گناہوں تیرے سے اور کچھ پیچھے ہو۔

(الفتح: ۲)

۱۳۔ تو کہ ایمان لاؤ تم ساتھ اللہ کے اور رسول اس کے اور قوت دو اس کو تعظیم کرو اس کی۔

(الفتح: ۹)

۱۴۔ اور پایا تجھ کو راہ بھولا پس راہ دکھائی۔ اور پایا تجھ کو فقیر پس غنی کیا۔

(الضحیٰ: ۷،۸)

۱۵۔ کہ اے محمد وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے احتیاج ہے۔

(الاخلاص:۲)

ترجمہ قرآن مادری زبان میں عام لوگوں کی فہم و ادراک کے لیے کیے جاتے ہیں کیونکہ وہ عربی زبان سے واقف نہ ہونے کی وجہ سے قرآن کی حقیقی تعلیمات سے محروم رہتے

ہیں اس لیے ترجمہ قرآن اپنی مادری زبان میں پڑھ کر یا سن کر دہ اس کے رموز سے کسی حد تک بہرہ ور ہوتے ہیں۔

شاہ رفیع الدین کے ترجمہ قرآن میں اُردو زبان کا اسلوب صرف (لفظی) ہے جس سے ایک بڑا فائدہ یہ ضرور ہوا کہ کسی حد تک قرآن پاک کی اُردو زبان میں لغت تیار ہوگئی۔ یہاں شاہ صاحب کے ترجمہ قرآن سے چند آیات کا ترجمہ بطور نمونہ پیش کیا گیا۔ خیال رہے کہ زمانہ اور زبان دونوں قدیم ہیں اور اُردو زبان کے الفاظ بھی محدود، اس ترجمہ قرآن پر نظر ڈالنے سے اس بات کا بخوبی اندازہ ہوا کہ لفظی ترجمہ سمجھنا ایک عام آدمی کے لیے کتنا مشکل ہے یہی وجہ ہے کہ شاہ صاحب کے ترجمہ قرآن کو پڑھ کر چند سوالات ذہن میں ابھرتے ہیں جو عام آدمی کے عقائد کو متاثر بھی کر سکتے ہیں مثلاً اللہ ٹھٹھا کرتا ہے، مکر کرتا ہے، اس کی ذات شخصی ہے، رسول صریح غلطیاں کرتے ہیں، رسول گمراہ بھی ہیں گناہوں کے بھی مرتکب ہوتے رہتے ہیں، نہ ایمان سے واقف ہوتے ہیں نہ کتاب اللہ سے۔۔۔۔۔ وغیرہا۔

شاہ رفیع الدین دہلوی کے ترجمۂ قرآن کے مطالعہ کے بعد ان کی نیّت پر تو کوئی شک نہیں کیونکہ اُردو زبان میں اس وقت الفاظ کا بہت بڑا ذخیرہ موجود نہ تھا مگر پھر بھی احتیاط برتی جاتی اور مترادفات سے کام لیا جاتا تو شائد ترجمہ پڑھنے کے بعد پھر اس قسم کے سوالات ذہن میں نہیں اُبھرتے۔ مَیں سمجھتا ہوں کہ شاہ صاحب کے ترجمۂ قرآن میں اب بھی وہ اغلاط موجود ہیں جو کتب فروشوں نے یا کچھ مخصوص لوگوں نے اپنی طرف سے بڑھا دیے تھے اگرچہ ۱۳۴۵ھ کے ایڈیشن میں ان اغلاط کو نکالا گیا مگر غالباً کچھ اب بھی باقی ہیں اس لیے ضروری ہے کہ ذمہ دار افراد اس کے متروک الفاظ بدل دیں اور ایسے مقامات کی بھی تصحیح کریں جن کو پڑھنے کے بعد عام مسلمان کا

بنیادی عقیدہ متزلزل یا متاثر ہوتا ہے۔ جن مترجمین نے شاہ صاحب کے ترجمے سے اُردو ترجمے کیے ہیں انھوں نے وہی غلطیاں دہرائی ہیں جن مقامات پر شاہ صاحب کے ترجمے میں سہو پایا گیا ہے۔

۲۔ **شاہ عبدالقادر دہلوی** | شاہ عبدالقادر دہلوی (پ ۱۱۶۷ھ/۱۷۵۴ء) (م ۱۲۳۰ھ/۱۸۱۴ء) (۱۴) ابن شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، دہلی کے علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ شاہ عبدالقادر دہلوی، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی اور شاہ رفیع الدین دہلوی سے عمر میں چھوٹے تھے جبکہ شاہ عبدالغنی دہلوی (المتوفی ۱۲۲۷ھ/۱۸۱۱ء) (۱۵) سے عمر میں بڑے تھے۔ شاہ عبدالقادر دہلوی اپنے وقت کے جید عالم، محدث اور متقی و پرہیز گار تھے۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی اور تکمیل شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے کی جو خود اپنے وقت کے عالم باعمل اور محدث ہونے کے ساتھ ساتھ صاحب تصنیف بزرگ تھے جن کی شہرہ آفاق کتاب "تحفۂ اثناء عشریہ" آج بھی اتنی ہی مقبول ہے۔ آپ کی علمی خدمات کے باعث علماء نے آپ کو تیرھویں صدی کا مجدد بھی مانا ہے (۱۶)

شاہ عبدالقادر دہلوی تحصیل علم سے فارغ ہو کر اکبر آبادی مسجد کے حجرے میں قرآن و حدیث کا درس دیتے رہے۔ درس و تدریس کے بعد بھی زیادہ وقت عبادت یا مطالعہ میں صرف کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ سے زیادہ تصانیف یادگار نہیں ہیں۔ لیکن

۱۴؎ دائرہ معارف اسلامیہ جلد ۱۲ ص۔ ۹۲۵ دانش گاہ پنجاب لاہور ۱۹۷۳ء

۱۵؎ ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی، "تراجم علمائے حدیث ہند" جلد اول ص۔ ۶۳ جدید ترقی پریس دہلی ۱۳۵۱ھ

۱۶؎ مولانا یٰسین اختر مصباحی "امام احمد رضا اور ردّ بدعات و منکرات" ص۔ ۲۵۳ ادارہ تصنیفات امام احمد رضا کراچی ۱۹۸۵ء

اُردو زبان میں سب سے پہلا مکمل بامحاورہ ترجمہ اور مختصر حاشیہ/تفسیر موسوم بہ"موضح قرآن" ۱۲۰۵ھ میں لکھ کر جو اہم ترین خدمت انجام دی ہے اس کا کوئی نعم البدل نہیں۔

سرسید احمد خاں آپ کی علمی استعداد کے متعلق رقمطراز ہیں :۔

"آپ کے علم وفن کا بیان کرنا ایسا ہے کہ کوئی آفتاب کی تعریف فروغ فلک کی مدح بلندی کے ساتھ کرے" (۱۷)

شاہ عبدالقادر پر تصوّف کا رنگ غالب تھا اور گیارہ برس تک تصوّف اور سلوک میں شاہ عبدالعدل دہلوی نقشبندی کی خدمت میں رہے جبکہ اُردو ادب میں خواجہ میر درد سے استفادہ کیا (۱۸) آپ کے تلامذہ کی ایک طویل فہرست ہے جن میں چند معروف نام یہ ہیں ۔ علامہ فضل حق خیرآبادی (اسیر جزیرہ انڈمان) (المتوفی ۱۲۷۸ھ/۱۸۶۱ء) ، شیخ عبدالحئی (المتوفی ۱۲۴۲ھ/۱۸۲۸ء)، شاہ محمد اسحاق دہلوی (المتوفی ۱۲۶۲ھ/۱۸۴۵ء)، مرزا حسن علی شافعی (المتوفی ۱۲۵۵ھ/۱۸۳۹ء)، شاہ احمد سعید، شاہ اسمٰعیل دہلوی (المتوفی ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) اور مولانا صدر الدین آزردہ وغیرہ [۱۹]

۱۷؎ سرسید احمد خان علیگڑھی "تذکرہ اہل دہلی" ص ۔ ۷۵

۱۸؎ ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین "قرآن حکیم کے اُردو تراجم" ص ۔ ۳۸۴ ، قدیمی کتب خانہ کراچی ۱۹۸۸ء

۱۹؎ حکیم محمود احمد برکاتی "شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان" ص ۔ ۱۶۵ ، مجلس اشاعت اسلام لاہور

شاہ ولی اللہ دہلوی کے خاندان میں جہاں چاروں صاحبزادوں[1] نے شہرت حاصل کی وہیں شاہ عبدالغنی دہلوی کے صاحبزادے اور شاہ عبدالقادر دہلوی کے بھتیجے شاہ محمد اسمٰعیل دہلوی جن کو تاریخ میں "اسمٰعیل شہید"، کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اپنی مشہور زمانہ گمراہ کن تصنیف "تقویت الایمان[2]"، کے باعث پاک و ہند میں بہت مشہور ہوئے۔

شاہ اسمٰعیل دہلوی کی کتاب "تقویت الایمان"، جب پہلی بار ہندوستان سے شائع ہوئی تو اس پر خود ان کے چچاؤں کی طرف سے اور دوسرے اہل خانہ کی جانب سے صدائے احتجاج بلند ہوئی اور اس کتاب کی سخت مخالفت کی گئی چنانچہ شاہ

---

[1] نوٹ:۔ مولوی حکیم محمود احمد برکاتی ابن مولنا حکیم سید برکات احمد ٹونکی (المتوفی ۱۳۴۷ھ/۱۹۲۸ء) کئی تاریخی حوالوں سے شاہ ولی اللہ کے فرزندوں کی تعداد ۵ بتاتے ہیں اور سب سے بڑے فرزند شاہ محمد دہلوی تھے جو شاہ ولی اللہ کی پہلی بیوی کے بطن سے تھے۔ شاہ صاحب کا پہلا عقد ۱۴ سال کی عمر میں آپ کے ماموں شیخ عبیداللہ پھلتی کی صاحبزادی فاطمہ سے ہوا تھا۔ شاہ محمد دہلوی عمر میں شاہ عبدالعزیز سے کافی بڑے تھے مگر آپ پر جذب کی کیفیت طاری رہتی۔ آپ کا وصال ۱۲۰۸ھ بتایا جاتا ہے۔

(شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان ص۔ ۱۴۴، ۱۴۹)

[2] نوٹ:۔ مولنا احمد رضا نے اس کتاب سے متعلق جن خیالات کا اظہار کیا وہ ملاحظہ کیجیے:

"تقویۃ الایمان ایک گمراہی اور بے دینی کی کتاب ہے علمائے حرمین شریفین نے اس گروہ کو گمراہ بے دین لکھا ہے اور فرمایا ہے اولٰئک حزب الشیطٰن الا ان حزب الشیطان ھم الخسرون ہ یہ لوگ شیطان کے گروہ ہیں خبردار رہو شیطان ہی کے گروہ نقصان میں ہیں۔ اس کتاب اور اس کے مصنف کے کلمات کفرہ کو کبۂ شہابیہ"، میں بطور نمونہ ۷۰ کے قریب بیان کیے ہیں"۔

(فتاویٰ رضویہ جلد ۹ ص ۲)

عبدالعزیز محدث دہلوی نے جو اس وقت حیات تھے فرمایا" میں نے ابھی اسے دیکھا ہے اس میں عقائد صحیح نہیں بلکہ بے ادبی اور بے نصیبی سے بھری ہوئی ہے۔ میں آج کل بیمار ہوں اگر صحت ہو گئی تو میں اس کی تردید لکھنے کا ارادہ رکھتا ہوں"۔ (۲۰)

شاہ عبدالقادر دہلوی نے "تقویت الایمان" کی اشاعت کے بعد مولوی عبدالیعقوب کی معرفت شاہ محمد اسمٰعیل دہلوی سے کہلوایا تھا کہ تم رفع یدین چھوڑ دو اس پر شاہ محمد اسمٰعیل دہلوی نے اپنے چچا سے سوال کیا کہ چچا اس حدیث کے کیا معنی" **من تمسك بسنتی عند فساد امتی فله اجر مائة شهيد**" شاہ صاحب نے جواب دیا ہم تو سمجھتے تھے کہ اسمٰعیل عالم ہو گیا مگر وہ تو حدیث کے معنی بھی نہیں سمجھتا (۲۱)

شاہ مخصوص اللہ ابن شاہ رفیع الدین الدہلوی (المتوفی ۱۲۷۳ھ/۱۸۶۵ء) نے شاہ اسمٰعیل دہلوی کے عقائد اور غیر مقلدانہ معاملات کا عالمانہ جواب اور تقویۃ الایمان کا رد "معید الایمان" اور "الحجۃ العمل فی الابطال الجمل" لکھ کر خاندان دہلوی کے عقائد کا دفاع کرتے ہوئے اس کتاب سے لاتعلقی کا اظہار بھی کیا۔ (۲۲)

شاہ اسمٰعیل دہلوی کی کتاب تقویت الایمان کی اشاعت کے فوراً بعد ردِ عمل کے طور پر آپ کے افراد خاندان کے علاوہ اس وقت کے مشاہیر علماء کی طرف سے بھی متعدد کتابیں رد میں لکھی گئیں جن میں ایک مشہور تصنیف علامہ فضل حق خیر آبادی کی "تحقیق

۲۰ے فضل احمد قاضی" انوار آفتاب صداقت"، جلد اوّل، ص ۔ ۵۱۶، مطبوعہ انڈیا

۲۱ے مولوی اشرف علی تھانوی" بوادر النوادر" ص ۔ ۴۶۹ مطبوعہ دیوبند انڈیا

۲۲ے سیّد محمد اشرف حسن کچھوچھوی" محضر جہانگیر" حصہ اول ص ۔ ۱۴ مطبوعہ انڈیا

الفتویٰ فی البطال التقویٰ،، بھی ہے (۲۳)۔ علامہ فضل حق خیر آبادی جن کا تعلق ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے ہے ان کی ایک اور مشہور تصنیف "الثورۃ الہندیہ،، (۲۴) بھی ہے جس کو بجا طور پر ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کی ڈائری کہا جا سکتا ہے۔ اس کتاب میں جنگ آزادی کے ان کوائف کا ذکر ہے جن سے یا تو آپ دوچار ہوئے یا آپ کے مشاہدہ میں آئے۔ یہ تصنیف عربی زبان میں ہے جس کا اُردو ترجمہ بھی شائع ہو گیا ہے۔

شاہ صاحب کا ترجمہ قرآن تاریخ کی روشنی میں

شاہ صاحب کو اُردو ترجمۂ قرآن سے بڑی شہرت حاصل ہوئی جو آپ نے کئی سالوں کی محنت کے بعد ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء میں مکمل کر لیا تھا۔ ترجمہ کے ساتھ آپ نے کچھ فوائد کا بھی اضافہ فرمایا جو تاریخ میں "موضح قرآن" کے نام سے موسوم ہے اور یہ تاریخی نام بھی ہے جس کے ۱۲۰۵ اعداد بنتے ہیں۔ شاہ صاحب کا ترجمۂ قرآن اُردو زبان کا انتہائی شہرت یافتہ ترجمۂ قرآن ہے جو مسلسل ۲۰۰ سال سے شائع ہو رہا ہے لیکن مؤرخین حضرات شاہ رفیع الدین کے ترجمہ کی طرح شاہ عبدالقادر کے ترجمۂ قرآن کو بھی تحریفات سے اصلاح شدہ قرار دیتے ہیں اور ابھی بھی غالباً محققین حضرات موجودہ ایڈیشنوں سے مطمئن نظر نہیں آتے ہیں یہاں صرف دو رائے پیش کر رہا ہوں جنھوں نے اپنے طور اس بات کی کوشش کی ہے کہ وہ اس میں کی گئی تحریفات کا کھوج لگائیں لیکن یہ عجیب اتفاق

۲۳۔ علامہ محمد فضل حق خیر آبادی "تحقیق الفتویٰ فی البطال التقویٰ،، ص۔ ۴۳۷
شاہ عبدالحق محدث دہلوی اکیڈمی، سرگودھا ۱۹۷۹ء

۲۴۔ ایضاً "الثورۃ الہندیہ،، صفحات ۲۲۸ مکتبہ قادریہ لاہور ۱۳۹۴ھ

ہے کہ شاہ ولی اللہ کی کتابوں میں جن حضرات نے تحریفات کی کوششیں کی تھیں ف۱ وہی گروہ ان دونوں برادران کی ترجمۂ قرآن میں بھی اس بات کا کوشاں رہا کہ اس میں ردّ و بدل کر دیا جائے وہ کہاں تک کامیاب ہوئے محققین کی رائے سنئے:

حکیم محمود احمد برکاتی ابن حکیم مولوی سیّد برکات احمد ٹونکی (م ۱۳۴۷ھ / ۱۹۲۷ء) (۲۵) نے اپنی تالیف "شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان" میں شاہ ولی اللہ دہلوی کی کتب میں تحریفات کے ساتھ ساتھ شاہ برادران کی کتب اور ترجمۂ قرآن بھی پبلشروں کی جانب سے تحریفات کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ یہاں صرف شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر دہلوی کے ترجمۂ قرآن میں تحریف کا ذکر کیا جا رہا ہے چنانچہ آپ صفحہ ۵۸ پر لکھتے ہیں۔

"شاہ رفیع الدین نے بھی اُردو، فارسی اور عربی میں متعدد رسائل و کُتب تالیف فرمائی مگر ان میں سے متعدد ابھی تک مخلوط صورت میں برصغیر کے صرف دو ایک کتب خانوں میں پائے جاتے ہیں۔ کئی رسائل و کتب کا نام کے سوا کوئی نشان نہیں ملتا۔

---

۲۵ حکیم محمود احمد برکاتی "مولانا سید برکات احمد، سیرت و علوم) ص ۔ ۹۷ برکات اکیڈمی کراچی ۱۹۹۳ء

ف۱ :۔ شاہ برادران کے والد ماجد شاہ ولی اللہ دہلوی کی اکثر کتابوں میں تحریفات کا گمان ہوتا
(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ)
ہے اور یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ اکثر تصانیف بعض علماء نے اپنی جانب سے لکھ کر شاہ صاحب یا ان کے باکمال فرزندوں سے منسوب کردیتے ہیں۔ اس حقیقت کا انکشاف فاضل مولف مولانا حکیم محمود احمد برکاتی اپنی کتاب "شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان" میں تفصیل سے کرتے ہیں چنانچہ صفحہ ۵۷ پر رقمطراز ہیں :۔

"جو معاملہ شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کی تالیفات کے ساتھ ہوا وہ اپنی نظیر آپ ہے، کہا جا سکتا ہے کہ سقوط دہلی ۱۸۵۷ء کے اثرات کو اس میں دخل ہو گا مگر یہ بات اس لیے قرین صحت نہیں کہ ان حضرات کی تالیفات کی کم یابی و نایابی اور ان میں تحریفات کا سلسلہ تو سقوط دہلی سے پہلے ہی شروع ہو چکا تھا ۱۸۳۴ء میں سید عبداللہ بن بہادر علی نے مطبع احمدی ہوگلی سے الفوز الکبیر شائع کی تو انہیں اس کتاب کا صرف ایک نسخہ ملا تھا جو اس بات کا ثبوت ہے کہ سقوط دہلی سے ۲۲ سال قبل شاہ صاحب کی کتابیں کم یاب تھیں"

آگے چل کر صفحہ ۵۸ پر مزید انکشاف کرتے ہیں :۔

"شاہ صاحب کی کتابوں کی نایابی کا یہ عالم ہے کہ تقریباً ۱۲ رسائل و کتب ایسے ہیں جن کے صرف ناموں ہی کی حد تک دنیا ان سے واقف ہے مثلاً شفا القلوب، عوارف، نہایت الاصول، الانوار المحمدیہ، اسرار فقہ، کشف الانوار وغیرہ وغیرہ"

مزید اسی صفحہ پر لکھتے ہیں :۔

"شاہ صاحب کی مصنفات کو نایاب کرکے دوسرا قدم یہ اٹھایا گیا کہ اپنے مصنفات

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ)

کو شاہ صاحب کی طرف منسوب کر دیا اور اپنے نظریات کی تبلیغ شاہ صاحب کے نام سے کی گئی مثلاً

۱۔ البلاغ المبین پہلی بار ۱۳۰۷ھ مطبع محمدی لاہور سے ایک اہل حدیث عالم مولانا فقیر اللہ نے شائع کی۔

۲۔ تحفۃ الموحدین سب سے پہلے ایک اہل حدیث بزرگ حاجی عبد الغفار دہلوی نے شائع کی۔

۳۔ قول سدید کے نام سے بھی ایک رسالہ شاہ صاحب کے نام سے شائع ہوا جس میں عدم تقلید کی تلقین و تائید کی گئی ہے، ظاہر ہے کہ یہ بھی اہل حدیث حضرات نے شائع کیا ہوگا۔ (حکیم محمود احمد برکاتی "شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان" ص ۵۷۔۵۹ مجلس اشاعت اسلام لاہور۔

حال ہی میں ایک اور نایاب کتاب القول الجلی فی ذکر آثار ولی" تالیف شاہ محمد عاشق پھلتی (م ۱۱۸۷ھ) دریافت ہوئی ہے جو شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی مستند ترین سوانح حیات ہے جسے ۲۰۰ سال تک شائع کرنے سے اغماض برتا گیا اس کے منظر عام پر آنے سے سلسلہ ولی اللہ سے متعلق خودساختہ تاریخ کا رُخ تبدیل ہوگیا۔ رضا اکیڈمی لاہور نے اس کتاب سے متعلق دو گرانقدر مقالے شائع کئے ہیں یہ مقالے مولانا زید ابوالحسن فاروقی مجددی اور حکیم سید محمود احمد برکاتی نبیرہ سید برکات احمد ٹونکی (م ۱۳۴۷ھ) نے تحریر کئے ہیں۔ مولانا محمد عبد الحکیم شرف قادری نے ان دونوں مقالات پر مقدمہ تحریر فرمایا جس میں وہ "القول الجلی" سے آگاہ کرتے ہیں۔

(بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ہے مگر عبدالرحیم ضیاء جو اسی خاندان کے خدام میں سے ہیں، کا بیان

(پچھلے صفحہ کا حاشیہ)

"القول الجلی، کا ایک نسخہ بصورت مخطوط خانقاہ کاکوری لکھنؤ میں موجود تھا مولانا تقی انور علی نے اس کا اردو ترجمہ کر کے ۱۹۸۸ء میں شائع کیا جس پر محقق عصر حضرت مولانا زید ابوالحسن فاروقی مجددی فرزند شاہ ابوالخیر دہلوی (م ۱۳۴۴ھ) سجادہ نشین خانقاہ میرزا مظہر جانجاناں شہید (دہلی) نے مبسوط مقدمہ لکھا اور خاص خاص مقامات کی نشاندہی کی۔ چونکہ اس کتاب سے شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے بارے میں قائم کئے ہوئے بہت سے نظریات کی نفی ہوتی ہے اس لیے ممکن تھا کہ مترجم پر حسب منشا تغیر و تبدل کا الزام عائد کیا جاتا۔ مولانا زید ابوالحسن فاروقی نے ۱۹۸۹ میں فارسی مخطوطے کا عکس بھی شائع کر دیا۔ حکیم محمود احمد برکاتی نے بھی اس سلسلے میں ایک پر مغز مقالہ تحریر فرمایا ہے"

مولانا شرف صاحب مزید رقمطراز ہیں۔

"ایک محقق فاضل نے القول الجلی کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہ دہلوی کے معمولات وہی تھے جنہیں آج عرف عام میں بریلویت کہا جاتا ہے۔ تب یہ عقدہ کھلا کہ ایک طبقہ ان سے ناخوش کیوں ہے اور ایک طبقے نے ان کی طرف جعلی کتابیں منسوب کرنے کی ضرورت کیوں محسوس کی" (عبدالحکیم شرف قادری "القول الجلی کی بازیافت" ص ۷-۸ رضا اکیڈمی لاہور ۱۴۱۱ھ

ہے کہ ترجمۂ قرآن تحت لفظی بعض کہتے ہیں کہ آپ نے شروع کیا تھا مگر نامتام رہا دوسروں نے تمام کر کے آپ کے نام سے شہرت دی۔" (۲۶)

حکیم برکاتی صاحب شاہ عبدالقادر دہلوی کے ترجمۂ قرآن سے متعلق انکشاف فرماتے ہیں۔

"اسی طرح شاہ صاحب کے تیسرے فرزند شاہ عبدالقادر دہلوی جنہوں نے اُردو زبان میں قرآن پاک کا ترجمہ کیا تھا اس کا سب سے پہلا ایڈیشن سید عبداللہ ہوگلی مطبع احمدی سے ۱۸۲۸ء میں شائع کیا تھا مگر یہ ترجمہ "موضح القرآن"، کے نام سے اور اضافات کے ساتھ ۷/۔۸۔۱۳۰۸ھ میں دہلی سے شائع کیا گیا۔ مشہور اہل حدیث عالم میاں نذیر حسین دہلوی کے داماد سید شاہ جہان نے اس پر تقریظ لکھی تھی اور اس کے ملنے کا پتہ بھی "مدرسہ میاں نذیر حسین" تھا۔ مولوی سید احمد ولی اللہ نے "انفاس العارفین"، کے صفحہ آخر پر جن جعلی کتابوں کی نشاندہی کی تھی ان میں "تحفۃ الموحدین"، "البلاغ المبین"، وغیرہ کے ساتھ تفسیر "موضح القرآن"، مطبوعہ خادم الاسلام دہلی منسوب بر طرف مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی مرحوم بھی تھی (۲۷)

حکیم برکاتی صاحب کی تحقیق کے مطابق شاہ رفیع الدین کا ترجمۂ قران جو تحت اللفظی

۲۶؎ حکیم محمود احمد برکاتی "شاہ ولی اللہ اور ان کا خاندان" ص ۸۰ مجلس اشاعت اسلام لاہور (بحوالہ مقالات طریقت ص ۱۸)

۲۷؎ ایضاً ص ۵۹۔

ہے وہ مکمل آپ کا ترجمہ نہیں ہے بلکہ آپ نے شروع ضرور کیا تھا لیکن تکمیل بعد میں دوسروں نے کی تھی مگر آپ کی طرف منسوب کر دیا گیا ایسے ہی شاہ عبدالقادر دہلوی کے ترجمہ پر تفسیر سے متعلق خدشہ کا اظہار کر رہے ہیں کہ یہ فوائد آپ کی طرف منسوب ہیں۔ حکیم برکاتی صاحب اس سلسلے میں ٹھوس دلائل نہیں دے سکے۔ شاہ رفیع الدین کے ترجمہ سے متعلق راقم بتا چکا ہے کہ یہ ترجمہ کس طرح وجود میں آیا اور شاہ عبدالقادر کے ترجمہ اور تفسیر سے متعلق اتنی کثیر تعداد میں اقوال ملتے ہیں کہ ان سب کو رد نہیں کیا جاسکتا ہاں یہ ممکن ہے کہ بعد میں تحریفات کی گئی ہوں جو عموماً پبلشرز اپنے مفاد کی خاطر کرتے رہتے ہیں۔ شاہ صاحب کے ترجمہ سے متعلق ایک اور تجزیہ ملاحظہ کیجئے۔

مولوی اخلاق حسین دہلوی موضح قرآن میں شاہ عبدالقادر دہلوی کے ترجمۂ قرآن میں اصلاح و ترمیم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔ (۲۸)

حضرت شاہ صاحب کے ترجمہ کا پہلا مطبوعہ ایڈیشن باوجود کوشش کے ابھی تک دستیاب نہیں ہوسکا۔

شاہ صاحب کا پہلا ایڈیشن سید عبداللہ لاہوری والا موجود ہے جسے ہم جزوی طور پر اصلاح شدہ قرار دیتے ہیں۔ یہ ۱۲۴۵ھ میں طبع ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اصلی غیر اصلاح شدہ ترجمہ جو سید احمد علی صاحب کے پاس تھا وہ اس کے بعد چند سال کے اندر ہی طبع ہوا۔

اس وقت تک موضح قرآن کے جو قدیم سے قدیم نسخے ہمیں دستیاب ہوئے ہیں

۲۸؎ مولوی اخلاق حسین قاسمی دہلوی، محاسن موضح قرآن، ص ۸۲ - ۸۳ ذون النورین اکاڈمی سرگودھا ۱۴۰۳ھ

ان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ سید عبداللہ والے نسخے کو عام طور پر اہل علم نے قبول نہیں کیا بلکہ سید احمد علی صاحب والے مسودہ کو چھپوا کر شائع کرایا گیا اور پھر اسی کے مطابق دوسرے ایڈیشن چھپنے شروع ہوئے۔

مولوی اخلاق حسین دہلوی آگے چل کر سید عبداللہ والے ایڈیشن کی حقیقت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں (۲۹)

"سید عبداللہ کا نسخہ راقم کے پاس کرم خردہ حالت میں ہے اور مولانا حضرت شاہ ابوالحسن فاروقی مجددی کے کتب خانے میں بالکل صحیح حالت میں موجود ہے اس نسخہ کا بالاستعاب مطالعہ کرنے سے چند باتیں سامنے آتی ہیں۔

تمام مؤرخین نے اسی نسخہ کو موضح قرآن کا پہلا مطبوعہ ایڈیشن قرار دیا ہے اور مجموعی حیثیت سے بلاشبہ یہ شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا "موضح قرآن" ہے۔

اس نسخہ میں دس گیارہ جگہ ترجمہ کے اندر لفظی رد و بدل کیا گیا ہے کہیں محاورہ بدلا گیا ہے اور کہیں ہندی الفاظ کو عربی فارسی میں تبدیل کیا گیا ہے۔

ترجمہ اور حواشی پر جو اصلاحات اور اضافے کئے گئے ہیں وہ لفظی ردّو بدل اور الفاظ کی تشریح کی حد تک ہیں"

مولوی اخلاق آگے چل کر سید عبداللہ کی اصلاحات پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :۔ (۳۰)

"حاصل شدہ قدیم و جدید نسخوں کو سامنے رکھ کر ہم نے سید عبداللہ والے نسخہ کا جائزہ لیا اور جن محاوروں اور جن الفاظ کو عبداللہ صاحب

۲۹؎ ایضاً ص ۸۴ ۔ ۸۵

۳۰؎ ایضاً ص ۸۶

نے جزوی طور پر بدلا ہے شاہ صاحب کے اصلی الفاظ و محاورات سے اس کا موازنہ کیا اس سلسلے میں ایک مثال یہاں پیش کی جاتی ہے۔

مثال سورۃ الانعام آیت (۷۸)	(اصلی ترجمہ)	(عبداللہ ایڈیشن)
فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا	پھر جب دیکھا چاند چمکتا	پھر جب دیکھا چاند چلکتا
فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً	پھر جب دیکھا سورج جھلکتا	پھر جب دیکھا سورج چلکتا

یعنی سید عبداللہ والے ایڈیشن میں دونوں جگہ چلکتا لکھا ہے۔

شاہ عبدالقادر دہلوی کے ترجمۂ قرآن کا مخطوطہ

دونوں مؤرخین شاہ صاحب کے ترجمۂ قرآن میں لفظی ردوبدل کا اقرار کر رہے ہیں۔ مولوی اخلاق حسین دہلوی نے صرف ۱۱ مقامات پر یہ تبدیلی محسوس کی اور مولوی حکیم برکاتی حاشیہ کو منسوب شدہ مانتے ہیں مگر اس سے شاہ صاحب کے ترجمہ پر بہت زیادہ اثر نہیں پڑتا ہاں اگر دونوں حضرات کو اصل مسودہ یا مخطوطہ حاصل ہو جاتا تو پھر ساری ہمت ختم ہو جاتی۔ الغرض شاہ برادران کے ترجمۂ قرآن کے پہلے ایڈیشن میسر نہیں اور جو بعد کے ایڈیشن ملتے ہیں وہ اصلاح شدہ قرار دیے جاتے ہیں اس لحاظ سے یہ تراجم اس وقت تک قابلِ اعتماد قرار نہیں دیے جا سکتے جب تک پہلا ایڈیشن یا اصل مخطوطہ دستیاب نہ ہو۔ خوش قسمتی سے راقم کو تحقیق کے دوران شاہ عبدالقادر دہلوی کے اُردو ترجمۂ قرآن کا مخطوطہ حاصل ہو گیا۔ یہ مخطوطہ استاد محترم پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب کی ذاتی لائبریری سے برآمد ہوا۔ پروفیسر صاحب کا غالباً جب ۱۹۸۸ میں ٹھٹھہ گورنمنٹ کالج سے سکھر کے کالج میں تبادلہ ہوا تو پروفیسر

صاحب نے اپنی بہت سی کتب امانتاً راقم کے گھر پر رکھوا دی تھیں ان میں کئی قدیم مخطوطات بھی تھے جن میں چند انتہائی مخدوش اور بوسیدہ حالت میں تھے ان ہی میں شاہ صاحب کا ترجمۂ قرآن کا مخطوطہ بھی تھا جس کو دیکھ کر طبیعت کو مسرت حاصل ہوئی لیکن رکھے رکھے مخطوطہ پتھر کی طرح سخت ہو رہا تھا فقیر دوسرے ہی دن تمام مخطوطات کو جامعہ کراچی کی لائبریری لے گیا انھوں نے تمام مخطوطات کی صفائی کی یہاں تک کہ ایک ایک ورق الگ ہوگیا۔ لائبریری کے شعبۂ مخطوطات نے ان سب کی مائیکرو فلم بنالی اور اس سے فقیر نے فوٹو کاپی بنوالی جو ذاتی کتب خانے میں موجود ہے۔

پروفیسر صاحب نے اس ترجمۂ قرآن کے مخطوطے سے متعلق جو کچھ بتایا وہ یہاں رقم کیا جارہا ہے آپ نے فرمایا:۔

"یہ نسخہ حضرت والد ماجد مفتی اعظم دہلی حضرت مفتی محمد مظہر اللہ دہلوی نقشبندی علیہ الرحمہ کی لائبریری کی زینت تھا۔ فقیر جب پاکستان ہجرت کرنے لگا تو والد ماجد کی اجازت سے جہاں اور کتابیں اور مخطوطات لانے کی اجازت دی وہیں یہ ترجمۂ قرآن کا نسخہ بھی ساتھ لانے کی اجازت عطا فرمائی چنانچہ ۱۹۴۸ سے یہ نسخہ میری ذاتی لائبریری میں رہا۔ فقیر نے تمام مخطوطات کی بھرپور دیکھ بھال رکھی مگر بار بار تبادلے کی وجہ سے کتابوں کی دیکھ بھال پر اثر پڑا اور کچھ مخطوطات دیمک کی وجہ سے جزوی خراب بھی ہوگئے مگر اکثریت کافی بہتر حالت میں ہیں۔ شاہ صاحب کا ترجمۂ قرآن بھی کافی حد تک دیمک سے محفوظ رہا پھر بھی جگہ جگہ سے خراب ہوگیا ہے"۔

اب چند معلومات شاہ صاحب کے ترجمۂ قرآن کے مخطوطے سے متعلق تحریر کی جا

رہی ہیں ملاحظہ کیجئے۔

— و مخطوطے کے کاغذ کا سائز ۷″ × ۱۱″ ہے اور متن کا حوض ۴″ × ۷½″ ہے۔

— و حوض لال اور کالی لائنوں سے بنایا گیا ہے۔

— و ہر صفحہ پر ۱۱، ۱۱ لائنیں قرآنی متن کی کالی روشنائی سے لکھی گئی ہیں۔

— و ترجمہ سُرخ روشنائی سے لکھا گیا ہے اور آخری لائن کا ترجمہ حوض سے نیچے لکھا گیا ہے۔

— و یہ ترجمۂ قرآن الحمد سے لے کر سورہ زخرف کی ۱۹ ویں آیت تک کا ہے بقیہ سورہ ڈاکٹر صاحب کی یادداشت میں نہیں کہ ان سے تلف ہو گیا یا دہلی سے اتنا ہی لائے تھے۔

— و ٹائٹل صفحہ دستیاب نہیں ہے مخطوطہ سورۃ فاتحہ سے شروع ہو جاتا ہے۔

— و مخطوطے پر صفحہ نمبر نہیں ڈالے گئے تھے کیونکہ سورہ قصص کے بعد کوئی نمبر نہیں لکھا ہے البتہ شروع صفحہ سے سورہ قصص تک ۶۳۲ نمبر کسی مطالعہ کرنے والے نے اپنے قلم سے ڈالے ہیں۔

— و مخطوطہ جس نے کتابت کیا ہے اس کا نام بھی کہیں نہیں مل سکا۔

— و سورہ کا نام بھی سُرخ روشنائی سے لکھا گیا ہے مگر آیات پر نمبر نہیں ڈالے گئے بلکہ دائرہ بنا کر اس میں گولڈن رنگ بھر دیا گیا ہے۔

— و رکوع، ربع، نصف، ثلثہ بھی سرخ روشنائی سے لکھے ہیں۔

— و پارہ کا نام یا نمبر، اسی طرح سورہ کا نام اور نمبر حوض کے اوپر جیسا کہ قاعدہ ہے نہیں لکھا گیا ہے۔

— و حاشیہ موضح قرآن کالی روشنائی سے لکھا گیا ہے۔

ــــ ٹائیٹل صفحہ محفوظ نہ ہونے کے باعث کتابت کا بھی اندازہ نہیں کیا جاسکتا کہ ۱۲۰۵ھ ہی ہے یا اس کے بعد کتابت کرایا گیا۔

ــــ سورہ فاتحہ اور سورہ بقرہ کے علاوہ دیگر سورتوں کے ساتھ بسم اللہ شریف کا ترجمہ نہیں لکھا گیا ہے۔

ــــ مخطوطے میں 'ھ' کا استعمال قطعی نہیں ہے اور تھا کو تہا لکھا گیا ہے اسی طرح

ــــ 'ے' کا استعمال بھی نہیں اس جگہ 'ی' استعمال ہوئی ہے گ کی بجائے ک اور 'ہیں' کی بجائے ہین لکھا گیا ہے۔ ان کو اون سے کو سی لکھا گیا ہے۔

راقم نے اس مخطوطے کے ۲۵ پاروں کا بالاستیعاب تو نہیں مگر کئی مقامات سے تاج کمپنی لیمیٹڈ سے شائع شدہ ترجمۂ قرآن کا تقابل کیا تو دونوں کو سوائے املے کے واضح فرق کے ایک ہی پایا کیونکہ نفس مضمون میں کوئی فرق نہیں ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ شاہ صاحب کے ترجمے سے متعلق جتنی بھی بحث ہے وہ اب ختم ہو جانی چاہیے کیونکہ اب اصل مخطوطہ سامنے ہے اور بہتر حالت میں ہے۔ تاج کمپنی نے جس پرانے ایڈیشن کو سامنے رکھ کر شاہ صاحب کا ترجمۂ قرآن شائع کیا ہے ممکن ہے اس ایڈیشن میں بھی یہی املا استعمال ہوا ہو یا پھر تاج کمپنی نے ترجمہ شائع کرتے وقت جب اپنی کتابت کرائی ہو تو انھوں نے اپنے طور پر جدید املا میں کتابت کرائی ہو تاکہ پڑھنے والے کثیر تعداد میں اس سے بھرپور استفادہ کر سکیں اور یہ عموماً پبلشرز پرانی رسم الخط کتابوں کے ساتھ جدید ایڈیشن چھاپتے وقت عمل کرتے ہیں کیونکہ ان کا مقصد زیادہ سے زیادہ عوام تک ان کی زبان میں لٹریچر پہنچانا مقصود ہوتا ہے اس لیے میرے نزدیک شاہ صاحب کا مرجبہ ایڈیشن تقریباً وہی ہے جو اصل مخطوطہ ہے اس لیے اب اس میں تحریف، تنسیخ، اضافہ اور رد و بدل کے الزامات بے معنی سی چیز ہے جو کچھ بھی کہیں تبدیلی محسوس کی گئی وہ

املے کا فرق ہے۔ اب چند مقامات سے آیات کا ترجمہ شاہ صاحب کے مخطوطے سے ملاحظہ کیجیے۔ ساتھ ہی تاج کمپنی کا ترجمہ بھی لکھا جارہا ہے تاکہ دونوں کا تقابل بھی ہوجائے اور شاہ صاحب کا ترجمۂ قرآن بغیر کسی شک و شبہ کے مطالعہ کیا جاسکے۔

مخطوطے کی چند آیات

شاہ صاحب کے ترجمۂ قرآن میں جو املا لکھا گیا ہے اس کو سورہ فاتحہ میں ملاحظہ کیجیے۔

سورہ فاتحہ (مخطوطہ)	(تاج کمپنی کا ایڈیشن)
شروع اللہ کی نام سی جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ○ سب تعریف اللہ کو ہی جو صاحب ساری جہانسکا ○ بہت مہربان نہایت رحم والا ○ مالک انصاف کی دن کا ○ تجھی کو بندگی کریں اور تجھی سی مدد چاہیں ○ چلا ہمکو راہ سیدہی ○ راہ اونکی جن پر تو نہی فضل کیا ○ نہ جن پر غصہ ہوا، اور نہ بہکنی والی ○	شروع اللہ کے نام جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ○ سب تعریف اللہ کو ہے، جو صاحب سارے جہان کا ○ بہت مہربان نہایت رحم والا ○ مالک انصاف کے دن کا ○ تجھی کو ہم بندگی کریں، اور تجھی سے ہم مدد چاہیں ○ چلا ہم کو راہ سیدھی ○ راہ ان لوگوں کی، جن پر تو نے فضل کیا ○ نہ وہ جن پر غصہ ہوا اور نہ بہکنے والے ○
ف حاشیہ موضح قرآن	(ص ۲)
یہہ سورت اللہ صاحب نی بندون کی زبان سی فرمائی کہ اس طرح کہا کرین (منہ رح) (مخطوطہ ص: ۱	یہ سورت اللہ صاحب نے بندوں کی

زبان سے فرمائی کہ اس طرح کہا کریں۔

حاشیہ (ص ۲)

مخطوطے کا آخری صفحہ پر سورہ زخرف کی ۱۹ ویں آیت کا ترجمہ بھی ملاحظہ کریں ۔

وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِكَةَ...ؕ اَشَهِدُوا خَلْقَهُمْ ط

اور ٹہرایا فرشتوں کو جو بندی ہین رحمٰن کے عورت کیا دیکہتی تہی اونکا بنتا (مخطوطہ ص ۸۲۲)

اور ٹھہرایا فرشتوں کو جو بندے ہیں رحمٰن کے عورت، کیا دیکھتے تھے ان کا بننا ○ (ص ۸۱۰)

ان کے علاوہ چند اور آیات کا ترجمہ پیش کیا جا رہا ہے ملاحظہ کریں

— اللہ ہنسی کرتی ہی اونسی اور بڑھاتا ہی اونکو اونکی شرارت مین بہکی ہوی (سورہ بقرہ آیت: ۱۵ ص ۲)

اللہ ہنسی کرتا ہے ان سے، اور بڑھاتا ہے ان کو ان کی شرارت میں بہکے ہوئے (ص ۲)

— وہی ہی جسنی بنایا تمہاری واسطی جو کچھ زمین مین ہی سب، پہر چڑہ گیا آسمان کو تو ٹہیک کیا اونکو سات آسمان اور وہ ہر چیز سے واقف ہی ○ (سورہ البقرہ: ۲۸ ص ۴)

وہی ہے، جس نے بنایا تمہارے واسطے جو کچھ زمین میں ہے سب، پھر چڑھ گیا آسمان کو، تو ٹھیک کیا ان کو سات آسمان اور وہ ہر چیز سے واقف ہے۔ (ص ۸)

— اور فریب کیا اون کافروں نی اور فریب کیا اللہ نی اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے (سورہ آل عمران آیت ۵۴ ص ۸۵)

و اور فریب کیا ان کافروں نے، اور فریب کیا اللہ نے اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے۔ (ص ۹۰)

— اور ابھی معلوم نہیں کی اللہ نی، جو لڑنی والی ہین تم مین، اور معلوم کری ثابت رہنی والی۔ (آل عمران: ۱۴۲ ص ۱۰۱)

و اور ابھی معلوم نہیں کئے اللہ نے جو لڑنے والے ہیں تم میں، اور معلوم کرے ثابت رہنے والے ○ (ص ۱۰۹)

و منافق جوہین، دغا بازی کرتی ہین اللہ سے ور وہی اونکو دغا دیگا۔ (النسآء: ۱۴۲ص ۱۴۷)	و منافق جو ہیں، دغا بازی کرتے ہیں اللہ سے، اور وہی ان کو دغا دے گا۔ (ص ۱۶۴)
و اللہ نے اون سے ٹھٹھا کیا ہی، اور اون کو دکھہ کے مار ہی۔ (التوبۃ: ۷۹ص ۳۰۷)	و اللہ نے ان سے ٹھٹھا کیا ہے، اور ان کو دکھ کی مار ہے (ص ۳۲۶)
و لوگ بولی، قسم اللہ کی تو ہی اپنی اوسی غلطی مین قدیم کی (یوسف: ۹۵ص ۳۸۵)	و لوگ بولے قسم اللہ کی! تو ہے اپنی اسی غلطی میں قدیم کی ○ (ص ۴۰۵)
و یہاں تک کہ جب نا امید ہونی لگی رسول، اور خیال کرنی لگی کہ اون سی جہوٹہہ کہا تہا، پہنچی اونکو مدد ہماری: (یوسف: ۱۱۰ص ۳۸۸)	و یہاں تک کہ جب نا امید ہونے لگے رسول، اور خیال کرنے لگے کہ ان سے جھوٹ کہا تھا، پہنچی ان کو مدد ہماری...○ (ص ۴۰۸)
و پاک ذات ہی، جو لی گیا اپنی بندی کو راتی رات؛ ادب والی مسجد سے پرلی مسجد تک۔ (اسریٰ: ۱ص ۴۴۲)	و پاک ذات ہے جو لے گیا اپنے بندے کو راتی رات، ادب والی مسجد سے پرلی مسجد تک۔ (ص ۴۶۴)
و اور مچہلی والے کو جب چلا گیا غصہ سے لڑ کر پہر سمجہا کہ ہم نہ پکڑ سکین گے۔ (الانبیآء: ۸۷ص ۵۲۵)	و اور مچھلی والے کو، جب چلا گیا غصہ سے لڑ کر، پھر سمجھا کہ ہم نہ پکڑ سکیں گے (ص ۵۴۵)
و اور پایا تجہ کو بھٹکتا، پہر راہ دی ○ اور پایا تجہ کو مفلس پہر محفوظ کیا۔ (الضحیٰ ۷، ۸ص ...۱ تاج کمپنی لیٹڈ)	

شاہ صاحب کے ترجمۂ قرآن کے مطالعہ کے بعد ذہن میں بہت سارے سوالات ابھرتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیائے کرام علیہم الصلوۃ اجمعین کی ذات وصفات سے متعلق جو عقیدۂ اہلسنت ہے اور خود ان کے بڑے بھائی شاہ عبدالعزیزؒ اور والد شاہ ولی اللہ اور شاہ عبدالرحیم کا جو عقیدہ ہے وہ اس تراجم سے بہت زیادہ متاثر ہو رہا ہے اور یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ شاہ عبدالقادر نے ایسا ترجمہ کیوں کیا جس سے شان اولوہیت اور شان رسالت پر زک پہنچ رہی ہے۔ شاہ صاحب کا کیونکہ اس ترجمۂ قرآن کے علاوہ اور کوئی قلمی اور تحریری کام سامنے نہیں ہے اس لیے اس پر بہت زیادہ تبصرہ نہیں کیا جا سکتا البتہ آپ کے اسلاف کے عقائد کی روشنی میں یہ قیاس کیا جا سکتا ہے کہ شاہ صاحب کی نیت تو صاف ہے مگر جس زمانے میں ترجمہ کیا اس وقت الفاظ اور مترادفات کا بڑا ذخیرہ اردو زبان میں مروج نہیں تھا جس کے باعث اس قسم کا ترجمہ ممکن ہوا لیکن آج کا پڑھنے والا یقیناً تذبذب کا شکار ہوگا اور ممکن ہے وہ ترجمہ کی روشنی میں اس کو اپنا عقیدہ بنالے۔ یہاں اپنی رائے سے قبل مولنا احمد رضا کا شاہ صاحب کے ترجمۂ قرآن پر تبصرہ پیش کر رہا ہوں جو آپ نے ایک استفسار پر لکھا تھا۔ یہ استفسار لاہور سے مولوی حکیم غلام محی الدین لاہوری نے بھیجا تھا اعلیٰ حضرت نے شاہ صاحب کے ترجمۂ قرآن پر تبصرہ کرتے ہوئے جو کلمات قلمبند کیے وہ ملاحظہ کیجیے:

"فقیر کی رائے قاصر یہ ہے کہ مولنا شاہ عبدالقادر صاحب کا ترجمہ پیش نظر رکھا جائے اور اس میں چار تبدیلیاں ملحوظ رہیں۔

۱۔ وہ الفاظ کہ متروک یا نامانوس ہوگئے، فصیح وسلیس ورائج الفاظ سے بدل دیے جائیں۔

۲۔ مطلب اصح جس کے مطالعہ کو جلالین کہ اصح الاقوال پر اقتصار کا جن کو التزام ہے، ہاتھ سے نہ جائے۔

۳۔ اصل معنی لفظ اور محاورات عرفیہ دونوں کے لحاظ سے ہر مقام پر اس کے کمال پاس رہے مثلاً غیرالمغضوب علیھم، کا یہ ترجمہ کہ جن پر غصہ ہوا، یا دتو نے غصہ کیا، فقیر کو سخت ناگوار ہے۔ غصہ کے اصل معنی اُچھوں کے ہیں۔ یعنی کھانے کا گلے میں پھنسنا۔ جیسے، طعام ماذا غصہ، فرمایا۔ اس سے استفادہ کرکے ایسے غضب پر اس کا اطلاق ہوتا ہے جسے آدمی کسی خوف یا لحاظ سے ظاہر نہ کر سکے۔ گویا دل کا جوش گلے میں پھنس کر رہ گیا۔ عوام کہ دقائق کلام سے آگاہ نہیں، فرق نہ کریں، مگر اصل حقیقت یہی ہے کہ علماء پر اس کا لحاظ لازم ہے۔ ترجمہ یوں ہوا، نہ ان کی جن پر تو نے غضب فرمایا، یا دجن پر تیرا غضب ہے، یا دجن پر غضب ہوا، یا دجو غضب میں ہیں، خیال کرنے سے ان کے ترجمے میں اس کی بہت سی نظائر معلوم ہو سکتی ہیں۔

۴۔ سب سے اہم و اعظم و اقدم و الزم مراعات و متشابہات ہیں، کہ ان میں ہمارے ائمہ کرام سے دو مذہب ہیں (اول) ہم نصوص پر ایمان لائیں، نہ تاویل کریں نہ اپنی رائے کو دخل دیں: امنا بہ کل من عند ربنا، معنی ہمیں معلوم ہی نہیں ان سے اگر قولہ تعالیٰ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ کا ترجمہ کرائیے تو وہ فرمائیں گے پھر استویٰ فرمایا آسمان کی طرف، اگر پوچھیے کہ استویٰ کے کیا معنی تو دلا ندری، سے جواب ملے گا۔

(دوم) تاویل کے متاخرین نے تفہیم جہال کے لیے اختیار کیا کہ کسی خوبصورت معنی کی طرف پھیر دیں جس کا ظاہر شان عزت پر محال نہ ہو اور طرف تجویز و تجارب میں لفظ کریم سے قرب بھی رکھتا ہو ان سے [illegible] ترجمہ کرائیے تو وہ کہیں گے "پھر آسمان

کی طرف قصد فرمایا، مگر یہ کہ تفویض چھوڑیں اور تاویل بھی نہ کریں بلکہ معنی ممال و ظاہر صریح ادا کرنے والا لفظ قائم کر دیں جیسے آیہ کریمہ مذکورہ (شاہ عبدالقادر کا ترجمۂ قرآن) کا ترجمہ "پھر چڑھ گیا آسمان کو"، کہ چڑھنا اور اُترنا شان عزت پر محال قطعی اور جہال کے لیے معاذ اللہ موہم بلکہ مصرح یہ جسمانیت ہے۔ یہ ہمارے آئمہ متقدمین کا دین نہ متاخرین کا مسلک۔ اس سے احتراز فرض قطعی ہے (۳۱)

مولنا احمد رضا کے تبصرہ کے بعد مزید اظہار خیال کی ضرورت تو نہیں رہتی لیکن شاہ صاحب کے ترجمے سے متعلق اتنا ضرور عرض کروں گا کہ یہ ترجمہ ان کے اسلاف کے عقائد سے ہٹ کر ہے کیونکہ شاہ عبدالقادر دہلوی کے والدِ محترم شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی کئی معرکتہ الارا تصنیفات آج بھی موجود ہیں ان کتب میں اس قسم کے نظریات کی عکاسی کہیں نہیں ملتی ہے کہ جس میں اللہ کو (معاذ اللہ) دغاباز بتایا جائے یا ٹھٹھا مارتا جیسا انسانی فعل جو غیر مہذب ہوتا ہے اس کو اللہ کی طرف منسوب کیا جائے۔ اسی طرح (رسول کے خیال میں) اللہ کا جھوٹ بولنا (معاذ اللہ) شاہ صاحب کی فکر کے بالکل خلاف ہے البتہ یہ نظریہ اور اس کی تائید کہ اللہ تعالیٰ نے جھوٹ بولا یا اللہ جھوٹ بول سکتا ہے یعنی امکان کذب پر خلیل احمد انبیٹھوی (۳۲) اور رشید احمد گنگوہی (۳۳) کی تحریریں ضرور ملتی ہیں جو انھوں نے اپنی کتابوں میں خود

۳۱ے مولنا امام احمد رضا" فتاویٰ رضویہ جلد ۱۱ ص ۳۴ - ۳۵ رضا اکیڈمی بمبئی ۱۹۹۴ء

۳۲ے مولوی خلیل احمد انبیٹھوی" براہین قاطعہ" ص ۔ ۴ مطبوعہ دیوبند انڈیا

۳۳ے مولوی رشید احمد گنگوہی" فتاویٰ رشیدیہ" (کامل) ص ۔ ۹۶ ، ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی ۱۹۸۸ء

تحریر کی ہیں اور پھر غیر ضروری تاویلات سے اس کا دفاع کیا ہے۔

اسی طرح شاہ ولی اللہ دہلوی اور شاہ عبدالعزیز دہلوی کی کتب میں کہیں اس قسم کی بات نہیں ملتی ہے جس میں انھوں نے نبی کو (معاذ اللہ) راہِ راست سے بھٹکتا ہوا خیال کیا ہو یا معاذ اللہ، اس کو اپنا جیسا گنہگار بندہ سمجھا ہو وغیرہ تو پھر کیسے ممکن ہے کہ ایسا گستاخانہ پہلو قرآن سے شاہ برادران استنباط کریں۔ یقیناً یہی وہ عقائد و نظریات ہیں جو بعد میں مخصوص گروہ نے شاہ برادران کے تراجم میں اصلاح کے بہانے اپنی طرف سے گھڑ کر شائع کرا دیے ہیں اور پھر خود ایسے ہی ترجمے وہ بھی پے در پے کر کے یہ بات ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ جو عقائد ولی اللہ خاندان کے ہیں وہی ہمارے بھی نظریات ہیں۔ لہٰذا ان تراجم پر نظر ثانی کرنے کی ضرورت ہے وہ اس لیے کہ شاہ برادران نے جس زمانے میں اُردو تراجم کیے ہیں وہ انتہائی قدیم زبان ہے جس وقت الفاظ کا ذخیرہ بھی محدود تھا اور زبان اپنے ارتقائی ماحول سے گزر رہی تھی اور شاہ برادران کے ہرگز یہ عقائد نہ تھے جو ترجمہ کی وجہ سے محسوس ہو رہے ہیں۔ کیونکہ شاہ عبدالرحیم محدّث دہلوی، فاروقی حنفی نقشبندی (المتوفی ۱۱۳۱ھ/۱۷۱۸ء) (۳۴) والد ماجد شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی وغیرہ کی تصنیفات میں اس قسم کے عقائد و نظریات کا دور دور شائبہ تک نہیں اور نہ مطالعہ کے دوران راقم کی نظر سے گزرے۔ محسوس یہ ہوتا ہے کہ شاہ برادران کے تراجم کو بنیاد بنا کر مخصوص گروہ نے اپنے عقائد کی پرچار شروع کر

۳۴؎ مولوی رحمان علی، "تذکرہ علمائے ہند"، ص ۔۲۹۶ (مترجم ڈاکٹر ایوب قادری) پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی

دی۔ چاہیے یہ تھا کہ جس طرح مولٰنا احمد رضا خان بریلوی نے شاہ صاحب کے ترجمے سے متعلق اظہار خیال کرتے ہوئے چند تبدیلیوں کی رائے دی تھی تاکہ عقائد اہلسنت متاثر نہ ہوں یہ حضرات بھی اس پر عمل کرتے لیکن ان کو موقعہ ملا اور پے درپے ترجمے بھی کیے اور اس میں وہی ترجمے کیے جو شاہ برادران کے ترجمے تھے تاکہ اس کو سند بنا سکیں یہ نازک مسئلہ یہاں زیر بحث نہیں لایا جاسکتا بس اتنا بتا دینا ضروری ہے کہ شاہ اسمعیل دہلوی کی کتاب "تقویت الایمان"، کی اشاعت کے بعد مسلمان ہند دو گروہ میں بٹ گئے (۳۵)

ایک نے اس کتاب میں تحریر شدہ غلط نظریات اور گستاخیوں کو درست اور بجا تسلیم کیا اور اس کے نتیجے میں وہابی یا دیوبندی گروہ پروان چڑھا۔ دوسرا گروہ اسی کتاب کے غلط نظریات کا رد کرتا رہا جس میں خود ان کے خاندان کے افراد بھی شامل تھے خصوصیات کے ساتھ شاہ مخصوص اللہ جنھوں نے اس کے رد میں "معید الایمان" کتاب بھی لکھی۔

۳۵ے عبید اللہ سندھی "شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک" ص۔ ۱۱۰،

مطبوعہ دین محمدی پریس، لاہور، ۱۹۴۲ء

ے نوٹ: مولوی سید انظر شاہ کشمیری استاد تفسیر دارالعلوم دیوبند نے اپنے ایک مضمون میں مسلک دیوبند کی تعریف اور تاریخ بیان کرتے ہوئے لکھا: "میرے نزدیک دیوبندیت خالص ولی اللہی فکر بھی نہیں اور نہ کسی خالص خانوادہ کی لگی بندھی فکر۔ اس لیے دیوبندیت کی ابتدا حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی سے کرنے کے بجائے میں دو عظیم انسان مولانا قاسم صاحب نانوتوی اور مولانا رشید احمد گنگوہی سے کرتا ہوں کیونکہ دیوبندیت کے امام تو صرف یہی دو امام وقت ہیں"

(ماہنامہ البلاغ ج ۲ شمارہ ۱۲ ص۔ ۴۸ دارالعلوم کراچی ۱۹۶۹ء)

شاہ صاحب کا ترجمۂ قرآن اُردو ادب کے مؤرخین کی نظر میں

شاہ صاحب کے ترجمۂ قرآن کو نظریات سے ہٹ کر دیکھا جائے تو یہ ترجمہ اردو ادب میں گراں قدر اضافہ تھا کیونکہ شاہ صاحب نے ترجمۂ قرآن میں سنسکرت، ہندی، عربی اور فارسی الفاظ استعمال کر کے اردو زبان کو ۲۰۰ سال قبل دوامی زندگی بخشی جو بعد کے مترجمین کے لیے بالخصوص اور عام اردو ادب کے لکھنے والوں کے لیے سنگِ میل ثابت ہوئی یہی وجہ ہے کہ اُردو ادب کے مؤرخین نے شاہ صاحب کے ترجمہ کو اردو ادب میں ایک اہم مقام عطا کیا ہے اور سب ہی نے اُردو زبان کی اس تحریر کی پذیرائی کی ہے۔ سرسید احمد خاں جو خود جدید اردو ادب کے ہیرو قرار پاتے ہیں اپنی منفرد اور تاریخی تصنیف "آثار الصنادید" میں شاہ صاحب کے ترجمۂ قرآن کو سراہتے ہوئے رقم طراز ہیں :

"شاہ عبدالقادر کا اُردو ترجمہ کلام اللہ کا اُردو لغات کے لیے ایک بڑی سند ہے۔" (۳۶)

بابائے اُردو مولوی عبدالحق شاہ صاحب کے ترجمۂ قرآن کو بہترین بامحاورہ ترجمہ قرار دیتے ہیں۔ آپ کا لکھا ہوا ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے :

"شاہ عبدالقادر کے ترجمے میں لفظوں کی اس قدر پابندی نہیں کی گئی ہے بلکہ وہ مفہوم کی صحت اور لفظ کے حُسن کو برقرار رکھنے کے علاوہ اردو زبان کے روزمرہ محاوروں کا بھی خیال رکھتے ہیں۔

۳۶؎ سرسید احمد خان "آثار الصنادید" ص ۳۶۲ - کیپٹل کو اپریٹو پرنٹنگ لاہور ۱۹۴۹ء

دوسری خوبی ان کے ترجمے میں ایجاز ہے۔شاہ صاحب کا ترجمہ دوسرے ترجموں کے مقابلے میں اس قدر بہتر اور افضل ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کے ہوتے ہوئے چند سال بعد دوسرے مترجموں کی ضرورت کیوں سمجھی گئی۔(۳۷)

اردو ادب کے ایک اور نامور مؤرخ ڈاکٹر جمیل جالبی (ستارۂ امتیاز) نے بھی شاہ صاحب کے ترجمہ کو اُردو لغت کا بڑا خزانہ قرار دیا اور ساتھ ہی لسانی نقطہ نظر سے بھی ایک اہم کارنامہ انجام دیا۔

چنانچہ شاہ عبدالقادر دہلوی کے ترجمۂ قرآن پر اُردو زبان کے حوالے سے اپنی تاریخی تصنیف "تاریخ اردو ادب میں سیر گفتگو کی ہے۔آپ رقمطراز ہیں :۔

"شاہ عبدالقادر کا ترجمۂ قرآن لفظی کے بجائے بامحاورہ ہے اور وہ ان کے جملے کی ساخت پر اردو جملے کا مزاج حاوی ہے۔ اس میں جگہ جگہ روزمرّہ محاوروں کا بھی اہتمام کیا گیا ہے اور ساتھ ساتھ عربی لفظ کے لیے عموماً اردو لفظ استعمال کیے گئے ہیں جس کی وجہ سے ترجمہ اردو/ہندی لُغت کا ایک بڑا خزانہ بن گیا ہے۔آپ نے وہی زبان استعمال کی ہے جو اس وقت عوام میں رائج تھی اور شاہ صاحب نے اس عوامی زبان و محاورہ کو قرآن جیسی کتاب میں استعمال کرکے ایک نئی رفعت بخشی ہے۔شاہ صاحب نے ترجمہ میں مروجہ اردو

---

۳۷ مولوی عبدالحق دہلوی ماہنامہ "اردو واشاعت" جنوری ۱۹۲۷ء بحوالہ قاموس الکتب ۱۹۶۱ انجمن ترقی اردو پاکستان

زبان کے الفاظ، مترادفات اور مرکبات استعمال کر کے ایسا بنیادی
کام کیا ہے جس میں ایک طرف دینی خدمت انجام دی اور دوسری
طرف اردو زبان میں اظہار کی غیر معمولی قوت پیدا ہوگئی اور یہ
ترجمہ لسانی نقطۂ نظر سے بھی ایک اہم کارنامہ ہے۔ (۳۸)

مولوی رحیم بخش دہلوی شاہ عبدالقادر دہلوی کے ترجمۂ قرآن میں محاورات
کے استعمال کو غلو کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے بشری کمزوریوں کو بھی بھول جاتے
ہیں اور بشری فعل کو معبود کے کلام کا قائم مقام تصور کرنے لگے ہیں۔ موضح قرآن
کی پذیرائی کرتے ہوئے "حیات ولی" میں یوں رقمطراز ہیں: ۔

"اگر اردو زبان میں قرآن مجید نازل ہوتا تو انہیں محاورات کے لباس
میں آراستہ ہوتا جن کی رعایت مولانا شاہ عبدالقادر دہلوی نے
اس ترجمہ میں پیش نظر رکھی۔" (۳۹)

مولوی عبدالحئی استاد تفسیر ناظم دینیات جامعہ ملیہ دہلی لکھتے ہیں:۔

"حضرت شاہ ولی اللہ کو یہ اولین فخر حاصل ہے کہ انہوں نے ہند
میں ترجمہ القرآن کی بنیاد رکھی اور مسلمانوں کو پھر اس چشمہ حیات
کی طرف لے آئے۔ اس کے بعد ان کے مایہ روزگار فرزند حضرت
شاہ عبدالقادر نے اس کو اُردو جامہ پہنا کر بقائے دوام کا زرین

---

۳۸ ۔ ڈاکٹر جمیل جالبی "تاریخ ادب اردو"، جلد دوم حصہ دوم ص ۱۰۵۵

۳۹ ۔ مولوی رحیم بخش دہلوی "حیات ولی"، ص ۔ ۲۵۲، بحوالہ تراجم علماء اہلحدیث جلد اول
ص ۔ ۶۴ جید برقی پریس دہلی ۔

تاج اپنے سر پر رکھا۔ آج سرزمین ہند میں جس قدر تراجم قرآن ملتے ہیں سب اسی "موضح قرآن" کے خوشہ چیں ہیں۔" (۴۰)

اس سے قبل کہ شاہ صاحب کے ترجمۂ قرآن کے ان نکات کو بیان کروں جن اُمور کے پیشِ نظر ترجمہ کیا گیا ہے ضروری سمجھتا ہوں کہ مولوی محمود الحسن دیو بندی نے جو ترجمۂ قرآن کے ساتھ ایک مقدمہ تحریر کیا ہے اس میں سے موضح قرآن سے متعلق ان کی رائے قلمبند کروں۔

"مولانا عبدالقادر کا یہ کمال ہے کہ با محاورہ ترجمہ کا پورا پابند ہو کر پھر نظم و ترتیب کلمات قرآنی اور معانی لغویہ کو اس حد تک نباہا ہے کہ زیادہ کہتے ہوئے تو ڈرتا ہوں مگر اتنا ضرور کہتا ہوں کہ ہم جیسوں کا ہرگز کام نہیں۔ اگر ہم ان کے کلام کی خوبیوں کو اور ان اغراض و اشارات کو جو ان کے سیدھے سادے مختصر الفاظ میں ہیں سمجھ جائیں تو ہم جیسوں کے فخر کے لیے یہ امر بھی کافی ہے۔" (۴۱)

آگے چل کر مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"شاہ صاحب ترتیب قرانی کا بہت خیال رکھتے ہیں . . . . . ترجمہ میں کوئی لفظ مختصر بڑھا بھی دیتے ہیں جس سے مطلب

۴۰ے مولوی عبدالحئی بحوالہ "قرآن کریم کے اردو تراجم" مولفہ ڈاکٹر صالحہ ص ۱۹۱۔

۴۱ے مولوی محمود حسن دیو بندی "مقدمہ موضح قرآن" ص۔ ۴ اور ۵۔ مدینہ بک ڈپو اردو بازار جامع مسجد دہلی

واضح ہو جائے ایسے ہی بعض الفاظ کو چھوڑ بھی جاتے ہیں اور ترجمے میں کبھی ایسا لفظ بھی لاتے ہیں جس کی وجہ سے اگر کسی قسم کا اجمال اور اشکال ہو تو زائل ہو جاتا ہے۔ بسا اوقات ایک لفظ کا ترجمہ ایک جگہ کچھ فرماتے ہیں اور دوسری جگہ کچھ جس سے قرآن کی غرض اور مراد سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔ اسی سہولت اور رعایت کی وجہ سے کبھی مضمون ایجابی کو عنوان سلبی میں ادا کرتے ہیں اور اکثر مواقع پر نفی اور استثناء کی جدا جدا ترجمہ نہیں کرتے بلکہ حصر جو اس سے مقصود ہوتا ہے اس کو مختصر ہلکے لفظوں میں محاوروں کے موافق بیان کر جاتے ہیں" (۴۲)

آخر میں شاہ عبدالقادر دہلوی نے ترجمۂ قرآن میں جن امور کو پیشِ نظر رکھا ان کو شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی نے دیباچہ موضح قرآن سے جمع کیا ہے۔ ملاحظہ کیجیے :۔

۱۔ ترجمہ لفظ بلفظ ضروری نہیں کیونکہ ترکیب ہندی ترکیب عربی سے بہت بعید ہے اگر بعینہ وہی ترکیب رہے تو معنی و مفہوم نہ ہوں۔

۲۔ اس میں زیادہ ریختہ نہیں بولی بلکہ ہندی کو متعارف کرایا تاکہ عوام کو بے تکلیف دریافت ہو۔

۳۔ ہر چند ہندوستانیوں کو معنی قرآن آسان ہوئے لیکن اب بھی استاد سے سند کرنا لازم ہے۔

---

۴۲ ۔ ایضاً ص ۴۔۵

۴۔ اوّل فقط ترجمۂ قرآن ہوا تھا بعد اس کے لوگوں نے خواہش کی تو بعض فوائد بھی متعلق تفسیر داخل کیے۔ (۴۳)

شاہ عبدالقادر دہلوی کے ترجمۂ قرآن پر ابھی آپ نے اردو ادب کے نقطۂ نظر سے کئی آرا پڑھیں، سر سید احمد خاں اس ترجمۂ کو اردو لُغت کے لیے سند قرار دے رہے ہیں (۴۴) بابائے اردو اس ترجمے کو محاوروں کا سب سے بہتر اور افضل قرار دے رہے ہیں (۴۵) ڈاکٹر جمیل جالبی اردو/ ہندی لغت کا بڑا خزانہ تسلیم کرتے ہیں اور اُردو ادب میں اس کو بنیادی کام سمجھتے ہیں۔(۴۶) مولوی عبدالحئی تمام اُردو تراجم قرآن کا اصل مآخذ شاہ صاحب کے ترجمے کو قرار دیتے ہیں۔(۴۷) مولوی محمود حسن دیوبندی شاہ صاحب کے ترجمہ قرآن کے سامنے ترجمہ کرنے کو بھی گستاخی سمجھتے ہیں[۴۸]۔ مولوی رحیم بخش دہلوی نے غلو کی بھی انتہا کر دی اور یہاں تک لکھ گئے کہ اُردو زبان میں اگر قرآن نازل ہوتا تو شاہ صاحب کے محاورات سے ہی مزین ہوتا۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ شاہ صاحب نے اردو ترجمہ کرنے میں پہل کی اور اگرچہ زبان ابھی محارات، مترادفات اور فصاحت و بلاغت کے

۴۳۔ شیخ محمد اسمٰعیل پانی پتی، دیباچہ موضح قرآن، ص ۴۳۲ نقوش شمارہ ۱۰۲ لاہور ۱۹۶۵

۴۴۔ سر سید احمد خاں آثار الصنادید ص ۳۶۲

۴۵۔ مولوی عبدالحق اردو اشاعت ص ۱۷

۴۶۔ ڈاکٹر جالبی تاریخ اردو ادب جلد دوم حصہ دوم ص ۱۰۵۵

۴۷۔ مولوی عبدالحئی قرآن حکیم کے اردو تراجم ص ۱۹۱

۴۸۔ مولوی محمود حسن دیوبندی مقدمہ ص ۴

مراحل سے گزر رہی تھی اس وقت ترجمہ کیا لیکن یہ سنجیدہ محققین اور علماء کی ذمہ داری بنتی ہے کہ ترجمۂ قرآن میں جہاں جہاں شاہ صاحب زبان کی کمزوری کے باعث شان الوہیت اور عظمت رسالت کا تحفظ نہیں کر سکے ان کو آج کی زبان سے بدل دیا جائے چہ جائیکہ ان پیدا شدہ خیالات ہی کو عقائد کا حصہ بنالیا جائے اور اس کے دفع میں غیر معمولی قلابازیاں کھائی جائیں۔ مولٰنا احمد رضا خان کی نظر سے جب یہ ترجمہ گزرا تو آپ نے فوراً تنبیہہ فرمائی کہ اس میں وقت کے لحاظ سے الفاظوں کو درست کرنے کی ضرورت ہے ورنہ قوم بگڑ جائے گی کیونکہ عامۃ المسلمین اول عربی زبان سے تو واقف ہوتے نہیں اس لیے جو بھی ترجمۂ قرآن ان کے سامنے پیش کیا جائے گا وہ اسی کو صحیح جان لیں گے دوم ان کو کیا خبر کہ ترجمہ قواعد وضوابط کے مطابق کیا گیا یا مترجم اپنے خود ساختہ عقیدے کی پرچار کر رہا ہے۔ سوم، نہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ مترجمین جب اور جس زمانے میں ترجمہ کر رہے ہیں اس وقت الفاظوں کا اتنا وافر ذخیرہ موجود تھا یا نہیں اس لیے میں سمجھتا ہوں کہ شاہ صاحب چونکہ بامحاورہ ترجمہ کرنے والے پہلے مترجم ہیں وہ بھی ۲۰۰ سال قبل زمانے کے تو ان کو یہ رعایت ضرور دی جاسکتی ہے کہ ان کی ترجمہ کرتے وقت نیت وہ نہ تھی جو ترجمہ سے ظاہر ہو رہی ہے بلکہ اس زمانے کی اردو زبان کی کمزوری کے باعث ترجمے میں سہو کا پہلو نکل رہا ہے۔ البتہ جو بعد کے مترجمین ہیں اور خاص کر شاہ صاحب کو مکمل طور پر ماخذ بنانے والے اور وہ بھی ان سے ۱۰۰ سال کے بعد ترجمہ کرنے والے کو زبان کی رعایت نہیں مل سکتی کیونکہ شاہ صاحب کے ۱۰۰ سال کے بعد اردو زبان مکمل نکھر چکی تھی اور اس زبان میں مترادفات کی کثیر تعداد جمع ہو چکی تھی جن کا سہارا لے کر ترجمہ کیا جاسکتا تھا۔

تاریخ ثابت یہ کر رہی ہے کہ ہند میں کچھ مخصوص گروہ نے شاہ برادران کے تراجم اور ان کے والد ماجد کی کتابوں کا سہارا لے کر اپنے دین و مسلک کی پرچار کی اس کے لیے انہوں نے شاہ صاحب کی کتابوں میں تحریفیں کیں اور شاہ برادران کے ترجمۂ قرآن کی بعض عبارات کا سہارا لے کر بھرپور فائدہ اٹھایا لیکن حقیقت پھر حقیقت ہوتی ہے حکیم محمود برکاتی صاحب کی کاوش نے تاریخ کا دوسرا رخ دکھا کر تاریخ پر احسان کیا ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ شاہ برادران کے ترجموں کو ۲۰۰ سال قدیم اردو کے ماحول میں دیکھا جائے تو وہ نظریات جو اہلسنت سے مختلف نظر آرہے ہیں ان کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے اور مولانا احمد رضا کی رائے کی روشنی میں ان کو آج کی زبان سے تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

ڈپٹی نذیر احمد دہلوی

مولوی نذیر احمد دہلوی ابن سعادت علی بمقام ریٹرہ ضلع بجنور کے ایک علمی خانوادے میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سن ولادت افتخار عالم مارہروی نے ۱۸۳۶ء بتایا ہے (۴۹) جب کہ افتخار احمد صدیقی نے پیدائش کا سال ۱۸۳۰ء قرار دیا ہے۔ (۵۰) ناظرہ قرآن مجید ختم کرنے کے بعد ابتدائی تعلیم اپنے والد مولوی سعادت علی سے حاصل کی اور فارسی کی متداول کتابیں پڑھیں ۱۸۳۹ء تا ۱۸۴۴ مولانا صوفی نصر اللہ خان خورجوی (المتوفی ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۱ء) سے عربی صرف و نحو، فلسفہ اور منطق کی تعلیم حاصل کی (۵۱) اسی اثناء میں مولوی عبد الخالق کے مدرسے اورنگ آباد مسجد دہلی میں بھی ۱۸۴۲ء تا ۱۸۴۴ء زیر تعلیم رہے اور پھر ۱۸۴۵ء تا ۱۸۵۴ء قدیم دہلی کالج کے شعبہ مشرقی علوم میں تعلیم حاصل کی۔ (۵۲) یہ کالج شمالی ہند میں جدید علوم کی نشر و اشاعت اور ترجمہ و تالیف کا

۴۹ے افتخار عالم مارہروی "حیات النذیر"، ص ۔۲، مطبوعہ انڈیا ۔

۵۰ے ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی "تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند" جلد چہارم ص ۔ ۳۳۵، پنجاب یونیورسٹی لاہور ۱۹۷۲ء

۵۱ے مولوی رحمان علی "تذکرہ علمائے ہند"، ص ۔ ۱۲۵، طبع دوم نول کشور پریس، لکھنو ۱۹۱۴ء

۵۲ے ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی "ڈپٹی نذیر احمد" ص ۔۱ مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، ۱۹۸۷ء

اوّلین مرکز تھا۔ یہاں نذیر احمد دہلوی جدید علوم کی قدر و قیمت اور نئے دَور کے تقاضوں سے آشنا ہوئے۔ کالج کے ان اثرات کا ذکر وہ فخریہ طور پر اپنے لیکچروں میں کیا کرتے تھے۔ (۵۳)

مولوی نذیر احمد دہلوی صدیقی شیوخ کے ایک بزرگ خانوادے سے تعلق رکھتے تھے ان کے اجداد سولھویں صدی عیسوی سے انیسویں صدی تک تصوّف کی مسند رشد و ہدایت اور حکومت کے مناسب قضا اور افتا پر فائز رہے (۵۴) نذیر احمد کا سلسلہ آٹھ واسطوں سے حضرت شیخ عبدالغفور اعظم پوری (المتوفی ۹۸۵ھ / ۱۵۷۷ء) (۵۵) تک پہنچتا ہے جو حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوی (المتوفی ۹۴۵ھ / ۱۵۳۸ء) (۵۶) کے جلیل القدر خلیفہ اور مشاہیر وقت میں سے تھے۔ ڈپٹی نذیر احمد بعد میں دہلی کالج کے دوران نئے دور کے تقاضوں سے متعارف ہوئے۔ درحقیقت آپ کی ذہنی تربیّت ان کے محبوب استاد پروفیسر رام چندر کے زیر اثر ہوئی جو اُردو میں جدید علم کے سب سے بڑے مبلغ اور ایک سادہ

۵۳؎ مولوی بشیر الدّین احمد "لیکچروں کا مجموعہ"، جلد دوم ص ۔ ۴۱۹، جی اینڈ سنز برقی پریس دہلی ۱۹۱۸ء

۵۴؎ مولانا اعجاز الحق قدّسی "شیخ عبدالقدّوس گنگوی اور ان کی تعلیمات"، ص ۔ ۵۷۳، مطبوعہ کراچی ۱۹۶۱ء

۵۵؎ عبدالقادر بدایونی "منتخب التواریخ"، ص ۔ ۴۱۴، مطبوعہ انڈیا۔

۵۶؎ شیخ عبدالحق محدّث دہلوی "الاخبار الاخیار"، (مترجم محمد فاضل) ص ۔ ۴۶۳، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی

علمی اسلوب نثر نگاری کے بانی تھے۔ (۵۷) تعلیمی زندگی کے آخری زمانے میں مولوی نذیر احمد دہلوی نے برادری کے رسوم و قیود سے بغاوت کر کے مولوی عبدالخالق دہلوی کی پوتی سے عقد کیا اور دہلی ہی میں مستقل سکونت اختیار کر لی ۔۔۔ ۱۸۵۴ء سے معلمی کا پیشہ اختیار کر کے اپنی معلمانہ زندگی کا آغاز کیا اور ۱۸۶۳ء میں ڈپٹی کلکٹر کے عہدے پر فائز ہوئے۔ (۵۸) ۱۸۷۷ء میں ڈپٹی نذیر احمد نے سر سید احمد خاں کی وساطت سے ریاست حیدر آباد دکن میں سالار جنگ کے ہاں ملازمت اختیار کی اور ۱۸۸۳ء کو سر سالار جنگ کی وفات کے بعد جب وہاں وزارت و اقتدار کی جنگ شروع ہوئی آپ ۱۸۸۴ء میں استعفیٰ دے کر دہلی چلے آئے۔ (۵۹) چھ سو روپے ماہوار پنشن حاصل رہی۔

انگریز حکومت کی طرف سے کئی دفعہ مختلف ادبی تصانیف پر نقد انعام حاصل کیا۔ ۱۸۹۴ء میں حکومت کی طرف سے "شمس العلماء" کا خطاب حاصل کیا اور ۱۹۰۲ء میں ایڈنبرا یونیورسٹی نے ایل ایل ڈی (L.L.D) کی اعزازی ڈگری عطا کی اس کے ساتھ ساتھ آپ نے ایل ایل او (L.L.O) کی اعزازی ڈگری بھی حاصل کی اور ۱۸۸۸ء سے ۱۹۹۵ء تک وہ قومی اسٹیج کے ہیرو بنے رہے۔ (۶۰)

۵۷۔ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی "ڈپٹی نذیر احمد"، ص۔ ۷

۵۸۔ ایضاً "تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند"، جلد ۴، ص۔ ۲۳۶

۵۹۔ مولوی محمد اکرام اللہ خاں ندوی "وقار حیات"، ص۔ ۷۵، مطبوعہ علی گڑھ ۱۹۲۵ء

۶۰۔ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی، "تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند" جلد ۴، صفحہ ۳۲۷

ادبی خدمات ڈپٹی نذیر احمد دہلوی جنھوں نے ادبی تصانیف کا سلسلہ ملازمت کے ساتھ جاری رکھا اور ۱۸۷۲ء تا ۱۸۷۷ء کا دَور ان کی ادبی زندگی کا سب سے کامیاب دور تھا۔ ڈپٹی صاحب کا مذہبی تصانیف کا سلسلہ ۱۸۹۲ء سے قرآن مجید کے اردو ترجمے کے ساتھ شروع ہوتا ہے۔ جو ۱۸۹۵ء میں مکمل ہوا۔ آپ کا ترجمہ قرآن پہلی دفعہ مطبع قاسمی دہلی سے شائع ہوا۔ ڈپٹی صاحب کی تصانیف کی تعداد ۳۰ کے لگ بھگ ہے۔ جس میں قانون کی کتب کے تراجم بھی شامل ہیں اور درسیات واخلاقیات اور مذہبیات پر بھی علمی یادگاریں چھوڑی ہیں۔ ڈپٹی صاحب کا اصلی جوہر ان کی ناول نگاری میں سامنے آتا ہے جس کے وہ بانی بھی قرار دیئے جاتے ہیں۔ انگریز حکومت نے آپ کو "مراۃ العروس" "بنات النعش"، "توبۃ النصوح"، اور "مبادی الحکمت"، پر نقد انعامات سے نوازا۔ یہ تمام ناول خاص کر مسلم خواتین کی اصلاح وتربیت کے لیے لکھے گئے تھے جس میں انھوں نے خالص دہلی کی زبان اور کثرت سے عورتوں کے روز مرّہ محاورات کا استعمال کیا ہے۔ ان کی تحریر میں خاص بات ان کی ظرافت ہے جس میں ان کا کوئی ہم سر نہیں۔ (۶۱)

ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کی مذہبی کتب میں "الحقوق والفرائض" (۱۹۰۵ء) الاجتہاد (۱۳۲۴ھ) ادعیۃ القرآن (۱۳۲۱ھ) اور مطالب قرآن (۱۹۰۹ء) بہت مشہور ہیں۔ ڈپٹی صاحب نے ایک کتاب "امہات المومنین"، بھی تحریر فرمائی جو

۶۱ے ڈاکٹر حامد حسن قادری "داستان تاریخ اردو"، ص۔ ۵۵۱

۱۹۰۸ء میں شائع بھی ہوئی۔ یہ کتاب دراصل پادری احمد شاہ شوق کی کتاب "امہات مومنین" کا جواب تھی مگر ڈپٹی صاحب نے اپنی کتاب "امہات المومنین" بھی اپنی ظرافت اور محاوروں کا کثرت سے بیجا استعمال کیا۔ اس کے علاوہ غیر متعلق مواد کی کثرت، بزرگان دین کے ذکر میں غیر محتاط زبان و بیان سے کتاب کے خلاف تکفیر کا ہنگامہ برپا ہوا اور اس کتاب کی تمام جلدیں ۱۹۱۰ء میں جلا دی گئیں۔(۶۲)

ترجمۂ قرآن کا تاریخی پس منظر

ڈپٹی نذیر احمد کی دینی خدمات میں "ترجمہ القرآن" کو اولیت حاصل ہے۔ آپ کا ترجمہ قرآن اس زمانے میں سامنے آیا جس وقت سر سید احمد خاں کی تفسیر / ترجمہ بھی عوام الناس میں مقبولیت حاصل کر رہا تھا۔ سر سید احمد خاں اس کی تکمیل نہ کر سکے مگر ڈپٹی نذیر صاحب نے مکمل ترجمہ قرآن کرنے میں کامیاب ہو گئے اور جلد ہی اس کو شہرت حاصل ہوئی اور بقول بشیر الدین دہلوی کے ان کی زندگی میں ہی گیارہ ایڈیشن شائع ہو چکے تھے۔ ڈپٹی صاحب کے ترجمہ قرآن سے متعلق ایک عجیب انکشاف سامنے آیا جس کو پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب نے جو خود بھی دہلی کے علمی خانوادے سے تعلق رکھتے ہیں جن کے والد ماجد مولانا مفتی مظہر اللہ دہلوی نے شاہ ولی اللہ دہلوی کے فارسی ترجمہ قرآن کو اُردو میں منتقل کیا جو راقم کے پاس موجود ہے۔ (۶۳) بیان کیا کہ جب

۶۲ے ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی، "ڈپٹی نذیر احمد"، ص۔ ۷

۶۳ے مفتی مظہر اللہ دہلوی "قرآن شریف ترجمہ معہ آسان تفسیر"، صفحات ۷۶۲،
اقبال پرنٹنگ پریس، دہلی ۱۳۶۱ھ

وہ اگست ۱۹۶۲ء میں دہلی گئے تو ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کے پوتے مسلم احمد دہلوی نے ڈپٹی صاحب کے ترجمہ قرآن سے متعلق ایک روایت بیان کی جس کو ڈاکٹر محمد مسعود احمد نے اپنے پی۔ ایچ۔ ڈی کے مقالے میں ڈپٹی صاحب کے پوتے کے حوالے سے نقل بھی کی ہے اس سلسلے میں آپ رقمطراز ہیں :۔

"مولوی نذیر احمد دہلوی کی ہمشیرہ ام عطیہ بڑی عالمہ و فاضلہ تھیں۔ جنھیں دیوان حماسہ ازبر یاد تھا اور قرآن کریم پر خاص عبور تھا۔ ایک مرتبہ مولوی نذیر احمد صاحب نے ایک آیت شریفہ کا ترجمہ لکھ کر اپنی صاحبزادی سکینہ بیگم کو یاد کرنے کو دیا وہ یہ پرچہ لے کر ام عطیہ کے پاس آئیں اور ان کو دکھایا، موصوفہ نے اپنی بھتیجی کو مولوی صاحب کے پاس واپس بھیجا اور فرمایا کہ ترجمہ صحیح لکھیں مولوی صاحب نے پھر وہی ترجمہ لکھ کر واپس کر دیا چنانچہ اس کے بعد موصوفہ نے مولوی صاحب کو مشورہ دیا کہ تراجم و تفاسیر قرآن اور احادیث سے متعلق یہ کتابیں دیکھیں اور فرمایا کہ مطالعہ کے بعد پھر ترجمہ لکھیں مولوی صاحب کو جب اپنی کم علمی کا احساس ہوا تو انہوں نے ترجمہ کرنے کا ارادہ ترک کر دیا مگر جب اس کا علم ام عطیہ کو ہوا تو مولوی صاحب کو بلا کر فرمایا کہ ترجمہ ضرور کریں۔ چنانچہ طے پایا کہ مولوی صاحب روزانہ ترجمہ کر کے اپنی ہمشیرہ کے پاس بھیج دیں اور وہ نظر ثانی کریں۔ مولوی صاحب نے ترجمہ لکھوانے کے لیے پانچ آدمی مقرر کیے جن میں مولوی فتح محمد جالندھری بھی تھے۔ مولوی فتح محمد صاحب ترجمہ کا مسودہ ام عطیہ کے پاس لے جاتے

تھے اور وہ اس کی تصحیح فرماتیں۔ جب یہ کام مکمل ہو گیا تو ڈپٹی
صاحب نے پورہ مسوّدہ مولوی فتح محمد کو نقل کے لیے دے دیا کہ
وہ اس کو صاف صاف لکھ لائیں۔ مگر مولوی فتح محمد صاحب نے
چھ ماہ تک کوئی خبر نہ لی اور بالآخر معلوم ہوا کہ انہوں نے یہ ترجمہ
اپنے نام سے چھپوا دیا۔ مولوی صاحب کو اس واقعہ سے سخت
تکلیف پہنچی اور ان کی ہمت ٹوٹ گئی لیکن ان کی ہمشیرہ نے پھر
ہمّت بندھائی اور فرمایا کہ دوبارہ ترجمے کا کام شروع کیا جائے
انشاء اللہ یہ ترجمہ پہلے سے بہتر ہو گا چنانچہ کام شروع ہوا اور
اس دفعہ ترجمہ لکھنے کے لیے دس آدمی مقرر ہوئے اور نظر ثانی ام
عطیہ نے فرمائی۔ اس طرح یہ ترجمہ مکمل ہوا۔ قوسین میں اکثر و بیشتر
عبارات مولوی صاحب کی نہیں ان کی ہمشیرہ ام عطیہ کی ہیں"۔(۶۴)

اسی ترجمہ قرآن سے متعلق ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی نے بھی ایک بورڈ کا ذکر
کیا ہے چنانچہ آپ رقمطراز ہیں :۔

"اس ترجمہ قرآن کے سلسلے میں نذیر احمد نے مولویوں کے ایک بورڈ
کا تعاون بھی حاصل کیا اور اس طرح ڈھائی برس کی شبانہ روز محنت
و کاوش سے ۱۸۹۵ء میں ترجمہ قرآن مکمل ہوا"۔ (۶۵)

---

۶۴ ۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد "قرآنی تراجم و تفاسیر ایک تاریخی جائزہ"
ص ۔ ۶۰۰ (غیر مطبوعہ)

۶۵ ۔ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی "تاریخ مسلمانان پاکستان و ہند" جلد ۴ صفحہ ۲۵۹

ترجمۂ قرآن علماً کی نظر میں

ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کے ترجمہ/تفسیر پر جو "غرائب القرآن" کے نام سے مشہور ہے کئی علماً نے تنقید کی ہے اس سلسلے میں مولوی اشرف علی تھانوی نے "اصلاح ترجمہ دہلویہ" کے نام سے ۴۴ صفحات پر مشتمل رسالہ لکھا۔(۶۶) جس میں اس ترجمہ پر اعتراضات ہیں۔ اسی طرح ابو محمد عبداللہ چھپراوی نے ڈپٹی صاحب کے ترجمہ غرائب القرآن پر اعتراضات کیے جسے "رفع الغواشی عن وجوہ الترجمہ والحواشی" کے نام سے چھاپا۔ (۶۷) اس کے علاوہ بھی ڈپٹی صاحب کے ہم عصر اور مابعد کے کئی علماء نے دبی زبان سے ان کے ترجمہ پر اعتراضات کیے ہیں۔

ترجمے میں کہیں کہیں عامیانہ لہجہ یا سوقیانہ الفاظ و محاورات استعمال کیے گئے ہیں جو ذوق سلیم پر نہایت گراں گزرتے ہیں۔ زبان کے علاوہ مطالب کے لحاظ سے بھی بعض مقامات پر خامیاں موجود ہیں۔ ان لغزشوں کے باوجود محاسن کا پلہ بھاری ہے۔ اس ترجمے کی مقبولیت دیکھ کر بہت سے مترجم پیدا ہو گئے اور یکے بعد دیگرے متعدد ترجمے شائع ہوئے لیکن اس دور کے بیشتر مترجمین نذیر احمد کے خوشہ چیں ہیں۔ (۶۸) مولوی عبدالحق دہلوی نے ڈپٹی صاحب کے ترجمۂ قرآن کو اُردو ادب کی

۶۶۔ مولوی اشرف علی تھانوی "اصلاح ترجمہ دہلویہ" مطبعہ بلالی ساڈھورہ، انبالہ انڈیا

۶۷۔ ڈاکٹر صالحہ اشرف الدین "قرآن حکیم کے اُردو تراجم" ص۔ ۲۴۴۔ قدیمی کتب خانہ کراچی

۶۸۔ ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی "تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند" جلد ۴، ص۔ ۴۵۹

ایک بڑی خدمت قرار دیا ہے۔ (۶۹)

محاورات کی کثرت

ڈپٹی نذیر احمد کا ترجمہ قرآن معہ مختصر حواشی "غرائب القرآن" شاہ برادران کے تراجم کے لگ بھگ ۱۰۰ سال کے بعد ۱۳۱۴ھ میں سامنے آیا جس میں ڈپٹی صاحب نے اُردو محاورات شاہ برادران کے ترجموں کے برخلاف کثرت سے ترجمے میں استعمال کیے ہیں۔ ڈپٹی صاحب اس سے قبل خواتین کے لیے کئی ناول لکھ چکے تھے مگر عربی زبان سے لگاؤ کی وجہ سے انہوں نے ترجمہ قرآن کی طرف توجہ کی اور اس کا بھی اردو زبان میں بامحاورہ ترجمہ کر دیا۔ یہ پہلا ترجمہ قرآن ہے جس میں قرآنی متن کی ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔ اس ترجمہ قرآن کو دراصل محاوراتی ترجمہ یا توضیحی وتشریحی ترجمہ کہا جائے تو بہتر ہوگا اور اگر اس کو قرآن کا مفہوم کہا جائے تو یہ بھی غلط نہ ہوگا اور قرآنی مفہوم کو ڈپٹی صاحب نے محاوراتی انداز میں پیش کیا ہے۔ بعض جگہ محاورات بے موقعہ اور بے محل بھی ہیں اور غیر ضروری بھی، یہی وجہ ہے کہ بعض مقامات پر قرآن کے اصل مفہوم سے بھی بہت دور معلوم ہوتے ہیں مثلاً سورۃ اعراف کی ۲۲ ویں آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو :-

"ان کے پروردگار نے ان کو ڈانٹا کہ کیا ہم نے تم کو اس درخت (کے کھانے) کی مناہی نہیں کی تھی۔" (۷۰)

۶۹ے مولوی افتخار عالم مارہروی "حیات النذیر" مقدمہ از مولوی عبدالحق ص۔۵ مطبوعہ دہلی

۷۰ے مولوی حافظ ڈپٹی نذیر احمد دہلوی "غرائب القرآن" ص ۔۲۷۔ مطبع قاسمی دہلی ۱۳۲۲ھ

سورۃ الفجر کی ۲۱ویں اور ۲۲ویں آیات کا ترجمہ بھی ملاحظہ ہو :-

"تو (اے پیغمبر) تمہارے پروردگار نے ان (سب) پر عذاب کا کوڑا پھٹکارا ٥ بے شک تمہارا پروردگار نافرمانوں کی تاک میں لگا رہتا) ہے۔ (۷۱)

سورۃ البقرہ کا ایک مقام ملاحظہ ہو :-

"وہ تمہارے دامن (کی جگہ) ہیں اور تم ان کی چولی (کی جگہ) ہو ... (۷۲)

ان تینوں مقامات کے ترجمے بے جا محاورات کی وجہ سے غیر مناسب پہلو اختیار کر گئے جس طرح "امہات المومنین" کی طباعت کے بعد اس کتاب پر فتوے لگائے گئے تھے۔ اس ہنگامہ آرائی کی وجہ یہ تھی کہ ڈپٹی صاحب باوجود وضع قدیم کے بہت کچھ آزاد خیال تھے اور اس سے بڑھ کر اپنے آپ کو مجتہد سمجھتے تھے اسی لیے ان کے عقائد میں بعض وہ باتیں بھی شامل تھیں جو مذہب کے خلاف ہیں اور حقیقت میں یہی بنائے فساد بنیں۔ (۷۳)

ہمارے نقّاد اور محققین حضرات بے لاگ تبصرہ تو ضرور کرتے ہیں لیکن اصل حقیقت سے وہ آشنا ہونا نہیں چاہتے۔ ادبی کتب میں ڈپٹی صاحب کو ناول نگار کی حیثیت کے علاوہ بحیثیت مترجم قرآن ان کی مذہبی ادبی حیثیت کو بھی بہت سراہا گیا ہے اور ہر ایک ان کی زبان دانی کی تعریف میں رطب اللسان ہے مگر ترجمۂ قرآن میں ان کی بے اعتدالیوں سے صرف نظر کرتے ہوئے آگے بڑھ

۷۱؎ ایضاً ص۔ ۱۰۹۵

۷۲؎ مولوی حافظ ڈپٹی نذیر احمد دہلوی "غرائب القرآن" ص ۔ ۲۷۷

۷۳؎ ڈاکٹر حامد حسن قادری "داستان تاریخ اُردو" ص ۔ ۵۹۳

جاتا ہے یا زیادہ سے زیادہ وہ اتنا لکھتا ہے کہ علماء کا یہ اختلاف ازل سے ہوتا چلا آیا ہے وغیرہ ۔ حقیقت میں یہ مذہبی ادب کے ساتھ صریح ناانصافی ہے اور محققین کی غیر ذمہ داری کیونکہ اگر ڈپٹی صاحب سے بے اعتدالیاں ہو ہی گئیں تھیں تو محققین کو چاہیے کہ ان کی نشاندہی کر کے عوام کو مزید کسی الجھن میں پڑنے سے بچائیں ۔ اب ڈپٹی صاحب کے ترجمہ قرآن "غرائب القرآن" سے چند اقتباسات بطور نمونہ پیش کیے جاتے ہیں ۔ ان آیات کا ترجمہ مطبع قاسمی والے ایڈیشن سے لیا گیا ہے ۔ (۷۴)

---

۷۴ ۔ مولوی نذیر احمد دہلوی "قرآن مجید مترجم معہ غرائب القرآن"، صفحات ۱۱۱۲، مطبع قاسمی دہلی ۱۳۲۲ھ

ترجمۂ قرآن سے چند اقتباسات

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

(شروع) اللہ کے نام سے (جو) نہایت رحم والا مہربان (ہے)

۱۔ اور (اے پیغمبر) اگر تم اس کے بعد کہ تمہارے پاس علم (یعنی قرآن) آچکا ہے، ان کی خواہش پر چلے تو (پھر) تم خدا کے غضب سے (بچانے والا) نہ کوئی دوست ہوگا نہ مدد گار۔ (البقرۃ : ۱۲۰)

۲۔ کافر (اپنا) داؤ کر رہے تھے اور اللہ (اپنا) داؤ کر رہا تھا اور اللہ سب داؤ کرنے والوں سے بہتر داؤ کرنے والا ہے۔ (الانفال : ۳۰)

۳۔ اور (اے پیغمبر) ہم نے تم کو لوگوں کی طرف پیغام پہنچانے والا (بنا کر) بھیجا ہے۔ (النساء : ۷۹)

۴۔ وہ لگے کہنے کہ بخدا تم تو (وہی) اپنے قدیمی خبط میں (مبتلا) ہو۔ (یوسف : ۹۵)

۵۔ (لوگو!) تمہارا پروردگار وہی اللہ ہے جس نے چھ دن میں آسمان وزمین کو پیدا کیا پھر عرش پر جابراجا (کہ وہیں سے) ہر ایک کام کا انتظام کر رہا ہے۔ (یونس : ۳)

۶۔ اور آدم نے اپنے پروردگار کی نافرمانی کی اور (راہ صواب سے) بھٹک گئے۔ (طٰہٰ : ۱۲۱)

۷۔ اور (اے پیغمبر) ہم نے تم کو دنیا جہاں کے لوگوں کے حق میں رحمت (بنا کر)

بھیجا ہے اور بس ۔ (الانبیآء : ۱۰۷)

۸۔ اور ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان بنائے اور پیدا کرنے (کے ہنر) میں ہم کچھ اناڑی نہ تھے۔ (المومنون : ۱۷)

۹۔ موسیٰ نے کہا میں ان دنوں وہ (حرکت) کر بیٹھا اور میں غلطی پر تھا ۔ (الشعرا : ۲۰)

۱۰۔ تو (اے پیغمبر) تم خدا کے ساتھ کسی دوسرے معبود کو نہ پکارنے لگنا ورنہ (اور مشرکوں کی طرح) تم بھی مبتلائے عذاب ہو جاؤ گے ۔ (الشعرا۔ ۲۱۳)

۱۱۔ مسلمانوں تمہارے لیے (یعنی) ان لوگوں کے لیے جو اللہ اور روز آخرت سے ڈرتے اور کثرت سے یاد الٰہی کرتے تھے پیروی کرنے کو رسول اللہ کا عمدہ نمونہ موجود تھا۔ (الاخراب : ۲۱)

۱۲۔ لوگو محمدؐ تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں (تو زید کے کیوں ہوں) وہ تو اللہ کے رسول ہیں اور (خطوں کی مہر کی طرح) سب پیغمبروں کے آخر میں ہیں ۔ (الاحزاب : ۴۰)

۱۳۔ اس کو غیب کی خبر ہے تو وہ اپنی غیب کی باتیں کسی پر ظاہر نہیں کرتا مگر ہاں (اپنے) برگزیدہ پیغمبروں پر (مصلحتہً) کوئی بات ظاہر کرنا چاہتا ہے) تو وہ (بھی اس احتیاط سے کہ) ان کے آگے اور ان کے پیچھے (فرشتوں کا) پہرہ (ان کے ساتھ) رکھتا ہے تاکہ دیکھ لے کہ پیغمبروں نے اپنے پروردگار کے پیغام کو (لوگوں میں ٹھیک ٹھیک) پہنچا دیا۔ (الجن : ۲۸)

۱۴۔ اے پیغمبر تم جو (وحی کی ہیبت سے) چادر لپٹے پڑ رہو۔ (المزمل : ۱)

۱۵۔ اور تم کو دیکھا کہ (راہ حق کی تلاش میں) بھٹکے بھٹکے (پھر رہے) ہو تو (تم کو دین اسلام کا) سیدھا راستہ دکھا دیا۔ (الضحیٰ : ۷)

ان چند مقامات کا ترجمۂ قرآن ڈپٹی صاحب کی فکری نشاندہی کے لیے کافی ہے یہ ترجمۂ قرآن کئی لحاظ سے انفرادی حیثیت کا حامل بھی ہے مثلاً

۱۔ بہت کثرت کے ساتھ محاورات کا استعمال کیا گیا ہے اس لیے اس ترجمہ کو محاوراتی مفہوم کہا جاسکتا ہے۔

۲۔ کثرت محاورات کے استعمال کے باعث بعض وقت روح قرآن متاثر ہو جاتی ہے اور مفہوم اصل متن سے دُور ہو جاتا ہے۔

۳۔ ڈپٹی صاحب نے کثرت کے ساتھ آیات کی ابتدا میں قوسین کے ساتھ (اے پیغمبر) لکھا ہے انہوں نے اس بات کو بھی مدّنظر نہ رکھا کہ ان آیات میں مخاطب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں یا کوئی عام انسان یا کوئی گروہ یا جماعت۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا خطاب انسان کے مختلف گروہوں سے ہے کہیں وہ پوری جماعت یا گروہ کو عمومی نام کے ساتھ مخاطب کرتا ہے مثلاً یَاَیُّھَا النَّاس، یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ، یَاَیُّھَا النَّبِیُّ، یَاَیُّھَا الرَّسُوْل، یَاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ وغیرہ اور جہاں یہ خاص خطاب نہ ہو وہاں موقع محل، شان نزول اور اگلے پچھلے اسباق کی روشنی میں ضمائر کی مدد سے معلوم کیا جاتا ہے کہ اس آیت کا مخاطب دراصل کون سا فرد یا گروہ ہے۔ اب اگر سیاق و سباق سے مخاطب کفّار، مشرکین ہوں لیکن ترجمہ میں (اے پیغمبر) یا اے گروہ انبیاء استعمال کیا جائے تو یہ کتنی بڑی ناانصافی اور نادانی ہوگی۔ عام مسلمان

سوچ بھی نہیں سکتا کہ نبی یا رسول کو اللہ تعالیٰ عذاب سے ڈرائے جب کہ تمام انبیاء معصوم عن الخطاء ہیں اور خود "نذیر بن کر آئے۔ وہ عذاب کا ڈر سنانے والے ہیں مگر افسوس ڈپٹی صاحب نے ان جیسی آیات کا مخاطب انبیاء کرام خصوصاً سیّد عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو قرار دے کر تمام کفار و مشرکین کو خطاب سے مستثنیٰ ٹھہرایا۔ ڈپٹی صاحب نے اس طرح نہ صرف غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا بلکہ احادیث مبارکہ اور مستند تفاسیر کی روشنی میں منشاء قرآن کے خلاف لکھ کر تحریف معنوی کے مرتکب ہوئے جس کی طرف خود ان کی ہمشیرہ ام عطیہ نے توجہ دلائی تھی۔

۴۔ ڈپٹی صاحب کے نزدیک رسول اور نبی میں کوئی فرق نہیں اس لیے دونوں کا ترجمہ پیغمبر کیا ہے جو کہ لغوی اعتبار سے بھی غلط ہے اس لیے کہ پیغمبر کا مفہوم پیغام رسانی تک محدود ہے جس کو انگریزی میں" (Messenger) کہا جاتا ہے جس کا کام صرف اور صرف پیغام رسانی ہوتا ہے کہ ایک جگہ کا پیغام دوسری جگہ مِن وعَن ان ہی الفاظ میں پہنچا دیا جائے اور یہ کام دراصل فرشتوں کا ہے کہ وہ اللہ کا پیغام اس کے رسولوں تک ٹھیک ٹھیک پہنچا دیتے ہیں اسی لیے قرآن نے فرشتوں کو بھی رسول کہا ہے:۔

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ (التکویر: ۱۹)

ترجمہ:۔ بیشک یہ (قرآن) عزت والے رسول (جبریل) کا پڑھنا(۷۵) ہے ٥

---

۷۵ ے مولانا احمد رضا خاں قادری بریلوی "کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن" ص ۔ ۲۰

قرآن پاک نبی کی نسبت رسول کی تعریف اور اس کی ذمہ داری کی نشاندہی اس طرح فرماتا ہے:۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ط....

(سورۃ البقرۃ : ۱۲۹)

ترجمہ:۔ اے رب ہمارے اور بھیج ان میں ایک رسول انہیں میں سے کہ ان پر تیری آیتیں تلاوت فرمائے اور انہیں تیری کتاب اور پختہ علم سکھائے اور انہیں خوب ستھرا فرما دے ہ (۷۶)

سورۃ البقرۃ میں ہی ایک اور مقام پر رسول کی تعریف اس طرح فرمائی،

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ط (البقرۃ : ۱۵۱)

ترجمہ:۔ جیسا ہم نے تم میں بھیجا ایک رسول تم میں سے کہ تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور کتاب اور پختہ علم سکھاتا ہے اور تمہیں وہ تعلیم فرماتا ہے جس کا تمہیں علم نہ تھا ہ (۷۷)

ان قرآنی تشریحات سے ظاہر ہے کہ لفظ "پیغمبر"، کسی طرح بھی "رسول" کا صحیح بدل نہیں ہو سکتا۔ یہ بات ہر فرد جانتا ہے کہ ہر رسول نبی ضرور

۷۶؎ مولانا احمد رضا خاں قادری بریلوی "کنزالایمان" ص ۔ ۳۰

۷۷؎ ایضاً ص ۔ ۳۵

ہوتا ہے لیکن اصطلاح شرع میں ,,رسول،، اس ذات کو کہا جاتا ہے جو نبوت کے ساتھ ساتھ صاحب شریعت یعنی صاحب قانون خداوندی ہو۔

۸۔ ڈپٹی صاحب عموماً آیت کا مفہوم لے کر محاورے کی مدد سے ترجمہ کرتے ہیں جس کے باعث وہ اکثر اصل مطلب سے دور چلے جاتے ہیں۔ اس کی چند مثالیں پیچھے دی جا چکی ہیں۔ بعض مقامات پر ڈپٹی صاحب اپنی طرف سے ایسے الفاظ اور معانی کا اضافہ کرتے ہیں جو اکثر تفسیری قول یا لغت میں بھی نہیں ملتے ہیں مثلاً اے پیغمبر جو (وحی کی ہیبت سے) چادر لپٹے پڑے ہو سورۃ المدثر / المزمّل۔

ڈپٹی صاحب نے المدثر اور المزمل کی آیت کا ایک ہی ترجمہ کیا ہے اور قوسین میں "وحی کی ہیبت" کے اضافی الفاظ لکھے ہیں جو نبی کے لیے غیر مناسب ہیں اور نبی کو کیونکر وحی سے ہیبت ہوگی جبکہ اس کی تسکین کا سبب ہی کلام الٰہی ہے اس سلسلے میں وحی کی اقسام اور صورتیں جاننا ضروری ہیں تاکہ اس قسم کا خیال ذہن میں نہ آئے۔

وحی کی اقسام

وحی کی تین قسمیں جو قرآن نے بیان کی ہیں وہ یہ ہیں:۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ۝۵۱

(سورۃ الشوریٰ: ۵۱)

ترجمہ:۔ اور کسی آدمی کو نہیں پہنچتا کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام فرمائے مگر (الف)

وحی کے طور پر (ب) یا یوں کہ وہ بشر پردہ عظمت کے ادھر ہو (ج) یا کوئی فرشتہ بھیجے کہ وہ اس کے حکم سے وحی کرے جو وہ چاہے ٥ (٧٨)

امام سہیلی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی کی سات صورتیں بیان کی ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں ۔ (٧٩)

(١) رویائے صادقہ (٢) صلصلۃ الجرس : گھڑیال کی طرح آواز کا آنا یا جیسے سخت زمین پر لوہے کی چلین کو گھسیٹنے سے جو آواز آتی ہے اور پھر وہ آواز نبی کے ذہن میں الفاظ کی صورت اختیار کر لیتی ہے ۔ (٣) القائے قلب (٤) طریق مکالمہ اس کی مزید چار قسمیں ہیں ۔ مکالمات، مکاشفات، مناجات، محادثات وغیرہ اور ایک خصوصی مکالمہ کی صورت "فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰی"، جو معراج شریف میں مقام "اَوْ اَدْنٰی" میں اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی فرمائی (٥) تمثل : فرشتہ کا کسی شکل میں متشکل ہو کر آنا جیسا کہ حضرت جبریل علیہ السلام حضرت وحیہ کلبی رضی اللہ عنہ صحابی کی شکل میں حاضر ہوتے تھے ۔ (٦) فرشتہ کا اپنی اصلی شکل میں نمودار ہونا (٧) وحی اسرافیل : ابتدا میں تین سال تک حضرت اسرافیل علیہ السلام (قرآن کے علاوہ) وحی لاتے رہے ۔

---

٧٨ ؎ مولانا احمد رضا خاں بریلوی "کنز الایمان" ص ۔ ٦٨٩

٧٩ ؎ سید محمود احمد رضوی "فیوض الباری فی شرح صحیح البخاری" حصہ اول پارہ اول صفحہ ٧٠ مکتبہ رضوان لاہور ١٩٨٦ء

ترجمہ :۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حارث بن ہشام نے پوچھا ۔ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ پر وحی کس طرح آتی ہے : فرمایا کبھی گھڑیال کی آواز کی طرح میرے پاس آتی ہے اور یہ مجھ پر زیادہ سخت ہوتی ہے اور پھر یہ حالت دور ہو جاتی ہے یہاں تک کہ میں اس سے مفہوم اخذ کر لیتا ہوں اور کبھی وہ فرشتہ میرے لیے انسان کی شکل میں نمودار ہوتا ہے اور مجھ سے باتیں کرتا ہے اور جو وہ کہتا ہے میں اس کو محفوظ کر لیتا ہوں ۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ وحی کے نزول کی حالت میں آپ کو دیکھا کہ جب یہ کیفیت ختم ہو جاتی تھی تو سخت سردی کے دنوں میں بھی جبین مبارک سے پسینہ بہتا تھا۔ (۸۰)

اس حدیث کی روشنی میں وحی صلصلۃ الجرس کی یہ خصوصیت معلوم ہوئی کہ سخت سردی میں بھی نزول وحی کی کیفیت ختم ہونے کے بعد جبین مبارک سے پسینہ بہتا اور دوران نزول وحی آپ کو اس قدر شدید بوجھ محسوس ہوتا کہ باوجود سخت سردی کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پسینہ میں شرابور ہو جاتے اور جب وحی الٰہی کا سلسلہ رُکتا تو وہ کیفیت ختم ہو جاتی اور پسینہ مبارک کی وجہ سے آپ کو زیادہ ٹھنڈ محسوس ہوتی اور آپ اپنی زوجہ محترمہ ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرماتے کہ مجھے چادر دو، مجھ پر کمبل ڈالو ۔ اللہ تبارک تعالیٰ کو اپنے محبوب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ انداز اس قدر پسند آیا کہ آپ کو وحی الٰہی کے نزول کے وقت "اے بالا پوش والے"، اور "اے چادر والے" کے خطاب

---

۸۰ ؎ مولانا سید محمود احمد رضوی "فیوض الباری فی شرح صحیح البخاری" حصہ اول، ص ۔ ۶۰

سے یاد فرمایا :۔

یٰۤاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ○ اور یٰۤاَیُّهَا الْمُزَّمِّلُ ○

اس سے ظاہر ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سردی محسوس ہونے کے باعث فرماتے" زملونی" " زملونی" یعنی چادر اڑھاؤ خوف کی وجہ سے نہیں اس لیے کہ خوف کی وجہ سے چادر میں لپٹا نہیں جاتا بلکہ کہیں چھپا جاتا ہے۔ حقیقتاً وحی کے نزول کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ تو کوئی خوف تھا اور نہ کوئی ہیبت تھی جس کو ڈپٹی نذیر احمد دہلوی نے وحی کی ہیبت سے تعبیر کیا ہے۔ اس قسم کے اضافی جملوں سے نہ صرف نبی کی شان کی تنقیص ہوتی ہے بلکہ غیر مسلموں کو بھی کچھ نہ کچھ کہنے کا موقع میسّر آتا ہے لہٰذا ایسے الفاظ کے استعمال سے قرآن کے ترجمہ میں پرہیز ضروری ہے اور ترجمہ کرنے کے لیے عظمتِ الٰہی اور شانِ نبوّت کے لائق مناسب الفاظ کا استعمال کرنا از بس ضروری ہے ورنہ نہ صرف یہ کہ مسلمان کے بنیادی عقائد پر ضرب پڑتی ہے بلکہ غیر مسلموں اور صیہونی ذہن کو بارگاہ الوہیت اور دربارِ رسالت میں گستاخانہ انداز تخاطب پر ابھارتی ہے۔ اسی طرح " استویٰ علی العرش " کے ترجمے میں تو محاورے کے استعمال نے اور بھی غضب دکھایا ہے۔ ڈپٹی صاحب" استویٰ " کا ترجمہ "عرش پر جا براجا" کرتے ہیں جو شان الوہیت کے ہرگز لائق نہیں۔ ڈپٹی صاحب نے استویٰ کا ترجمہ "براجا" کیا ہے جو دو لحاظ سے غلط ہے اول متشابہات کا ترجمہ ممکن ہی نہیں اور دوم متقدین نے اگر کیے بھی ہیں تو اس کی شان کے لائق۔ ڈپٹی صاحب نے سنسکرت لفظ کو محاورے میں استعمال کر کے ممکن ہے اپنی دانست میں اچھا ترجمہ کیا ہو لیکن یہ ترجمہ

اس کی شان الوہیت کے ہرگز لائق نہیں ہے۔

ڈپٹی نذیر احمد دہلوی نے سورۃ احزاب کی ۴۰ ویں آیت شریفہ کے ترجمے میں بھی اضافی جملے لکھ کر مقام ختمِ نبوّت کو عجب معنی دیے ہیں، آپ اس آیت کا ترجمہ یوں کرتے ہیں :۔

" وہ تو اللہ کے رسول ہیں اور (خطوں کی مہر کی طرح سب) پیغمبروں کے آخر میں ہیں۔

یہاں ختم النبیین کا کتنا بے محل ترجمہ کیا ہے۔" خطوں کی مہر کی طرح" اگر ڈپٹی نذیر احمد دہلوی اس مقام پر ترجمہ کرنے سے قبل علم بیان کا "قاعدۂ تشبیہہ" سامنے رکھتے تو شاید یہ صورت پیدا نہ ہوتی۔ کیونکہ علم بیان کی رو سے وہ صفت جو طرفینِ تشبیہہ کے درمیان مشترک ہوتی ہے اس کو " وجہ شبہ" کہتے ہیں۔ یہ صفت یا مشبہ بہ بہ نسبت مشبہ کے قوی اور مشہور ہونی چاہیے۔ (۸۱)

قاعدہ تشبیہہ صفت مشبہ کا اشتقاق فعل لازم سے ہوتا ہے متعدی سے نہیں اس کی دلالت اسی ذات پر ہے جس کے ساتھ معنی مصدری بطور ثبوت قائم ہو نہ کہ بطور حدوث ثبوت کا مطلب یہ ہے کہ اس میں کوئی خاص زمانہ ماضی، مستقبل معتبر نہیں ہے اسی لیے اس کے عمل کے لیے حال واستقبال کی شرط نہیں ہے صرف اعتماد کی شرط ہے وہ اعتماد بھی چھ میں سے پانچ چیزوں پر ہوگا،

۸۱؎ علی الجارم و مصطفےٰ امین " البلاغتہ البلاغتہ" (مترجم عبدالصمد صارم) ص۔ ۳۱، ادارہ علمیہ، انار کلی، لاہور، ۱۹۶۸ء

موصول پر اعتماد اس لیے ہوتا ہے کہ الف لام بمعنی الذی اسم فاعل اور اسم مفعول حدوثی پر آتا ہے۔ صفت مشبہ پر نہیں آتا اور اسے صفت مشبہ اسی لیے کہتے ہیں کہ یہ واحد تثنیہ جمع، اور مذکر و مؤنث ہوتے ہیں اسم فاعل کے مشابہ ہے مثال کے طور پر "غلام زید حسن، زید کا غلام خوبصورت ہے۔ یہاں حسن صفت مشبہ قوی ہے اور مشہور بھی ہے۔ (۸۲)

اگر قواعد علم بیان کے تحت ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کے ترجمہ (خطوں کی مہر کی طرح) دیکھا جائے تو منصب ختم النبوّت کو خط کی مہر سے تشبیہہ دینے کا مطلب یہ ہوگا کہ مشبہ بہ مشبہ یعنی منصب ختم النبوّت کو خط کسی مہر کے مقابلے میں کمزور مانا گیا ہے جو قاعدہ کی رو سے بھی صراحتہً غلط اور منصب ختم النبوّت کی توہین الگ ہے۔ ممکن ہے ایسی ہی لغزشوں کے باعث ان کے معاصرین نے ان کے ترجمہ قران پر سخت قسم کی تنقید کی ہے۔ اس سے پہلے "امہات المومنین" پر تنقید کرنے کی وجہ سے اس کی دونوں ایڈیشن کی کاپیاں جلا دی گئی تھیں مگر ترجمہ قرآن میں بھی ڈپٹی صاحب سے متعدد مقامات پر قلم سے لغزشیں ہوئی ہیں جس کو غالباً بعد میں نظر انداز کر دیا گیا ہے۔

سرسید احمد خاں

سرسید احمد خاں (۱۲۳۲ھ/۱۸۱۷ء) کو دلی میں پیدا ہوئے۔ وہ باپ کی طرف سے حسینی سید ہیں اور ۳۰ واسطوں سے ان کا سلسلہ

---

۸۲ ـ مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری "نحو میر مع اردو حواشی" ص ـ ۶۵
مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور ۱۹۸۴ء

نسب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتا ہے۔ (۸۳) آپ کے والد سید میر تقی (المتوفی ۱۲۵۵ھ/۱۸۳۸ء) مشہور نقشبندی سلسلے کے بزرگ شاہ غلام علی دہلوی (المتوفی ۱۲۴۰ھ/۱۸۲۴ء) کے مرید تھے (۸۴) جن کی صحبت میں بیشتر وقت گزارتے اور دنیاداری کے مشغلوں میں کم دلچسپی لیتے تھے۔ سر سید کے نانا دبیرالدولہ امین الملک خواجہ فریدالدین احمد خاں بہادر مصلح جنگ تھے اور صوفی منش آدمی تھے (۸۵)۔ سر سید کی تربیت زیادہ تر ان کی والدہ نے کی جو خود بھی شاہ غلام علی دہلوی سے بیعت تھیں جن کا انتقال (۱۸۵۷ء/۱۲۷۴ھ) میں ہوا۔ سر سید نے ابتدائی تعلیم قدیم طرز ہی پر حاصل کی تھی جس میں فارسی کی درسی کتابیں کریما، خالق باری، آمد نامہ گلستان بوستان وغیرہ اور عربی کی شرح ملاجامی، شرح تہذیب، مختصر معانی کا کچھ حصہ پڑھا مگر بے توجہی سے اس کی تکمیل نہ ہو سکی۔ (۸۶) ریاضی کا علم اپنے ماموں زین العابدین سے حاصل کیا اور طب حکیم غلام حیدر خاں سے پڑھی اس کے بعد وہ اپنے طور پر مختلف کتابیں پڑھتے رہے۔

سر سید احمد خاں کی جامع سوانح حیات مولوی الطاف حسین حالی نے "حیات جاوید" کے نام سے مرتب کی ہے جس میں سر سید احمد خاں اپنی سوانح

۸۳ے مولوی الطاف حسین حالی "حیات جاوید" ص۔ ۲۹ ، نیشنل بک ہاؤس لاہور ۱۹۸۶ء

۸۴ے مولوی رحمان علی "تذکرہ علمائے ہند" (مترجم ڈاکٹر ایوب قادری) ص۔ ۳۶۴ ، پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی

۸۵ے شیخ محمد اکرام "موج کوثر" ص۔ ۶۲ فیروز سنز لمیٹڈ کراچی ۱۹۵۸ء

۸۶ے قمر احمد عثمانی "ہماری مذہبی جماعتوں کا فکری جائزہ" ص۔ ۱۰۶ ، مطبوعات مشرق کراچی ۱۹۶۲ء

حیات خود بیان فرماتے ہیں :-

"اول اول جب کبھی سرسید احمد خاں کے سامنے ان کی لائف لکھنے کا ارادہ ظاہر کیا جاتا تھا، تو وہ ہمیشہ کہا کرتے تھے : میری لائف میں سوا اس کے کہ لڑکپن میں خوب کبڈیاں کھیلیں، کنکرے اڑائے، کبوتر پالے، ناچ مجرے دیکھے اور بڑے ہو کر نیچری، کافر اور بے دین کہلوائے اور رکھا ہی کیا ہے"۔ (۸۷)

سر سید احمد خان ملازمت کے سلسلے میں ۱۸۴۱ء تا ۱۸۷۶ء تک بطور کلکٹر دہلی، بجنور، مراد آباد، غازی پور، علیگڑھ اور بنارس میں مقیم رہے اور پھر پنشن لے کر علیگڑھ آ گئے اور مولوی سمیع اللہ خاں کے مجوزہ کالج (M.A.O) میں اپنی زندگی کے باقی سال اپنے ارادوں کی تکمیل میں یہیں گزارے۔ سر سید نے سرکاری ملازمت کے ۳۵ سال کے دوران تصنیف و تالیف اور ترویج علوم کے لیے بھی خاصہ وقت صرف کیا، اس دور کی تصانیف حسب ذیل ہیں۔ (۸۸)

(i) انتخاب الاخوین (ii) قول متین در ابطال حرکت زمین (iii) تسہیل فی جرالثقیل (iv) رسالہ اسباب بغاوت ہند (v) آثار الصنادید وغیرہ۔

دنیاوی خدمات

سر سید احمد خاں نے ۱۲۹۲ھ/ ۱۸۷۵ء میں ایک ابتدائی مدرسہ علی گڑھ میں قائم کیا اور جلد ہی ۱۸۷۶ء میں لارڈ لٹن کے ہاتھوں

۸۷ے مولوی الطاف حسین حالی پانی پتی "حیات جاوید"، ص۔ ۲۶۔ نیشنل بک ہاؤس لاہور ۱۹۸۶ء

۸۸ے شیخ محمد اکرام "موج کوثر"، ص۔ ۶۸

کالج کا سنگِ بنیاد رکھا گیا۔ اس کالج نے ۱۸۷۸ء سے کام شروع کر دیا تھا جسے ۱۸۸۲ء میں ایک یونیورسٹی کی حیثیت حاصل ہو گئی اس کے علاوہ سر سید احمد خاں نے ۱۸۵۹ء میں مراد آباد میں بھی مدرسہ قائم کیا تھا اور ۱۸۶۲ء میں غازی پور میں ایک سائنٹیفک سوسائٹی قائم کی تھی۔ ۱۸۶۶ء میں علی گڑھ میں سر سید احمد خاں نے ایک انجمن "برٹش انڈین ایسوسی ایشن" کے نام سے قائم کی جس کا مقصد اپنے حقوق حاصل کرنے کے لیے پارلیمنٹ سے تعلق پیدا کرنا تھا۔ سر سید احمد خان نے اسی سائنٹیفک سوسائٹی کے زیر اہتمام ایک اخبار "علی گڑھ انسٹیٹیوٹ گزٹ" بھی ۱۸۶۶ء میں جاری کیا۔ (۸۹)

سر سید احمد خاں کی مذہبی اور ادبی خدمات کے اعتراف میں انگریز حکومت نے کئی اعزازات سے اُن کو نوازا بھی تھا۔ (۹۰)

- ۱۸۸۸ء میں گورنمنٹ نے (K.C.S.I) کا تمغہ عطا کیا۔
- ۱۸۸۹ء میں ایڈنبرا یونیورسٹی سے (L.L.D) کی اعزازی ڈگری دی گئی۔
- اس سے پہلے ۱۸۸۷ء میں پبلک سروس کمیشن کے ممبر بھی منتخب ہوئے تھے۔
- ۱۸۷۸ء میں وائسریگل لیجسلیٹو کونسل کے ممبر مقرر ہوئے۔
- ۱۸۶۹ء میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن کے فیلو منتخب ہوئے۔

۸۹ے ڈاکٹر حامد حسن قادری "داستان تاریخ اردو" ص۔ ۳۰۱/۳۰۵

۹۰ے مولوی الطاف حسین حالی "حیات جاوید"، ص۔ ۲۲۲/۲۲۷

سرسید احمد خان ایک ایسی ہمہ جہت شخصیت کے مالک تھے کہ ان کا تعارف خود ایک مقالہ کا متحمل ہے یہاں ان کے مہتم بالشان کارناموں کا ذکر کیا جا رہا ہے۔ اردو ادب کے حوالے سے پچھلے باب میں تفصیلی ذکر کیا جا چکا ہے یہاں ہم ان کی صرف دینی و مذہبی مشاغل کا ذکر کر رہے ہیں کیونکہ آپ کا شمار بھی مترجمین / مفسرین قرآن میں ہوتا ہے۔

تصانیف وتالیفات | سرسید احمد خاں کی تصانیف کی تعداد ۵۰ کے لگ بھگ ہے جس میں مبسوط اور ضخیم کتابیں بھی شامل ہیں۔ ان میں اہم تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:۔

(۱) جلاء القلوب بذکرالمحبوب (۱۸۴۲ء) (مولود نبوی صلی اللہ علیہ وسلم پر رسالہ)

(۲) آثار الصنادید، (۱۸۴۷ء) اردو میں (اپنی نوع کی) تاریخ کی عمدہ ترین کتاب۔

(۳) ، کلمۃ الحق، (۱۸۴۹ء) والدین کے مذہبی ماحول سے مخالفت کرتے ہوئے بیعت کے رد میں یہ رسالہ لکھا جبکہ آپ کے تمام اجداد دہلی کے ایک معروف بزرگ کے مرید تھے۔

(۴) "راہ سنّت در ردّ بدعت" ۱۸۵۰ء یہ رسالہ وہابیت کے حق میں لکھا ہے کیونکہ سرسید احمد بریلوی (المتوفی ۱۸۲۸ء) اور شاہ اسمعیل دہلوی کے زبردست حامی تھے اور ان کی تائید میں کئی کتابیں بھی تالیف کیں۔(۹۱)

۹۱۔ شیخ محمد اکرام "موج کوثر"، ص ۷۰

(۵) "احکام طعام اہل کتاب": اس کتاب میں مسلمانوں کے دلوں سے انگریزی معاشرے سے نفرت دور کرنے اور انگریزوں کے ساتھ کھانے پینے کی عادت ڈالنے کے لیے یہ رسالہ لکھا جس میں انہوں نے اپنی مجتہدانہ ساعی کو بروئے کار لاتے ہوئے اہل کتاب کے کھانے کو جائز ثابت کیا ہے، اگرچہ اجتہاد کا حق انہیں حاصل نہیں تھا۔

(۶) "خطبات احمدیہ": سر ولیم کی کتاب "لائف آف محمد"، کے رد میں یہ رسالہ لکھا جس کو ایک انگریز سے انگریزی میں ترجمہ کروا کر لندن سے ۱۸۷۰ء میں شائع کرایا۔

اس کے علاوہ ان کی مشہور کتابوں میں سلسلۃ الملوک، تصحیح امین اکبریٰ رسالہ اسباب بغاوت ہند، لائف محمڈنز آف انڈیا، تحقیق لفظ نصاریٰ، تصحیح تاریخ فیروز شاہی وغیرہ شامل ہیں ان سب کے علاوہ بھی مضامین کا ایک طویل سلسلہ رسالہ "تہذیب الاخلاق"، میں ملتا ہے جس میں اُن کے بے شمار چھوٹے چھوٹے مضمون چھپتے رہے جو بعد میں اردو ادب کے لیے ایک قیمتی سرمایہ ثابت ہوئے۔

سر سید احمد کا ترجمۂ قرآن معہ تفسیر ابتدائی ۱۵ پاروں ہی تک مکمل ہو سکا اس کی پہلی جلد ۱۲۹۲ھ / ۱۸۸۰ء میں منظرِ عام پر آئی اور پھر وقتاً فوقتاً دوسری جلدیں شائع ہوتی رہیں۔ یہاں تک کہ ۱۸۹۵ء میں نصف قرآن کا ترجمہ مع تفسیر مکمل ہو سکا پھر زندگی نے وفا نہ کی اور ۱۳۱۵ھ / ۱۸۹۰ء میں علیگڑھ میں اُن کا انتقال ہو گیا اور کالج کے احاطہ ہی میں دفن کیے گئے۔ (۹۲)

۹۲۔ ڈاکٹر حامد حسن قادری، "داستان تاریخ اردو"، ص ۔ ۳۱۲ / ۳۲۱

فکرِ سرسید اور نیچریت

سرسید احمد خاں کا اپنی تمام تصانیف میں خصوصاً ۱۸۵۷ء کے بعد کے دور کی تصنیفات میں نیچریت کا رنگ غالب ہے وہ سمجھتے تھے کہ نوجوان مسلمان مغربی فلسفہ، سائنس پڑھ کر اسلام کے ہر عقیدے اور قانون کو عقل یعنی Nature (فطرت) سے جانچیں گے چنانچہ انہوں نے اسلام کے ہر عقیدے، قانون اور حکم کو عقل کے مطابق ثابت کرنے کی کوشش کی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے ر تفسیر میں تمام معجزات انبیاء کا انکار کر دیا۔ یہاں تک کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش، شیطان، فرشتے، جنت دوزخ، حساب وکتاب، میزان صراط وغیرہ کا انکار کرتے ہوئے اپنی طرف سے ان کی تاویلات پیش کیں جس کے باعث اس وقت کے تمام علماء کرام نے ان کی سخت مخالفت کی اور ان پر کفر و الحاد کے فتوے جاری کیے۔ ایسے تمام اختلافات کو مولوی الطاف حسین حالی نے اپنی کتاب "حیات جاوید" میں تفصیل سے بیان بھی کیا ہے (۹۳)

اس میں شک نہیں کہ سرسید احمد خاں ایک ایسی صلاحیت کے حامل انسان تھے جو بہت کم لوگوں کو نصیب ہوتی ہے اور انہوں نے اپنی اس صلاحیت کو بھرپور طریقے سے استعمال بھی کیا اور کسی حد تک وہ اس میں کامیاب بھی ہوئے مگر علوم دینیہ پر بے توجہی اور غیر ضروری اجتہاد کی وجہ سے وہ مذہب کے حوالے سے بلاضرورت ایسا کام کر گئے اور مسلمانوں کو ایک ایسی الجھن میں ڈال گئے جس میں وہ آج تک مبتلا ہیں۔ ان کے بعد ان کے متبعین نے مذہب ،

۹۳ے مولوی الطاف حسین حالی۔ حیات جاوید، ص ۔ ۵۲۲/ ۵۷۰

قرآن، حدیث کا دل کھول کر مذاق اڑایا، کسی نے حدیث کا انکار کر دیا کسی نے قرآن کے اصل متن کے معنی ہی بدل ڈالے۔ مولوی قمر احمد عثمانی نے اس دور کی اس جیسی تمام تحریکات کا تجزیہ اپنی کتاب "ہماری مذہبی جماعتوں کا فکری جائزہ" میں پیش کیا ہے۔ آپ اس سلسلے میں رقمطراز ہیں:۔

"ذہنی جمود کے خلاف بغاوت، مذہبی مسائل میں غور وفکر اور تحقیق وتفتیش، شرعی احکام ومسائل کے لیے عقلی بنیادیں مہیا کرنا، اور ان مسائل واحکام کو عقل وشعور سے ہم آہنگ بنانا وغیرہ۔ یہ سارے کام نہ علماء اہل حدیث انجام دے سکے اور نہ علماءٔ دیوبند مگر سرسید اور ان کے متبعین جن کو آزاد خیال مفکرین کہا جاسکتا ہے انہوں نے انجام دیے" (۹۴)

آگے چل کر رقمطراز ہیں:۔

"یہاں ایک اور تحریک کا ذکر کر دینا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے جو علمی حلقوں میں "اہل قرآن" کے نام سے پکاری جاتی ہے یہ تحریک "اہل حدیث" کی خاکستر سے ابھری کیونکہ اس تحریک کے اولین داعی ابتداً گروہ اہل حدیث۔ ہی سے تعلق رکھتے تھے۔ اہل حدیث نے فقہ سے اپنا رشتہ توڑا تو اس تحریک کے داعیوں نے حدیث سے بھی اپنا دامن جھٹک دیا۔ ان حضرات کا موقف یہ تھا کہ دینی مسائل کو سمجھنے کے لیے حدیث کی بھی کوئی ضرورت نہیں

۹۴؎ قمر احمد عثمانی "ہماری مذہبی جماعتوں کا فکری جائزہ" ص۔ ۱۱۷ مطبوعات مشرق کراچی ۱۹۶۲ء

بلکہ صرف قرآن ہی کافی ہے۔ اس نظریہ کی ابتدا مولوی عبداللہ چکڑالوی سے ہوئی۔ جنہوں نے اپنے اس دعوے کی تفصیلات میں بہت ہی مضحکہ خیز صورتیں پیدا کیں اور آگے چل کر مولانا محمد اسلم جیراجپوری نے "مرکز ملّت"، کی ایک نئی اصلاح بھی وضع فرمائی اور یہ مؤقف اختیار کیا کہ جن معاملات میں قرآن کریم اور عمل متواتر کی تفاصیل نہ مل سکیں انہیں "مرکز ملّت" متعین کرے گا۔ اگرچہ احادیث نے ان کو متعین کر دیا ہو لیکن مرکز ملت کو تبدیلی کا اختیار ہوگا۔" (۹۵)

برصغیر پاک و ہند میں انگریز کے قدم جمانے سے قبل یہاں صرف دو فرقے سُنی اور شیعہ آباد تھے۔ شیعہ فرقہ تناسب کے اعتبار سے بہت مختصر تھا سُنی مسلمانوں میں صوفیائے کرام کی تعلیمات اور عملی اصلاحات بہت نمایاں تھیں مگر انگریز کے قدم یہاں جب مضبوط ہونے لگے مسلمانوں کی حدت ملی میں زوال بڑھتا گیا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد کا مذہبی ماحول انیسویں صدی کے ابتدائی ماحول سے یکسر بدل گیا۔ مذہبی رہنمائی صوفیائے کرام کی بجائے انگریز نما مسلمان رہنماؤں کے ہاتھوں میں آگئی۔ خانقاہی نظام تعلیم و رشد و ہدایت کا سلسلہ منقطع ہو کر اسکول و کالج کے ماحول سے تبدیل ہوتا چلا گیا۔ انگریز کو ان علماء کی حمایت حاصل رہی جنہوں نے دین کے اندر عقلی دلائل کو فروغ دیا جس کے باعث جلد ہی برصغیر میں مسلمانوں کی وحدت ملّت کئی متفرقہ گروہوں اور فرقوں میں بٹ

---

۹۵ ۔ قمر احمد عثمانی۔ ہماری مذہبی جماعتوں کا فکری جائزہ ص ۱۲۱ مطبوعات مشرق کراچی ۱۹۷۳ء

گئی۔ علماء کی صف میں شاہ اسمٰعیل دہلوی اور مصلحین ملّت کی صفوں میں سرسید احمد خاں وحدت ملّت کے آئینہ کو پاش پاش کرنے میں نمایاں کردار ادا کر گئے جس کے نتیجے میں فرقے در فرقے یہاں جنم لینے لگے۔

سرسید احمد خاں سمیت کئی مذہبی رہنماؤں اور انگریز نواز علماء نے نصاریٰ کو خوش کرنے کے لیے بڑھ چڑھ کر اجتہاد کا مظاہرہ کیا۔ یہ اجتہاد فقہ کے ساتھ ساتھ عقائد میں بھی تیزی سے دخل انداز ہوا۔ ہر کوئی دین اسلام کو داؤ پر لگاتا ہوا نظر آتا ہے۔ دین کے اندر زریں اصولوں سے دوسروں کو متاثر کرنے کے بجائے خود انگریز سے متاثر نظر آتا ہے۔ ان مصلحین نے دین کے ساتھ مذاق کی انتہا کر دی کہ کوئی اہل قرآن کہلوانے پر فخر کر رہا ہے اور کوئی اہل حدیث کوئی نیچری ہو رہا ہے اور کوئی قادیانی، کوئی دیوبندی بن رہا ہے اور کوئی ندوی مگر کسی نے پلٹ کر ہند ہی میں اپنی تاریخ پر نگاہ نہیں ڈالی کہ ہمارے اسلاف کس دین کے پیرو کار تھے، کیا ان میں کوئی وہ عقائد رکھتا تھا جو ان کے تھے یہ کسی نے بھی نہ سوچا اور ہر کوئی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد تعمیر کرتا چلا گیا۔

سرسید احمد خاں کے متبعین نے نماز اور روزے تک کا انکار کر دیا اور وہ وقت بھی آیا جو اس زوال کی انتہا تھی کہ جھوٹی نبوّت کا دعویٰ بھی کر دیا گیا۔ یہ سب کیوں ہوا، اگر سرسید احمد خاں اور ان سے قبل کے انگریز نواز علماء عقلی اجتہاد کا مظاہرہ نہ کرتے تو ہرگز یہ نوبت نہ آتی مگر ہر کسی نے انگریز کو ضرور خوش کیا لیکن اللہ و رسول کو ناراض کیا۔ انگریز اپنی سازش میں کامیاب ہوا اور مسلمان ذلیل و خوار ہوا۔ یہ مصلحین اسی بات پر خوش رہے اور سرمایۂ افتخار سمجھتے رہے کہ ہم شمس العلماء ہیں، انگریز نے ہم کو خطاب دیا ہے مگر وہ قرآن کی اس

تعلیم کو بھول گئے کہ یہ تمام کفار و مشرکین جھوٹے ہیں کیونکہ ان کی گواہی اللہ کے یہاں ہر گز قبول نہیں۔ ان شمس العلماء نے اپنی اس گرمی سے دین کو جھلسا دیا۔

سر سید احمد خاں نے عقلی اجتہاد کی بنیاد ڈال کر جنّت و دوزخ، جن و فرشتہ، قضاو قدر اور انبیاء کرام کے معجزات کا انکار کیا لیکن وہ بھول گئے کہ ان کے اسلاف اور ماں باپ وہی عقیدہ رکھتے تھے جس سے وہ بغاوت کر رہے ہیں انہوں نے جو کچھ لکھا وہ اسلاف کے عمل نمونے سے مختلف تھا۔ اس کا اظہار خود انہوں نے کیا بھی کہ میں نے دین تقلید سے نہیں بلکہ معلومات جمع کر کے سیکھا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:۔

"میں نے اسلام کو ماں باپ کی تقلید سے نہیں بلکہ بقدر اپنی طاقت کے تحقیق کر کے تمام مذاہب معلومہ سے اعلیٰ اور عمدہ اور سچّا یقین کیا ہے۔" (۹۶)

کاش سر سید اپنی تحقیق اسلاف کے آئینے میں دیکھ لیتے تو پھر ان کی کوششوں سے اسلام کو ایک بڑی قوت حاصل ہوتی۔

اب سر سید احمد خاں کے ترجمۂ قرآن (۹۷) سے چند اقتباسات پیش کیے جا رہے ہیں تاکہ ان کی دینی حمیت کا اندازہ لگایا جا سکے:۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

خدا کے نام سے جو بڑا رحم والا ہے بڑا مہربان۔

۹۶؎ عشرت رحمانی "تہذیب اخلاق" لاہور ماہنامہ شمارہ ۱۰ جلد ۲۷ ص ۔ ۱۷، مطبوعہ لاہور ۱۹۸۹ء

۹۷؎ سر سید احمد خاں "ترجمہ/تفسیر قرآن" جلد سوم، چہارم، پنجم، ششم، مطبوعہ انڈیا۔

(۱) کہ (اے پیغمبر) کیا دیکھا ہے تم نے اپنے لیے اگر تم پر اللہ کا عذاب آوے یا تم پر بُری گھڑی آوے کیا خدا کے سوا اور کسی کو پکارو گے اگر تم سچے ہو (الانعام ۴۰ جلد سوم ص ۔ ۱۲)

(۲) اے آدم تو اور تیری جورو رہ اس جنّت میں پھل کھاؤ دونوں جہاں سے چاہو اور نہ پاس جاؤ اس درخت کے پھر تم دونوں ہو گے ظالموں میں سے
(الاعراف ۱۸، جلد سوم ص ۔ ۷۵)

(۳) اور وہ (ترے ساتھ) مکر کرتے تھے اور خدا (ان کے ساتھ) مکر کرتا تھا اور اللہ سب مکر کرنے والوں میں بہتر ہے ۔
(الانفال: ۳۰، جلد چہارم ص ۔ ۲۰)

(۴) کیا تم گمان کرتے ہو کہ تم چھوڑ دیے جاؤ گے اور ابھی نہیں ظاہر کیا اللہ نے ان لوگوں کو جو جہاد کرتے ہیں تم میں سے ۔
(توبہ: ۱۴، جلد چہارم ص ۔ ۷۹)

(۵) بیشک ہمارا باپ صریح گمراہی میں ہے ۔ (یوسف: ۸، جلد پنجم ص ۔ ۸۱)

(۶) ان لوگوں نے کہا کہ بخدا بیشک تو اپنی قدیمی گمراہی (یعنی غلط خیال اور الٹی سمجھ) میں پڑا ہوا ہے ۔ (یوسف: ۹۵، جلد پنجم ص ۔ ۸۵)

(۷) یہاں تک کہ جب نا امید ہو گئے رسول اور ان لوگوں نے گمان کیا کہ ان کے (یعنی رسولوں کی) طرف سے جھوٹ بولا گیا تو، آئی ان کے پاس ہماری مدد ۔ (یوسف: ۱۱۰، جلد پنجم ص ۔ ۸۹)

(۸) اگر تو تابعداری کرے ان کی خواہش کی بعد اس کے کہ آگیا ہے تجھ کو علم تو نہیں ہے ترے لیے اللہ سے کوئی حمایتی کرنے والا اور نہ بچاتے والا ۔

(۹) یعنی کہہ دے اے پیغمبر اگر جمع ہو جاویں اس یعنی شہروں کے رہنے والے اور "جن یعنی بدو،" جو خالص عربی زبان جاننے والے تھے اس بات پر کہ کوئی چیز اس قرآن کی مانند لاویں تو اس کی مانند نہ لاسکیں گے اگرچہ ایک دوسرے کے مددگار ہوں۔

(سورۃ اسریٰ، ۹۰ جلد ششم ص۔ ۱۳۸)

(۱۰) کہہ دے (اے پیغمبر) پاک ہے میرا پروردگار نہیں ہوں میں مگر آدمی بھیجا ہوا۔ (سورۃ اسریٰ: ۹۵ جلد ششم، ص۔ ۱۴۱)

ترجمہ/تفسیر کا تنقیدی جائزہ

مولوی عبدالحق حقانی صاحب "تفسیر فتح المنان،" نے سرسید احمد خان کے ترجمہ/تفسیر قرآن پر جو تنقید کی ہے اس کے بعد مزید تبصرے کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ آپ اپنی تفسیر کے مقدمے میں رقمطراز ہیں:۔

"تفسیر القرآن آنریبل سیّد احمد خاں بہادر دہلوی کی تصنیف ہنوز ناتمام ہے اس شخص نے ترجمہ شاہ عبدالقادر کو ذرا بدل کر ترجمہ لکھا ہے اور باقی اپنے خیالات باطلہ کو جو ملحدین یورپ سے حاصل کیے ہیں اور جن کے اتباع کا ان کے نزدیک ترقی قومی اور فلاح اسلام ہے اور بے مناسب آیات واحادیث واقوال علماء کو اپنی تائید میں لاکر الہام الٰہی کو تحریف کیا ہے۔ دراصل "یہ کتاب تحریف قرآن ہے اور خان بہادر کی اسی بے باکی اور الحاد کی وجہ سے تمام ہندوستان کے علماء نے تکفیر کا فتویٰ دیا

ہے"۔ (۹۸)

عاشق الٰہی میرٹھی

مولوی عاشق الٰہی میرٹھی ابن یار الٰہی ابن رحیم الٰہی (۱۲۹۸ھ/۱۸۸۱ء) میں میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم ۱۳۱۱ھ سے میرٹھ ہی میں شروع کی اور صرف دو سال میں کتب صحاح و دینیات ختم ہو گئی۔ ۱۳۱۵ھ میں مولوی فاضل کا امتحان پاس کیا اور مولوی رشید احمد گنگوہی (المتوفی ۱۹۰۵ء) سے بیعت کی۔ ۱۳۱۷ھ میں مدرس دوم کی حیثیت سے ندوۃ العلماء لکھنؤ میں ملازمت شروع کی۔ جلد ہی خیر المطابع کے نام سے ایک مطبع کھولا اور اپنا ترجمہ قرآن جو ۱۳۱۸ھ میں مکمل کیا تھا ۱۳۱۹ھ میں طبع کروایا۔ ۱۳۲۰ھ میں اس کا دوسرا ایڈیشن شائع ہوا اور اس کے ساتھ ہی اپنی تصنیف "اسلام" طبع کروائی۔ اس کاروبار سے اتنا نفع ہوا کہ تمام قرض اتر گیا اور حج فرض ہو گیا چنانچہ ۱۳۲۱ھ میں اپنے والد کے ساتھ پہلا حج کیا اس کے بعد مزید ۵ حج کیے اور پھر (۱۳۶۰ھ/۱۹۴۱ء) میں میرٹھ ہی میں انتقال ہوا۔ (۹۹)

عاشق الٰہی میرٹھی کے سوانحی خاکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کسی معروف مدرسہ میں تعلیم حاصل نہیں کی اور نہ ہی ان کے اساتذہ کا ذکر کہیں ملتا

---

۹۸ ۔ شیخ ابو محمد عبد الحق حقانی دہلوی، "تفسیر فتح المنان"، معروف بہ تفسیر حقانی جلد اول، ص ۔ ۱۵۲ ، مکتبہ العزیزیہ ، لاہور

۹۹ ۔ قاری فیوض الرحمٰن، "مشاہیر علماء دیوبند"، جلد اول ، ص ۔ ۲۴۲ ۔ ۲۴۴ ۔ المکتبہ العزیزیہ ، لاہور ۱۳۹۶ھ

ہے۔ ترجمہ قرآن کی تالیف کی تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۲۰ سال کی عمر میں قرآن کا ترجمہ مکمل کر لیا تھا جو یقیناً ایک تعجب خیز امر ہے۔ اس کے علاوہ ان کی تصانیف میں دو چار نام تو تاریخ میں ملتے ہیں جیسے "الاسلام"، "تذکرہ خلیل" اور "ارشاد السلوک"، وغیرہ مگر اس کے علاوہ اور تصانیف کا کہیں ذکر نہیں ملتا۔ مولوی عاشق الٰہی میرٹھی کی تصنیف میں صرف ترجمہ قرآن ہی سب سے اہم ہے جسے آپ نے صرف ۲۰ سال کی عمر میں مکمل کیا اور اپنے ہی مطبع سے چھپوا کر شائع کیا۔ اس طرح ترجمہ قرآن کی تاریخ میں سب سے کم عمر مترجم قرار دیے جا سکتے ہیں۔ اب ان کے ترجمہ قرآن (۱۰۰) سے چند اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں تا کہ ان کے اسلوب نگارش کا اندازہ لگایا جا سکے :۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑا رحم والا ہے

(۱) اللہ ہنسی کرتا ہے ان کے ساتھ اور ان کو ڈھیل دیتا ہے کہ اپنی سرکشی میں بہکے پھریں۔ (البقرۃ : ۱۵)

(۲) اگر تو چلا ان کی خواہشوں پر ان کے بعد کہ آچکا ترے پاس علم تو بیشک تو بھی ایسی حالت میں نافرمانوں میں ہوگا۔ (البقرۃ : ۱۴۵)

(۳) کیا وہ اس کے منتظر ہیں کہ آجاوے ان پر اللہ ابر کے سائبانوں میں۔ (البقرۃ : ۲۱۰)

(۴) (اے محمدؐ) پوچھ بنی اسرائیل سے کہ کتنی کچھ دیں ہم نے ان کو کھلی

۱۰۰؎ مولوی عاشق الٰہی میرٹھی "ترجمہ قرآن حمائل شریف"، تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی

نشانیاں۔ (البقرۃ : ۲۱۱)

(۵) اور یہود نے داؤ کیا اور داؤ کیا اللہ نے اور اللہ داؤ کرنے والوں میں بہتر ہے۔ (ال عمران : ۵۴)

(۶) کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ تم چلے جاؤ گے جنّت میں حالانکہ ابھی نہیں جانچا اللہ نے ان کو جو تم میں جہاد کرنے والے ہیں اور نہ جانچا ثابت قدم لوگوں کو۔ (ال عمران : ۱۴۲)

(۷) اور محمّد تو ایک رسول ہے کہ گزر چکے اس کے پہلے بہت رسول : اگر محمّد مر جائے یا مارا جائے تو کیا تم پھر لوٹ جاؤ گے الٹے پیروں۔ (ال عمران : ۱۴۴)

(۸) اور تا کہ اللہ معلوم کرے ایمان والوں کو ، اور تا کہ معلوم کرے ان کو جو منافق تھے۔ (ال عمران : ۱۶۷)

(۹) اور (اے محمّد) نہ خیال کرنا ان کو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں مرا ہوا : بلکہ وہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس ان کو روزی ملتی ہے۔ (ال عمران : ۱۶۹)

(۱۰) اور آدم نے نافرمانی کی پس گمراہ ہوئے۔ (طٰہٰ : ۱۲۱)

مولوی عاشق الٰہی میرٹھی کا کم سنی میں کیا ہوا ترجمہ قرآن زبان کے لحاظ سے سلیس اور خاصہ شستہ ہے۔ الفاظ بھی آسان اور سادہ استعمال کیے ہیں ، عبارت میں پیچیدگی بھی کم ہے ، محاورات کا استعمال کیا ہے مگر ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کے مقابلے میں بہت کم لیکن اکثر عبارت کا ترجمہ ڈپٹی صاحب سے ملتا جلتا ہے بعض مقامات پر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ تھوڑے بہت ردو بدل کے

ساتھ ڈپٹی نذیر احمد کے ترجمہ قرآن کو اپنے مطبع سے چھاپ دیا ہے۔

مولوی عاشق الہٰی میرٹھی کے ترجمہ قرآن میں بھی غیر محتاط اندازِ فکر موجود ہے۔ وہ نبی اور عام انسان کے منصب کا خیال نہ کرتے ہوئے آیات کا ترجمہ کرتے ہیں جس سے مقام رسالت مجروح ہوتا نظر آتا ہے۔ ان جملوں سے اس کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

"اگر محمدؐ مر جائے"، "پس گمراہ ہوئے"، "اے محمدؐ پوچھ بنی اسرائیل سے"، "اگر تو چلا ان کی خواہش پر"، وغیرہ یہ کتنے تعجب کی بات ہے کہ ترجمہ قرآن کرتے ہوئے ایک مسلمان مترجم بلا خوف اللہ کے رسول کی شان میں ایسے ناروا کلمات استعمال کرے۔

اسی طرح شان الوہیت کا بھی لحاظ نہیں رکھا گیا اور بے دھڑک لکھتے چلے گئے۔ یہ خیال تک نہیں رکھا گیا کہ جو الفاظ اللہ تعالیٰ کی شان میں استعمال کیے جا رہے ہیں وہ اس کے شایانِ شان بھی ہیں یا نہیں مثلاً چند کلمات ملاحظہ ہوں:۔

"اللہ ہنسی کرتا ہے"، "آ جائے اللہ ان پر ابر کے سائبانوں میں"، "اللہ داؤ کرتا ہے"، "حالانکہ ابھی اللہ نے نہیں جانچا"، "تاکہ اللہ معلوم کرے" اللہ ہی ان کو دغا دے گا وغیرہ۔

مولوی فتح محمد جالندھری

مولوی فتح محمد جالندھری ایک مشہور مترجم قرآن ہیں مگر اس کے علاوہ ان کی کسی اور تصنیف کا کہیں ذکر نہیں ملتا سوائے "مصباح القواعد" کے چنانچہ آپ کو بحیثیت ایک عالم کے مؤرخین نے اپنے

تذکروں یا کتب تاریخ میں جگہ نہیں دی ہے جس اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کا شمار علماء کے کس طبقے میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ پچھلے صفحات میں گزرا کہ مولوی فتح محمد ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کے ترجمے کو مرتب کرنے والی جماعت میں شامل تھے اور ان کے مسوّدے کو نقل کی خاطر اپنے ساتھ لے بھی گئے تھے بہت ممکن ہے کہ، یہ وہی ترجمہ ہو، جس کو انہوں نے اپنے نام سے چھاپ دیا، کیونکہ اس کے علاوہ کوئی اور اہم تصنیف آپ کی طرف منسوب نہیں ہے۔

مولوی فتح محمد جالندھری نے ترجمۂ قرآن ۱۳۱۸ھ میں مکمل کر لیا تھا اور پہلی مرتبہ ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء میں "فتح الحمید" کے نام سے امرتسر سے شائع ہوا۔ اس کے علاوہ آپ کا ترجمۂ قرآن بلا متن "نور ہدایت" کے نام سے بھی جالندھر سے شائع ہوا جو تاج کمپنی سے ۱۹۶۹ء میں پہلی مرتبہ پاکستان میں شائع ہوا۔

مولوی فتح محمد جالندھری نے اپنے ترجمے کے متعلق خود جو رائے پیش کی ہے اس کو ملاحظہ کیجیے:۔

"اس ترجمۂ قرآن میں جس امر کی زیادہ کوشش کی گئی ہے وہ یہ ہے کہ، سلیس اور با محاورہ ہو اور اس کے ساتھ مطالب قرآنی صحیح ادا ہوں۔ حق یہ ہے کہ قرآن مجید کا شستہ، شگفتہ، لطیف، شیریں، دلنشین اعلیٰ اور ادبی ترجمہ کرنا جوئے شیر کا لانا ہے اور میں نے جہاں تک میرے امکان میں تھا اسی طرح کا ترجمہ کرنے کی کوشش کی ہے، زبان ایسی اختیار کی گئی ہے جو شایانِ شان ذوالجلال والاکرام ہے صحت کے لحاظ سے اگر یہ ترجمۂ قرآن معتبر تفاسیر سے جانچا جائے گا تو کسوٹی پر کسا ہوا سونا نظر آئے گا... یوں سمجھیے کہ شاہ عبدالقادر

صاحب کا ترجمہ اگر مصری کی ڈلیاں ہیں تو یہ ترجمہ شربت کے گھونٹ' نہایت آسان۔ سرایع الفہم کہ پڑھتے جایئے اور مطالب سمجھتے جایئے ۔" (۱۰۱)

میں سمجھتا ہوں کہ ان کلمات کے بعد مزید حضرات کی آراء فتح محمد جالندھری کے ترجمۂ قرآن کے لیے مناسب نہیں بلکہ چند مقامات سے بطور نمونہ ترجمۂ قرآن (۱۰۲) پیش کیا جاتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع خدا کا نام لے کر جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

(۱) (اے پیغمبر یہ نیا قبلہ) تمہارے پروردگار کی طرف سے حق ہے تو تم ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہونا۔ (البقرۃ: ۱۴۷، ص ۔ ۲۳)

(۲) حالانکہ ابھی خدا نے تم میں سے جہاد کرنے والوں کو تو اچھے طرح معلوم کیا ہی نہیں اور (یہ بھی مقصود ہے) کہ وہ ثابت قدم رہنے والوں کو معلوم کرے۔ (ال عمران: ۱۴۲، ص ۔ ۴۴)

(۳) (اے پیغمبر) کافروں کا چلنا پھرنا تمہیں دھوکا نہ دے۔ (ال عمران: ۱۹۶، ص ۔ ۴۷)

(۴) تو (اے محمد) تم خدا کی راہ میں لڑو تم اپنے سوا کسی کے ذمہ دار نہیں ہو اور مومنوں کو بھی ترغیب دو قریب ہے کہ خدا کافروں کی لڑائی کو بند کر

---

۱۰۱ ۔ ڈاکٹر صالحہ شرف الدین "قرآن حکیم کے اُردو تراجم"، ص ۔ ۲۶۲

۱۰۲ ۔ مولوی فتح محمد جالندھری "ترجمۂ قرآن" صفحات ۵۸۵۔ تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی

دے .... (النساء: ۸۴، ص ۔ ۸۹)

(۵) منافق (ان چالوں سے) خدا کو دھوکا دیتے ہیں (یہ اس کو دھوکا دیں گے) اور وہ انہیں دھوکے میں ڈالنے والا ہے۔

(النساء: ۱۴۲، ص ۔ ۹۸)

(۶) (کافرو) اگر تم (محمّد صلی اللہ علیہ وسلم پر) فتح چاہتے ہو تو تمہارے پاس فتح آچکی۔ (الانفال: ۱۹، ص ۔ ۱۷۳)

(۷) (اے محمّد) اس وقت کو یاد کرو جب کافر لوگ تمہارے بارے میں چال چل رہے تھے کہ تم کو قید کر دیں یا جان سے مار ڈالیں یا (وطن) سے نکال دیں تو (ادھر تو) وہ چال چل رہے تھے اور ادھر خدا چال چل رہا تھا اور خدا سب سے بہتر چال چلنے والا ہے۔ (الانفال: ۳۰، ص ۔ ۱۷۴)

(۸) اور تمہارے لیے چار پایوں میں بھی (مقام) عبرت (غور) ہے کہ ان کے پیٹوں میں جو گوبر اور لہو ہے اس سے ہم تم کو خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لیے خوشگوار ہے۔ (النحل: ۶۶، ص ۔ ۲۶۴)

(۹) (اے محمّد) سورج ڈھلنے سے رات کے اندھیرے تک (ظہر، عصر، مغرب عشا) کی نمازیں اور صبح کو قرآن پڑھا کرو کیونکہ صبح کے وقت کا قرآن پڑھنا موجب حضور (ملائکہ) ہے۔ (اسریٰ: ۷۸، ص ۔ ۲۷۹)

(۱۰) تم کو پیغمبر: خدا کی پیروی (کرنی) بہتر ہے۔ (الاحزاب: ۲۱، ص ۔ ۴۰۴)

(۱۱) اسے پیغمبر تم بھی مر جاؤ گے اور یہ بھی مر جائیں گے۔ (الزمر: ۳۰، ص ۔ ۴۴۴)

(۱۲) تم نہ تو کتاب کو جانتے تھے اور نہ ایمان کو۔ (الشوریٰ: ۵۳، ص ۔ ۴۸۰)

(۱۳) اور اپنے گناہوں کی معافی مانگو اور مومن مردوں اور مومن عورتوں کے

لیے بھی .... (محمد: ۱۹، ص ۔ ۸۹۰)

(۱۴) ق ..... قرآن مجید کی قسم کہ محمد پیغمبر خدا ہیں۔ (ق: ۱، ص ۔ ۸۹۴)

(۱۵) اور رستے سے ناواقف دیکھا تو سیدھا رستہ دکھایا ۔ (والضحیٰ: ۷، ص ۔ ۸۷۵)

مولوی فتح محمد جالندھری کا ترجمہ قرآن زبان کے اعتبار سے سلیس اور آسان ہے اور اسلوب بیان ڈپٹی نذیر احمد دہلوی اور مولوی عاشق الٰہی میرٹھی سے قریب ہے اکثر مقامات میں ان تراجم میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا بس چند الفاظ کا ردّو بدل محسوس ہوتا ہے اور اگر پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد دہلوی کی پیش کردہ روایت درست ہے تو حقیقت میں فتح محمد جالندھری کا ترجمہ ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کا پہلا ترجمہ ہے۔

مولوی فتح محمد جالندھری بھی رسول اور نبی کا ترجمہ پیغمبر کرتے ہیں اور اکثر آیات میں وہ قوسین میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام نامی کو مخاطب کے صیغے میں (اے محمد) لکھتے ہیں۔ تعجّب کی بات ہے کہ رب ذوالجلال نے پورے قرآن میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اسم مبارک کو صرف ۴ مقامات پر استعمال کیا ہے۔ اس میں بھی سورۃ محمد کے علاوہ سورۃ ال عمران، سورۃ الاحزاب اور سورۃ فتح کی آیات میں نام نامی کو کلمہ توحید و رسالت کے جز ثانی کو مختلف زاویوں سے پیش کیا گیا ہے اس لیے نام نامی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا استعمال ضروری ہوا مگر اس کے علاوہ کہیں اور نام پاک استعمال نہیں ہوا جبکہ جالندھری صاحب اس اسم محمد کو کثرت کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔

بارگاہ رب العزت میں مقام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت کا یہ عالم ہے کہ قرآن میں آپ کو صرف صفاتی نام سے پکارا گیا مثلاً " یَآیُّھَا النَّبِیُّ "

يَا يُّهَا الرَّسُوْلُ، "يَآيُّهَا الْمُدَّثِّرُ". يَآيُّهَا الْمُزَّمِّلُ" وغیرہ مگر فتح محمد جالندھری صاحب اکثر آیات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو "اے محمد" لکھتے ہیں۔ بالفرض خطاب نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے سو مگر بارگاہ رسالت کا ادب اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت اسی بات کی متقاضی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک نہایت ادب سے لیا جائے "اے محمد" کی جگہ "پیارے محبوب"، "پیارے حبیب"، یا کم از کم "پیارے رسول" یا "اے رسول" استعمال کیا جانا چاہیے تاکہ ترجمہ پڑھنے والے کے دل میں صاحب قرآن کی عظمت کا سکہ بیٹھ سکے۔

سورۃ الحجرات میں رب العزت نے ان لوگوں کو جاہل اور گنوار قرار دیا جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے سے باہر آپ کا اسم ذاتی "اے محمد" پکار کر آواز دیتے تھے اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں ان کو بارگاہ رسالت میں حاضری کے آداب سکھلائے اور سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور باادب رہنے کی تعلیم دی ہے اور ساتھ میں تنبیہہ بھی کی کہ خبردار! محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو اپنی طرح نہ سمجھ لینا یہ ہمارے محبوب ہیں خبردار! نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح نہیں پکارنا جس طرح ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔

ارشاد خداوندی ہے:۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ۔ (الحجرٰت: ۴)

ترجمہ:۔ بیشک وہ تمہیں حجروں کے باہر سے پکارتے ہیں ان میں اکثر بے عقل ہیں[۱۰۳]

۱۰۳ے مولانا احمد رضا خاں قادری بریلوی "کنز الایمان" ص ۷۲۶

مولوی فتح محمد جالندھری نے بھی بارگاہ رسالت اور شان الوہیت میں اہم مقامات پر وہی غیر مناسب اور غیر محتاط الفاظ اور مفہوم استعمال کیے ہیں جو ان سے پیشتر مترجم کر چکے تھے مثلاً اللہ کا دھوکا دینا، داؤ لگانا، چال بازی کرنا، کسی فعل کا اقدام کرنا، رسول کا اللہ کی طرف سے ناامید ہونا، گناہوں کی معافی مانگنا، رسول کی ہدایت سے بھٹکا ہوا ہونا وغیرہ۔

مولوی فتح محمد جالندھری سورۃ النحل کی ۶۶ ویں آیت کا ترجمہ کرتے ہوئے ایک عمل کی نشاندہی کرتے ہیں جس میں وہ دودھ بننے کے عمل کو گوبر اور لہو سے بتاتے ہیں۔

قرآن دراصل اسی مقام پر ایک بہت ہی نادر عمل کی نشاندہی کر رہا ہے کہ جب غذا مادہ جانور کے پیٹ میں جاتی ہے تو پروردگار عالم نے ایسا نظام قائم کیا ہے کہ اس غذا سے پیدا ہونے والے خون اور فضلہ (گوبر) کے درمیان میں دودھ بن جاتا ہے پھر خون اور گوبر اپنے اپنے مقامات پر چلے جاتے ہیں اور دُودھ سینے میں جمع ہو جاتا ہے۔

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝ (النحل : ۶۶)

ترجمہ :- اور بے شک تمہارے لیے چوپایوں میں نگاہ حاصل ہونے کی جگہ ہے۔ ہم تمہیں پلاتے ہیں اس چیز میں سے جو ان کے پیٹ میں ہے گوبر اور خون کے بیچ میں سے خالص دُودھ۔ گلے

سے سہل اور ترتا پینے والوں کے لیے ہ ۱۰۴؎

نواب وحید الزماں

مولوی وحید الزماں ابن مسیح الزماں ابن نور محمد ابن شیخ احمد فاروقی ۱۲۶۷ھ/ ۱۸۵۰ء میں بمقام کانپور پیدا ہوئے اور ۱۳۳۸ھ/ ۱۹۲۰ء میں حیدر آباد دکن میں انتقال ہوا۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد مولوی مسیح الزماں (المتوفی ۱۲۹۵ھ) سے حاصل کی بعد ازاں درس نظامی کی سند مدرسہ فیض عام کانپور سے حاصل کی اور وہاں مندرجہ ذیل علماء سے اکتساب علم کیا۔ (۱۰۵)

مفتی عنایت احمد (مصنف علم الصیغہ)، مولوی محمد سلامت اللہ کانپوری، مولوی بشیر الدین قنوجی (مصنف شرح مسلم الثبوت) مولوی عبد الحئی لکھنوی، مولوی عبد الحق، سید محمد نذیر حسین عرف میاں صاحب (مصنف فتاویٰ نذیریہ) مولوی محمد لطف اللہ علیگڑھی وغیرہ۔

نواب وحید الزماں ابتدا میں بڑے پکے حنفی تھے اور اپنے عصر کے دستور کے مطابق سلسلہ قادریہ پھر نقشبندیہ میں مولانا فضل الرحمٰن گنج مراد آبادی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۱۳ھ/ ۱۸۹۵ء) سے بیعت تھے، (۱۰۶)، جن سے حدیث مسلسل بالترجمہ کی سند بھی حاصل کی، آپ کا اسی دور کا کتاب "نور الہدیہ، اور شرح وقایہ، کا ترجمہ بھی ملتا ہے۔ اس کے دیباچہ میں نہ صرف یہ وجوب تقلید

۱۰۴؎ مولانا احمد رضا خاں قادری بریلوی "کنز الایمان" ص ۔ ۲۸۸

۱۰۵؎ مولوی حکیم عبد الحئی "نزہتہ الخواطر"، جلد ۸ ص ۔ ۵۱۳

۱۰۶؎ مولوی رحمان علی "تذکرہ علمائے ہند"، (مترجم ڈاکٹر ایوب قادری) ص ۔ ۳۸۰

شخصی پر تفصیلی دلائل دیے ہیں بلکہ کئی ایک مقامات پر اہل حدیث کے مسائل پر تنقید وجرح بھی کی ہے لیکن اس کے بعد اپنے بڑے بھائی مولوی بدیع الزماں (المتوفی ۱۳۱۲ھ) جو واقعتہً بڑے واثق العقیدہ اہلحدیث تھے سے تبادلہ افکار وخیالات کے نتیجے میں آپ نے تقلید شخصی ترک کر دی تھی۔ (۱۰۷)
چنانچہ صاحب نزہتہ الخواطر رقمطراز ہیں:-

"كان شديدا فی التقليد فی بداية أمره، ثم رفضه وتحرر واختار مذهب اهل الحديث مع شذوذ عنهم فی بعض المسائل" (۱۰۸)

یعنی ابتداءً تقلید میں متشدد تھے پھر تقلید ترک کر کے آزاد فکر ہوگئے تھے اور مذہب اہل حدیث اصولاً اختیار کر لیا تھا تاہم بعض مسائل میں اہل حدیث سے تفرد بھی رکھتے تھے۔

مولوی وحید الزماں نے ایک سو کتابیں یادگار چھوڑی ہیں ان میں تراجم بھی ہیں اور تصنیفات وتالیفات بھی مگر زیادہ تر کتابیں فن حدیث ہی سے متعلق ہیں صحاح ستہ کی شروح کے علاوہ "موطا امام مالک" کا بھی ترجمہ کیا تھا۔ مسلک اہل حدیث کے اختیار کرنے سے قبل فقہ میں بھی کئی کتابوں کے ترجمے اور شروح لکھیں اس کے علاوہ لغت حدیث بھی مرتب کی۔ آپ کی ایک اہم کاوش قرآن پاک کا بامحاورہ ترجمہ اور تفسیر قرآن بھی ہے جس

۱۰۷۔ مولوی حکیم عبدالحئی "نزہتہ الخواطر" جلد ۸ ص۔ ۵۱۴

۱۰۸۔ ایضاً ص ۵۱۵

کا انھوں نے "موضحتہ الفرقان" کے نام سے ۱۳۲۱ھ/۱۹۰۲ء میں تکملہ کیا۔ اس کا
پہلا ایڈیشن ۱۳۲۳ھ/۱۹۰۵ء میں گیلانی پریس لاہور سے شائع ہوا جو آج کل
نایاب ہے اس کے علاوہ آپ نے تبویب القرآن لضبط مضامین الفرقان مع
"تفسیر وحیدی" بھی مکمل کی۔ اس کے بعد لغات القرآن اور "اشارۃ الاخوان
بفضائل القرآن" بھی تالیف فرمائی۔ علاوہ ازیں عقائد، وظائف اور مسائل
پر بھی کئی رسائل یادگار چھوڑے ہیں۔ آپ نے اپنی خود نوشت سوانح عمری بھی
لکھی تھی جو ۱۳۲۷ھ تک کے حالات پر مشتمل ہے۔ (۱۰۹)

اب مولوی وحید الزماں کے ترجمہ قرآن سے چند اقتباسات نمونے کے
طور پر پیش کیے جاتے ہیں یہ اقتباسات "تبویب القرآن" (۱۱۰) سے پیش کیے
جارہے ہیں:۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بہت مہربان ہے رحم والا

(۱) اللہ جل شانہٗ ان سے دل لگی کرتا ہے اور ان کو ڈھیلا چھوڑ دیتا ہے
شرارت میں بھٹکتے ہوئے۔ (البقرۃ: ۱۵)

(۲) مگر اس درخت کے پاس مت بھٹکو اگر ایسا کرو گے تو گنہگاروں
میں شریک ہو گے۔ (البقرۃ: ۳۵)

۱۰۹۔ مولوی محمد عطاء اللہ حنیف بھوجیانی: تعارف مولوی وحید الزماں (بحوالہ تبویب
القرآن) ص۔ ۳ ، ادارہ محمدیہ لاہور

۱۱۰۔ مولوی نواب وحید الزماں "تبویب القرآن"، صفحات ۹۲۷ ، ادارہ محمدیہ لاہور

(۳) اور (یاد کرو) جب ہم نے تم سے اقرار لیا (توریت پر عمل کرنے کا) اور طور (پہاڑ اکھیڑ کر) تمہارے سر پر لٹکا دیا۔ (البقرۃ: ۶۳)

(۴) اور (اے پیغمبر) جس قبلہ پر تو پہلے تھا (یعنی کعبہ) ہم نے اسی کو (دوبارہ) مقرر کر دیا اس کی غرض یہ تھی کہ ہم کو یہ بات کھل جائے کہ کون پیغمبر کی پیروی کرتا ہے اور کون اُلٹے پاؤں پھر جاتا ہے۔

(سورۃ البقرۃ: ۱۴۳)

(۵) اور تجھ کو جو علم (اللہ کی طرف سے پہنچا) اگر اس کے بعد تو ان کی خواہشوں پر چلے تو تیرا شمار بھی ظالموں میں ہو گا۔ (البقرۃ: ۱۴۵)

(۶) عورتیں کھیتی ہیں تمہاری اپنی کھیتی میں جس طرح سے (یا جہاں سے) چاہو آؤ.... (البقرۃ: ۲۲۳)

(۷) جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے عیسیٰ میں تجھے (وقت پر) اپنی موت سے ماروں گا (یہ یہودی تجھ کو نہیں مار سکتے) اور اپنے پاس تجھ کو اٹھا لوں گا.

(ال عمران: ۵۵)

(۸) ابراہیم نہ تو یہودی تھا نہ نصرانی تھا وہ تو ایک پکا مسلمان تھا اور مشرک نہ تھا۔ (ال عمران: ۶۷)

(۹) اور محمدؐ تو صرف رسول ہے (یعنی اللہ کا بھیجا ہوا بندہ) اس سے پہلے اور کئی رسول ہو گزرے ہیں کیا اگر وہ مر جائے یا مارا جائے تو تم الٹے پاؤں (اسلام سے کفر کی طرف) پھر جاؤ گے۔ (ال عمران: ۱۴۴)

(۱۰) (اے پیغمبر) خدا تعالیٰ کے ساتھ دوسرے کسی کو معبود نہ بنا پھر تو نکو (بدنام) اور خدا کی رحمت سے محروم ہو کر بیٹھے گا۔ (بنی اسرائیل: ۲۲)

(۱۱) تو (اے پیغمبر) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی دوسرے خدا کو (مشرکوں کی طرح) مت پکار پھر عذاب میں پڑ جائے۔ (الشعرآ: ۲۱۳)

(۱۲) اے پیغمبر کہدے میں تو تم سب لوگوں کی طرف (عرب ہوں یا عجم) اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا ہوں جس کی آسمان و زمین (سب جگہ) بادشاہت ہے۔ (الاعراف: ۱۵۸)

(۱۳) جیسے ہم نے اور پیغمبروں کو بھیجا (اسی طرح تجھ کو بھی) ایک گروہ کی طرف بھیجا جس سے پہلے کئی گروہ گزر چکے ہیں... (الرعد: ۳۰)

(۱۴) اے لوگو محمدؐ تم میں سے کسی مرد کا باپ نہیں البتّہ وہ اللہ تعالیٰ کا پیغمبر ہے اور پیغمبروں کا ختم کرنے والا۔ (الاحزاب: ۴۰)

(۱۵) تو (اے پیغمبر) ہم نے جو تجھ پر اتارا (یعنی قرآن) اس میں اگر تجھ کو شک ہو تو ان لوگوں سے پوچھ لے جو تجھ سے پہلے کی کتاب تورات پڑھتے ہیں۔ بے شک تیرے مالک کی طرف سے تجھ کو سچ کتاب پہنچ گئی۔ تو ہر گز شک کرنے والوں سے مت ہو ان لوگوں میں سے مت ہو جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیت کو جھٹلایا (ایسا کرے گا تو پھر تو) ٹوٹا پانے والوں میں سے ہو گا۔ (سورۃ یونس: ۹۴-۹۵)

(۱۶) اور (اے پیغمبر) تجھ کو یہ امید کہاں تھی کہ تجھ پر کتاب اُترے گی مگر یہ تو ترے مالک کی مہربانی ہوئی کہ تجھ پر قرآن شریف اترا۔ (سورۃ القصص: ۸۶)

(۱۷) کیا تو (اے پیغمبر) ان سے کچھ فیس مانگتا ہے (ہرگز نہیں) تیرے مالک کی فیس بہتر ہے اور وہ سب سے اچھی روزی دینے والا ہے۔

(سورۃ المومنون : ۷۲)

مولوی وحید الزمان جو عربی زبان کے ماہر سمجھے جاتے ہیں، کتب حدیث و فقہ کی کئی درجن کتابوں کے مؤلف و مترجم بھی ہیں جنہوں نے لغت القرآن بھی تالیف فرمائی ہے اور اصول وعقائد پر بھی کتابیں تصنیف فرمائی ہیں مگر محسوس یہ ہوتا ہے کہ قرآن کے معانی ومطالب پر ان کی نظر کمزور تھی اس کا اندازہ نمونتہً پیش کی گئی آیات سے لگایا جاسکتا ہے۔اس میں واضح طور سے یہ تاثر ملتا ہے کہ مولوی نواب وحید الزماں کے ترجمہ قرآن میں اپنے خیالات و افکار کی ترجمانی کا عنصر زیادہ غالب ہے جس کی وجہ سے سنجیدہ حلقہ اس ترجمہ قرآن پر اظہار اطمینان سے قاصر رہے۔ نواب صاحب کے ترجمہ قرآن میں غیر ضروری اضافے بہت زیادہ ہیں۔کہیں کہیں آپ نے اسی قسم کی بھی ترجمہ قرآن میں کوشش کی ہے کہ رسول کو بھی عوام کی صف میں لے آئے مگر یہ بات یقیناً منصب رسالت کے منافی ہے مثلاً :۔

(۱) محمد تو صرف رسول ہے اللہ کا بھیجا ہوا بندہ (۲) رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سوا اور کسی کو بھی معبود سمجھتے تھے (معاذ اللہ) (۳) کسی دوسرے خدا کو بھی پکارتے تھے (معاذاللہ) (۴) صرف عرب وعجم کے لیے رسول بن کر آئے (۵) بلکہ صرف ایک گروہ کے لیے (۶) خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی (معاذ اللہ) قرآن پر شک تھا (۷) آپ کو معاذ اللہ یہ خبر نہ تھی کہ آپ نبی بھی ہیں اور کوئی کتاب بھی ملے گی۔ وغیرہ...

نواب صاحب نے ترجمۂ قرآن میں اکثر مقامات پر انبیاء علیہم السلام کے لیے بہت ہی غیر مہذب الفاظ استعمال کیے ہیں مثلاً :۔

(۱) ابراہیم نہ تو یہودی تھا نہ نصرانی تھا (۲) محمّد تو کسی مرد کا باپ نہیں۔
(۳) اور اے پیغمبر جس قبلہ پر تو پہلے تھا۔ (۴) اے عیسیٰ میں تجھے اپنی موت سے ماروں گا۔

ان تراجم میں انبیاء کی تعظیم و تکریم کا مکمل فقدان ہے جب خود اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء سے اس طرح مخاطب نہیں ہوتا۔ وہ تو انبیاء کو مھذب تعلیم دینے کے لیے دنیا میں بھیجتا ہے پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ سقیم وغیر مھذب الفاظ انبیاء علیہم السلام کے لیے وہ خود استعمال کرے یہاں یہ ترجمہ کتنا عجیب ہے کہ "اے عیسیٰ میں تجھے اپنی موت سے ماروں گا"

اس آیت کا ترجمہ اتنا غیر ادبی و غیر فطری ہے کہ انسانی عقل اس کو قبول کرنے سے گریز کرتی ہے۔ آیت کا صحیح ترجمہ جو مھذّب بھی ہے اور روح قرآنی سے قریب بھی ہے ملاحظہ ہو۔

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ ۔

(آل عمران: ۵۵)

ترجمہ:۔ یاد کرو جب اللہ نے فرمایا اے عیسیٰ میں تجھے پوری عمر تک پہنچاؤں گا اور تجھے اپنی طرف اٹھالوں گا.... ٥ (۱۱۱)

نواب صاحب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن میں شک کرنے کی نسبت سے منسوب کر کے بھی بہت زیادہ غیر ذمہ داری کا ثبوت دیا ہے جبکہ قرآن خود فرما رہا ہے۔

۱۱۱؎ مولانا احمد رضا خاں قادری بریلوی، "کنز الایمان"، ص۔ ۸۴،

"لَا رَیْبَ فِیْہِ"، تو یہ کب ممکن ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود ہی قرآن میں شک کرنے لگیں اور پھر اس کی تصدیق یہود اور نصاریٰ سے کروائیں (معاذ اللہ) جب کہ قرآن توریت و انجیل کی خود تصدیق فرما رہا ہے۔ نبی اگر غیر نبی سے اپنا شک رفع کرے تو یہ نبی کی توہین ہے یہاں بھی بات وہی ہے کہ نواب صاحب نے آیت شریفہ کی ضمیر پر توجہ نہیں کی ورنہ وہ دھوکا نہیں کھاتے۔

فَاِنْ کُنْتَ فِیْ شَکٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ فَسْئَلِ الَّذِیْنَ یَقْرَءُوْنَ الْکِتٰبَ مِنْ قَبْلِکَ لَقَدْ جَآءَکَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّکَ فَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِیْنَ : ۹۴:
وَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِ اللّٰہِ فَتَکُوْنَ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ : ۹۵ : (سورہ یونس)

آیت مبارکہ میں کسی مخاطب کا نام نہیں لیا گیا اس لیے یہاں صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مراد لینا صریح غلطی ہے اور نص قرآنی کی خلاف ورزی بھی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:۔

وَلَنْ تَرْضٰی عَنْکَ الْیَھُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰی حَتّٰی تَتَّبِعَ مِلَّتَھُمْ ۔ (البقرۃ : ۱۲۰)

اور ہرگز تم سے یہود اور نصاریٰ راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کے دین کی پیروی نہ کرو ..... (۱۱۲)

۱۱۲ے مولانا احمد رضا خاں قادری "کنز الایمان"، ص ۔ ۲۷

غور طلب بات ہے کہ معاذاللہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہود اور نصاریٰ سے اگر اپنے مؤقف یا قرآن کی تصدیق کرواتے تو یہود و نصاریٰ یہ پروپیگنڈہ کرتے کہ یہ نبی اپنے تمام مواقف کی تصدیق ہم سے کرتے ہیں ۔ کیونکہ خود انہیں اپنے مؤقف اور قرآن پر یقین نہیں ہے۔ لہٰذا نبی اگر غیر نبی سے اپنے مؤقف کی تصدیق کر کے اس پر یقین کرے تو یہ نبی کی توہین ہے جو صریح غلطی ہے۔ ہاں یہ بات درست ہو سکتی ہے کہ مومنین میں سے یا نو مسلم کو کسی قسم کا ابہام ہو تو وہ اپنا شک ان لوگوں کی مدد سے رفع کر سکتا ہے۔اس لیے یہاں اُمّت یا اُمت کا عام آدمی ہو تو مراد ہو سکتا ہے نبی ہرگز ہرگز مراد نہیں ہو سکتا۔

مولوی وحید الزماں نے ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کی طرح نبی اور رسول کا ترجمہ پیغمبر ہی کیا ہے اور کہیں کہیں پیمبر بھی کیا ہے۔ اکثر آیات میں ڈپٹی نذیر احمد کی طرح توضیحی ترجمہ (محاورات کے ساتھ) کیا ہے مگر بعض مقامات پر بہت ہی نامناسب محاورات استعمال کیے ہیں مثلاً (۱) اے پیغمبر ان لوگوں میں سے مت ہو جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو جھٹلایا ایسا کرے گا تو پھر تو ٹوٹا پانے والوں میں ہو گا (۲) مگر اس درخت کے پاس مت پھٹکو (۳) پہاڑ کو اکھیڑ کر سر پر لٹکا دینا وغیرہ۔

مولوی وحید الزماں نے ایک اور مقام پر نص قرآنی کے خلاف ترجمہ کیا ہے۔ انہوں نے جماع کو ہر جگہ سے جائز سمجھ لیا مثلاً سورۃ البقرہ میں یہ ترجمہ ملاحظہ ہو :۔ " اپنی کھیتی میں جس طرح سے (یا جہاں سے) چاہو آؤ "۔

اس کا صاف صاف مطلب یہ ہوا کہ فرج کے علاوہ دبر سے بھی جماع ان کے نزدیک جائز ہے جب کہ حدیث مبارکہ میں دبر سے جماع کی سخت مناہی موجود ہے۔ ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں :۔

"لا ینظر اللہ الی رجل جامع امراتہ فی دبرھا" (۱۱۳)

ترجمہ :۔ اللہ اس شخص کی جانب نہ دیکھے گا جو عورت سے لواطت کرے۔

ایک دوسری حدیث میں حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں :۔

"قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انّ اللّٰہ لایستحیي من الحقّ ثلاث مّراتٍ لا تاتوا النّسآء فی ادبارھنّ" (۱۱۴)

ترجمہ :۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ حق بات کہنے سے حیا نہیں کرتا عورتوں سے ان کے پیچھے کی جگہ میں جماع نہ کرو آپ نے یہ بات تین بار فرمائی۔

مولوی وحید الزماں نے ترجمہ قرآن میں بیشتر مقامات پر اسلاف کی

---

۱۱۳ ابوعبداللہ محمد ابن یذید ابن ماجہ "سنن ابن ماجہ"، جلد اول باب ۶۱۷ حدیث ۱۹۹۲ ص ۔ ۵۲۸ فرید بک اسٹال لاہور ۱۴۰۳ھ

۱۱۴ ایضاً حدیث ۱۹۹۳

روش سے ہٹ کر ترجمہ کیا ہے جس کی چند مثالیں اوپر پیش کی گئیں۔ بہتر یہ ہوگا کہ ان کے پیرو کار ترجمہ پر نظر ثانی کریں اور ایسی عبادت کو تبدیل کر دیں جن میں تاویلات کی قطعی گنجائش نہیں ہے

عبداللہ چکڑالوی | غلام نبی المعروف مولوی عبداللہ چکڑالوی فرقہ "اہل قرآن" کے بانی تصوّر کیے جاتے ہیں۔ (۱۱۵) آپ حدیث سے استدلال کے قطعی منکر ہیں جس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے یہاں مختصراً ان کے ترجمہ قرآن کے متعلق کچھ عرض کیا جائے گا۔

عبداللہ چکڑالوی کا "ترجمۃ القرآن بہ آیات القرآن" تین جلدوں میں ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء میں اسٹیم پریس لاہور سے شائع ہوا تھا جو اب نایاب ہے البتہ مختلف کتب خانوں میں اس کے نسخے مل جاتے ہیں۔ مؤلف چونکہ "اہل قرآن" جماعت سے تعلق رکھتے ہیں اس لیے وہ آیات کی تشریح و تفسیر کے سلسلے میں احادیث سے قطعاً استفادہ ضروری نہیں سمجھتے چنانچہ موصوف خود لکھتے ہیں:۔

> "کتاب اللہ کے ہوتے ہوئے انبیاء اور رسولوں پر اختراع کیے ہوئے اقوال اور افعال یعنی احادیث قولی، فعلی اور تقریری پیش کرنے کا مرض ایک قدیم مرض ہے اور جس طرح مختلف اسلامی فرقے آج کل قرآن مجید کے سامنے احادیث پیش کرتے

۱۱۵۔ سید قاسم محمود "اسلامی انسائیکلو پیڈیا"، ص ۔ ۱۲۰ شاہکار بک فاؤنڈیشن

ہیں اور ان کو محمد سلام اللہ علیہ کی طرف سے منسوب کرتے ہیں
یہی حال ان لوگوں کا تھا جو آپ کے زمانے میں موجود تھے"(۱۱۶)

مولوی عبداللہ چکڑالوی مترجمین قرآن میں پہلے مترجم ہیں جنہوں نے حدیث پاک سے قطعی انکار کرتے ہوئے ترجمہ قرآن کیا تھا جس کی وجہ سے ان کو کثرت کے ساتھ تاویلات سے کام لینا پڑا جس نے دین کی ہیئت کو ہی بدل ڈالا مثلاً سورۃ بقرۃ کی آیت : وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِیْسَ ط : ۳۴ : کی تشریح بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ "اس جگہ سجدہ سے مراد صرف محض فقط خاص زبان سے معافی مانگنی ہے۔" (۱۱۷)

مولوی عبداللہ چکڑالوی کا ترجمہ قرآن تشریحی اور توضیحی زیادہ ہے اور آیات کی تشریح آیات ہی کی مدد سے کرنے کی کوشش کی گئی ہے یہاں صرف سورۃ فاتحہ کا ترجمہ نمونتاً پیش کیا جاتا ہے :-

"سب قسم اور ہر طرح کی تعریف اللہ ہی کے لیے مختص ہے جو پروردگار ہے تمام مخلوقات کا اور عام بخشش کرنے والا (تمام مخلوق پر) اور بہت ہی مہربان (فرمانبردار بندوں پر) اور حاکم دن جزا اعمال ذوی العقول کا۔ اے اللہ خاص تیری ہی ہم تعظیم

---

۱۱۶ مولوی عبداللہ چکڑالوی "ترجمہ القرآن بہ آیات القرآن"، جلد اول ص-۱۰۳
اسٹیم پریس لاہور ۱۹۰۷ء

۱۱۷ ایضاً ص-۲۹

کرتے ہیں اور صرف تجھی سے بلا اسباب ہم مدد مانگتے ہیں چلائے رکھ ہم کو اوپر رستہ کہ جو ہر طرح سیدھا اور پختہ ہے۔" (۱۱۸)

مترجم نے یہاں "نعبد" یعنی عبادت کا ترجمہ عقلی تاویل کی روشنی میں "تعظیم" کیا ہے جس سے عبادت الٰہی کا مفہوم مکمل طور پر ساقط ہو جاتا ہے یقیناً جب قرآنی الفاظ کے اول مفسر اور شارح کے اقوال کا انکار کیا جائے گا تو یہی نتیجہ نکلے گا کہ عبادت الٰہی کا مفہوم صرف تعظیم تک محدود ہو کر رہ جائے تعجب ہے ان کو قرآنی الفاظ میں کیونکر صداقت نظر آگئی کیونکہ قرآنی الفاظ بھی ان ہی افراد کے سینوں میں محفوظ رہے جنھوں نے احادیث کو بھی قرآن کی طرح سینوں میں محفوظ رکھا تھا۔ اگر احادیث کے مجموعے قابل قبول نہیں تو پھر قرآنی الفاظ بھی مشکوک ہو جاتے ہیں۔ مترجم نے پوری تفسیر میں کہیں بھی حدیث سے استعمال کو روا نہیں رکھا، صرف عقلی اور آزاد خیالی کے افکار کو زیادہ جگہ دی ہے۔

مولوی محمد عبدالحق حقانی دہلوی

مولوی عبدالحق بن محمد امیر حنفی دہلوی گمتھلا ضلع انبالہ میں ۱۲۶۷ھ میں پیدا ہوئے (۱۱۹) ابتدائی تعلیم اپنے وطن ہی میں حاصل کی پھر کانپور پہنچے اور مولانا عبدالحق بن غلام رسول حسینی سے بعض درسی

۱۱۸ے مولوی عبداللہ چکڑالوی "ترجمۃ القرآن بہ آیات القرآن"، جلد اول، ص ۔ ۸

۱۱۹ے مولوی حکیم عبدالحئی لکھنوی، "نزہتہ الخواطر"، الجزالثامن ص ۔ ۲۳۲

کتابیں پڑھیں اور بلند پایہ کتب مولانا لطف اللہ (المتوفی ۱۳۳۴ھ) بن اسد اللہ علی گڑھی سے پڑھیں اس کے بعد دہلی جاکر سید نذیر حسین دہلوی (المتوفی ۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء) (۱۲۰) سے بھی استفادہ کیا۔ فارغ التحصیل ہونے کے بعد مدرسہ فتحپوری دہلی (ف) میں تدریس پر مامور ہوئے جہاں درس و افتاء کا سلسلہ ایک زمانے تک جاری رہا پھر وہیں سکونت اختیار کرلی تدریس کو ترک کرکے تصنیف میں مشغول ہوئے اور حیدر آباد سے وظیفہ حاصل کرنے کی کوشش کی جس میں کامیاب ہوئے۔ کئی کتابیں تصنیف کیں جن کے باعث ہند میں ان کی شہرت عام ہوئی۔

مولوی عبدالحق کو آخری عمر میں مدرسہ عالیہ کلکتہ کے اراکین نے بلا بھیجا جہاں پانچ سو روپے ماہانہ تنخواہ مقرر ہوئی۔ مولوی عبدالحق حقانی دہلوی کو انگریز حکومت کی طرف سے "شمس العلماء" کا خطاب بھی ملا۔ آپ

---

۱۲۰ ۔ ابو یحییٰ امام خاں نوشہروی "تراجم علمائے حدیث ہند" ص ۔ ۱۳۳،

ف ۔ نوٹ: یہ مسجد ۱۶۵۰ء میں ملکہ فتحپوری بیگم (زوجہ شاہجہان بادشاہ) نے بنوائی تھی (بحوالہ سرسید احمد خاں آثار الصنادید ص ۔ ۵۶) مسجد فتحپوری میں مفتی شاہ محمد مسعود (المتوفی ۱۸۹۲ء) نے ۱۸۷۸ء میں دالعلوم عربیہ (مدرسہ عالیہ) قائم کیا اور درس حدیث کا سلسلہ شروع کیا یہ دار العلوم آپکے ہی فیضان کا مرہون منت ہے۔ (بحوالہ ڈاکٹر محمد مسعود احمد "حیات مظہری" ص ۔ ۲۱، مدینہ پبلشنگ کمپنی، کراچی، ۱۳۹۴ھ)

کی تصانیف میں اصول فقہ کی کتاب "حسامی کی تعلیق"، "عقائد اسلام"، "اصول دین"، "البیان فی علوم القرآن"، اور "تفسیر فتح المنان"، معروف بہ "تفسیر حقانی"، جو کئی جلدوں پر مشتمل ہے بہت معروف ہیں۔ مولوی حقّانی کی تفسیر اُردو زبان میں ہی معروف ہے تفسیر کے ساتھ ترجمہ بھی آپ نے خود فرمایا۔ اگرچہ آپ مترجم سے زیادہ مفسر کی حیثیت سے تسلیم کیے جاتے ہیں مگر یہاں ہم ان کو مترجم کی حیثیت سے دیگر تراجم کے ساتھ ان کے ترجمۂ قرآن کا موازنہ کریں گے۔ آپ کا انتقال ۱۲ جمادی الاول ۱۳۳۵ھ میں ہوا۔ (۱۲۰)

اب حقّانی صاحب کے ترجمۂ قرآن سے چند آیات کا ترجمہ نمونتہً پیش کیا جائے گا۔ تاکہ آپ کی علمی بصیرت کا اندازہ لگایا جا سکے۔ موصوف کی تفسیر ترجمہ کی طباعت ۱۳۰۵ھ میں شروع ہوئی اور آخری جلد ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء میں مجتبائی پریس دہلی سے پہلی بار شائع ہوئی پھر پاک و ہند کے مختلف شہروں میں برابر چھپتی رہی۔ یہاں آپ کا ترجمہ المکتبہ العزیزیہ لاہور سے شائع ہونے والے نسخے سے لیا گیا ہے۔ (۱۲۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع اللہ کے نام سے جو نہایت رحم والا بڑا مہربان ہے

(۱) یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی بھی شک نہیں۔ (سورۃ بقرہ: ۲)

(۲) حالانکہ اللہ ان سے دل لگی کیا کرتا ہے اور ان کو ان کی گمراہی میں ڈھیل

۱۲۱۔ شیخ ابو محمد عبدالحق حقانی دہلوی، "تفسیر حقّانی"، جلد الثانی ص ۵۹۔ المکتبہ العزیزیہ لاہور

دے رہا ہے۔ (سورۃ بقرہ : ۱۵)

(۳) اور اگر آپ نے علم حاصل ہو جانے کے بعد بھی ان کی خواہشوں کی پیروی کی تو بے شک اس وقت آپ بھی ستمگاروں میں سے ہوں گے۔ (سورۃ البقرہ : ۱۴۵)

(۴) اور یہود نے داؤ کیا اور خدا نے ان سے داؤ کیا اور اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے۔ (سورۃ اٰل عمران : ۵۴)

(۵) اور ابھی تک تو خدا نے تم میں سے جہاد کرنے والوں کو اور صبر کرنے والوں کو جانچا بھی نہیں۔ (سورۃ اٰل عمران : ۱۴۲)

(۶) اور محمدؐ بجز اس کے کہ رسول ہیں (اور) کیا ہیں ان سب سے پہلے بہت سے رسول گزرے ہیں۔ پھر اگر وہ (خود) مر گئے یا (اور کسی طرح) مارے گئے (تو) کیا تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے۔ (سورۃ اٰل عمران : ۱۴۴)

(۷) اے بنی آدم تم کو شیطان نہ بہکانے پائے جیسا کہ تمہارے ماں باپ کو جنّت سے کپڑے اُتروا کر نکلوا دیا تھا ان کا ستر دکھانے کے لیے۔

(سورۃ اعراف : ۲۷)

(۸) اے لوگو تمہارا رب وہی اللہ ہے جس نے آسمان اور زمین کو چھ روز میں بنا دیا پھر عرش پر جا بیٹھا۔ (سورۃ اعراف : ۵۴)

(۹) اللہ کو بھول گئے سو اللہ بھی انہیں بھول گیا۔ (سورۃ توبہ : ۶۷)

(۱۰) (لوگو) بیشک تمہارے پاس تمہیں میں سے ایک رسول آگئے کہ جس پر تمہاری تکلیف شاق گزرتی ہے جس کا تمہاری بھلائی کا ہوکا ہے۔ وہ مسلمانوں پر نہایت شفیق اور مہربان ہیں۔ (سورۃ توبہ : ۱۲۸)

(۱۱) یہاں تک کہ ڈھیل دی تھی کہ رسول بھی ناامید ہو چکے تھے اور خیال کرنے لگے تھے کہ ان سے غلط وعدے کیے گئے تھے تب فوراً ان کے پاس ہماری مدد پہنچی۔ (سورۃ یوسف: ۱۱۰)

(۱۲) البتہ تمہارے لیے رسول اللہ کی پیروی بہتر تھی۔(سورۃ احزاب: ۲۱)

(۱۳) محمدؐ تم میں سے کسی مرد کا باپ نہیں (زید کا بھی نہیں لیکن وہ اللہ کے رسول اور سب نبیوں پر مہر ہیں۔ (سورۃ احزاب: ۴۰)

(۱۴) آپ کو کھلم کھلا فتح دی۔ تاکہ اللہ آپ کے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کر دے۔ (سورۃ الفتح: ۲)

مولوی عبدالحق حقانی جن کا شمار ہند کے چوٹی کے علماء میں ہوتا ہے وہ صرف علوم دین ہی پر نہیں بلکہ دوسرے علوم پر بھی اچھی دسترس رکھتے تھے۔ منقولات اور معقولات پر ان کی ابحاث کو تفسیر حقانی میں دیکھا جا سکتا ہے۔ قرآن، حدیث، فقہ کے علاوہ بھی اپنی تفسیر میں مختلف علوم و فنون پر مدلل بحث کی ہے مگر یہاں صرف ان کے ترجمہ سے چونکہ غرض ہے اس لیے ان کے ترجمے کے متعلق اظہار خیال کیا جا رہا ہے۔

مولوی حقانی صاحب نے ترجمۂ قرآن میں تمام مترجمین سے ہٹ کر اسلوب اختیار کیا نہ تو ڈپٹی نذیر احمد دہلوی کی طرح غیر ضروری محاورات استعمال کیے نہ فتح محمد جالندھری اور اشرف علی تھانوی کی طرح عبارت کو طول دیا۔ اسی طرح دہلوی برادران کی طرح لفظی یا انتہائی مختصر عبارت سے گریز کیا۔ البتہ جگہ جگہ مطلب واضح کرنے کے لیے بین قوسین عبارت بڑھا کر ربط اور تسلسل پیدا کرنے کی کوشش ضرور کی ہے۔ زبان شستہ اور آسان ہے اسلوب

عالمانہ ہوتے ہوئے بھی واضح اور عام فہم ہے ترجمہ ایک بار ربط عبارت معلوم ہوتا ہے۔ جس سے پڑھنے والے کو یقیناً سیری حاصل ہوتی ہے مگر مولوی عبدالحق حقانی نے بھی وہی غیر محتاط طریقہ دہرایا ہے۔ جو ان سے پہلے کے مترجمین اپنے اپنے ترجمہ قرآن میں اختیار کر چکے ہیں۔ سب سے زیادہ افسوس کا پہلو یہ ہے کہ مولوی حقانی صاحب نے اس بات کا خیال ترجمہ کے وقت نہیں رکھا کہ جو الفاظ اور لہجہ ایک عام انسان کے لیے استعمال ہوتا ہے وہ کسی نبی یا رسول کے لیے کیسے مناسب ہے۔ بعض مقامات پر اتنا سخت لہجہ ہے کہ ترجمہ کے الفاظ پڑھتے ہوئے خوف محسوس ہوتا ہے مثلاً "محمدؐ تم میں سے کسی مرد کا باپ نہیں"، "تمہارے ماں باپ کو جنت سے کپڑے اتروا کر نکلوا دیا تھا"، "تمہاری بھلائی کا ہو کا ہے"، "رسول بھی ناامید ہو چکے"، "اللہ کا داؤ سب سے بہتر ہے"، "اللہ ان سے دل لگی کیا کرتا ہے"، وغیرہ۔

آپ سے قبل چونکہ ان ہی کے ہم خیال کئی مترجمین کے تراجم کا تفصیلی تجزیہ کیا جا چکا ہے اس لیے یہاں مزید تجزیہ سے گریز کیا جا رہا ہے اور ان آیات کا جو صحیح ترجمہ ہو سکتا ہے وہ بھی بیان کیا جا چکا ہے اس لیے اب مزید تفصیل کی یہاں ضرورت نہیں۔ یہ کہنا آپ کے حق میں کافی ہے کہ آپ کی یہ کوشش قابل ستائش ہے اگر چند اہم مقامات پر ان کے پیرو کار ترجمہ کی تصحیح کر دیں تو یہ اردو زبان کا ایک بہترین ترجمہ بن سکتا ہے جو عام اور آسان ہونے کے ساتھ ساتھ عبارت کی پیچیدگیوں سے مبرا ہے۔

٭٭٭

مولوی اشرف علی تھانوی

مولوی اشرف علی تھانوی بن عبدالحق فاروقی ۵، ربیع الثانی ۱۲۸۰ھ/ ۱۸۶۳ء کو تھانہ بھون ضلع مظفر نگر میں پیدا ہوئے۔ عبدالغنی نام تجویز ہوا لیکن حافظ غلام مرتضیٰ مجذوب پانی پتی نے آپ کا نام اشرف علی تجویز کیا جو بعد میں معروف ہوا۔ (۱۲۲)

فارسی کی متوسطات اور عربی کی بعض ابتدائی کتابیں مولوی فتح محمد سے تھانہ بھون میں ہی پڑھیں۔ فارسی کی کچھ اعلیٰ کتابیں اپنے ماموں واجد علی صاحب سے پڑھیں اس کے بعد ۱۲۹۵ھ سے دارالعلوم دیوبند میں عربی کی متوسطات سے لے کر آخر تک کی کتابیں پڑھیں۔ دیوبند میں آپ نے مولوی یعقوب صدیقی نانوتوی (المتوفی ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۶ء) (۱۲۳) سے بعض علوم کی مصنفات پڑھیں۔ اس کے علاوہ آپ نے مولوی محمود الحسن دیوبندی (المتوفی ۱۳۳۹ھ/ ۱۹۲۰ء) (۱۲۴) مولوی سید احمد دیوبندی، مولوی عبدالعلی میرٹھی (المتوفی ۱۳۴۷ھ/۱۹۲۹ء) (۱۲۵) سے مختلف علوم پر کتابیں پڑھیں۔ مولوی اشرف علی نے ۲۱ سال میں فارغ التحصیل ہو کر کانپور میں ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳ء) سے بطور معلم اپنی زندگی کا آغاز کیا۔ اسی سال حج و زیارت کے لیے سفر کیا جہاں حاجی امداد اللہ مہاجر مکی (المتوفی ۱۳۱۷ھ/

۱۲۲۔ خواجہ عزیز الحسن مجذوب "اشرف السوانح"، جلد اول ص۔ ۱۷، مطبوعہ لاہور

۱۲۳۔ مولوی فیوض الرحمٰن "مشاہیر علماء دیوبند"، ص۔ ۶۲۸، المکتبۃ العزیزیہ لاہور ۱۳۹۶ھ

۱۲۴۔ مولوی فیوض الرحمٰن "ایضاً" ص۔ ۵۶۸ ایضاً

۱۲۵۔ ایضاً ایضاً ص۔ ۲۰۶ ایضاً

۱۸۹۹ء) سے ملاقات ہوئی۔ مرید ہوئے بلکہ اجازت و خلافت سے بھی نوازے گئے۔ (۱۲۶)

کانپور سے قطع تعلق کر کے ۱۳۱۵ھ/۱۸۹۷ء سے تھانہ بھون ہی کو مستقل طور پر مستقر بنایا پھر تا حیات وہیں رہے۔ آپ کی تصنیف کردہ چھوٹے بڑے رسائل اور کتابوں تعداد مولوی فیوض الرحمٰن نے ۸۰۰ سو کے قریب بتائی ہے (۱۲۷) جب کہ پروفیسر عبدالقیوم نے کتب و رسائل کی تعداد صرف چار سو بتائی ہے۔ (۱۲۸) اس کے برخلاف شیخ محمد اکرام نے یہ تعداد آٹھ سو تک بتائی ہے۔ (۱۲۹) مگر کسی نے بھی کتابوں کی فہرست نہیں بتائی اور نہ ہی موضوعات کا ذکر کیا کہ کن کن موضوع پر یہ تصنیفات تحریر کی گئی ہیں۔

مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کی درس و تدریس میں ۱۴ سال مشغولیت کے بعد زیادہ تر توجہ تصنیف و تالیف پر مرکوز رہی۔ تھانہ بھون میں خانقاہ امدادیہ کو مرکز بنایا، یہاں پر آپ نے لوگوں کی تعلیم و تربیت کا سلسلہ شروع کیا، دیگر علوم و فنون کی تعلیم کے علاوہ ان کا اصل موضوع اخلاقیاتِ تصوّف رہا، ان کے نزدیک عقیدہ اور عمل کا راستہ استوار کرنے کے لیے محض عقلی اپیل کافی نہیں یہ کام اس وقت انجام پاسکتا ہے جب عقیدہ کی اصلاح کے ساتھ ساتھ جذبات کی اصلاح بھی ہو اور یہ کام تصوّف کے ذریعے ہی انجام دیا

۱۲۶ے اردو دائرۃ المعارف الاسلامیہ جلد دوم ص۔۹۳۷ دانش گاہ پنجاب ۱۹۷۲ء

۱۲۷ے مولوی فیوض الرحمٰن "مشاہیر علماء دیوبند"، ص ۔ ۶۸

۱۲۸ے پروفیسر عبدالقیوم "تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان و ہند" جلد دوم، ص ۹۔ بہ جامعہ پنجاب ۱۹۷۲ء

۱۲۹ے شیخ محمد اکرام "موجِ کوثر"، ص۔

جاسکتا ہے۔ (۱۳۰)

علماء دیوبند نے تھانوی صاحب کی بے حد پذیرائی کی ہے۔ یہاں صرف ان کے تلمیذ رشید اور مرید خاص مولوی عبدالماجد دریا آبادی کی تحریر پیش کی جارہی ہے تاکہ اس سے ان لوگوں کی نظر میں ان کے مقام کی وضاحت ہو سکے۔

"مولانا علم و تفقہ، تصوّف و شریعت کے جامع، حسن وعمل کے زندہ پیکر اور ارشاد و اصلاح کے فن کے تو بادشاہ وقت تھے۔ دوسرے مشائخ کو ان سے کوئی نسبت ہی نہ تھی۔ شیخ سعدی اگر آج ہوتے تو عجب نہیں کہ اپنا نسخہ گلستان بہ غرض اصلاح ان کی خدمت میں پیش کرتے۔ حضرت غزالی" ہوتے تو عجب نہیں کہ احیاء علوم الدین کی تصنیف میں اسناد و استفادہ ان سے سطر سطر پر کرتے رہتے۔" (۱۳۱)

مولوی اشرف علی تھانوی کی تصانیف علوم دینیہ یعنی نقلیہ کے موضوعات پر تو موجود ہیں مگر علوم عقلیہ یعنی علوم جدیدہ پر کوئی رسالہ یادگار نہیں۔ ان کی تصنیفات و تالیفات میں زیادہ تر چھوٹے چھوٹے رسائل پائے جاتے ہیں جو عموماً ان کے خطبات یا مواعظ حسنہ پر مشتمل ہیں۔ ان کی تصانیف کی تعداد پر مؤرخین میں اختلاف پایا جاتا ہے اور عجب تر یہ کہ ان مختلف الاعداد تصانیف کے ثبوت میں کتابوں

۱۳۰۔ خورشید احمد "تاریخ مسلمانان پاک و ہند"، جلد دہم حصہ اول، ص ۔ ۲۰۶

۱۳۱۔ مولوی عبدالماجد دریا آبادی "آپ بیتی"، ص ۔ ۳۵۹ مکتبہ فردوس مطبوعہ لکھنو ۱۹۷۸ء

کی تفصیل پیش نہیں کر سکے۔ ان کی مشہور تصانیف میں ترجمۂ قرآن اور تفسیر کے علاوہ فتاویٰ امدادیہ، بہشتی زیور، حفظ الایمان، نشر الطیب فی ذکر الحبیب، التعرف الی التصوف وغیرہ بہت مشہور ہیں۔

مولوی تھانوی صاحب اگرچہ علمائے دیوبند میں کثیر التصانیف عالم ہیں مگر تحریر میں اعتدال کا دامن چھوڑ دیتے ہیں۔ خاص کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات وصفات سے متعلق جب ذکر کرتے ہیں اکثر غیر مناسب الفاظ استعمال کر جاتے ہیں۔ ترجمۂ قرآن کے علاوہ "بہشتی زیور" میں بھی مقامات پر غیر شائستہ الفاظ استعمال کیے ہیں۔ اس کے علاوہ "حفظ الایمان" جو چند صفحات پر مشتمل مختصر کتابچہ ہے اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کے متعلق انتہائی گستاخانہ الفاظ میں اظہار خیال کرتے ہیں مثلاً :-

> "غیب سے مراد بعض غیب ہیں یا کل غیب، اگر بعض علوم غیب مراد ہیں تو اس میں حضور ہی کی کیا تخصیص ہے، ایسا علم غیب تو زید وعمرو بلکہ ہر صبی و مجنوں بلکہ جمیع حیوانات و بہائم کے لیے بھی حاصل ہے۔" (۱۳۲)

یہ دراصل علماء دیوبند کے عقائد کی ترجمانی ہے کیونکہ اس سلسلے میں مولوی رشید احمد گنگوہی (المتوفی ۱۳۲۳ھ) جو دارالعلوم دیوبند کے بانیوں میں شمار ہوتے ہیں "فتاویٰ رشیدیہ" میں ایک استفتا کا جواب تحریر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :-

---

۱۳۲۔ مولوی اشرف علی تھانوی "حفظ الایمان" (۱۳۱۹ھ) ص۔۸ کتب خانہ اشرفیہ جامع مسجد دہلی

"علم غیب خاص حق تعالیٰ کا حق ہے اس لفظ کو کسی تاویل سے دوسرے پر اطلاق کرنا ایہام و شرک سے خالی نہیں اور یہ عقیدہ رکھنا کہ آپ کو علم غیب تھا صریح شرک ہے۔" (۱۳۳)

قرآن پاک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم کے متعلق ارشاد فرماتا ہے:

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط..... : ۱۱۳ : (النساء)

ترجمہ:۔ اور تمہیں سکھا دیا جو کچھ تم نہ جانتے تھے ط.... (۱۳۴)

اس آیت کی تفسیر بیان کرتے ہوئے علامہ بیضاوی رقمطراز ہیں:۔

(وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط) من خفیات الامور و من امور الدین والاحکام۔ (۱۳۵)

صاحب تفسیر جلالین حاشیہ میں رقمطراز ہیں:۔

(وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ط) "من الاحکام والغیب" (۱۳۶)

اس کے علاوہ تفسیر البحر المحیط میں علامہ اندلسی رقمطراز ہیں:۔

قال ابن عباس ومقاتل هو الشرع: وقیل خفیات الامور وضمائر التی لا یطلع علیها الا لوحی کما قال تعالیٰ

۱۳۳ے مولوی رشید احمد گنگوہی "فتاویٰ رشیدیہ" ص۔ ۶۱ ، ایچ ایم سعید اینڈ کمپنی کراچی ۱۹۸۸ء

۱۳۴ے مولانا احمد رضا خاں قادری بریلوی "کنز الایمان فی ترجمہ القرآن" ص۔ ۱۴۰

۱۳۵ے علامہ ناصر الدین ابی الخیر عبداللہ بن عمر البیضاوی "انوار التنزیل و اسرار التاویل" جلد اول ص۔ ۲۰۶ مطبوعہ مصر ، ۱۳۵۸ھ

۱۳۶ے علامہ جلال الدین السیوطی و محلی "تفسیر جلالین" ص۔ ۲۰۶ مطبوعہ مصر

"مَاكُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتَابُ وَلَاالْاِیْمَانُ"، وعلی ھذا التقدیر واطلعك علی اسرار الکتاب والحکمۃ وعلی حقائقھما مع انك ماکنت عالما بالشئی".(۱۲۷)

ترجمہ: "ابن عباس اور مقاتل کے خیال میں اس سے مراد شرع ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد مخفی یا پوشیدہ امور ہیں اور وہ مضمرات جن سے آپ مطلع نہیں ہوتے مگر وحی کے ذریعہ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے (ماکنت تدری ماالکتاب ولاالایمان) اسی بنا پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس عبارت کا پوشیدہ مفہوم یہ ہے کہ اللہ نے آپ کو کتاب کے اسرار اور حکمت سے مطلع کردیا۔ اور مزید برآں ان کے حقائق سے بھی جو آپ پہلے سے نہ جانتے تھے"۔

مولوی اشرف علی تھانوی کو علماء دیوبند میں ایک خاص مقام حاصل ہے اور یہ واحد مترجم قرآن ہیں جن کی تصانیف علوم نقلیہ کے مختلف موضوعات پر کئی سو بتائی جاتی ہیں جبکہ اس سے قبل اور بعد کے مترجمین قرآن کی تصنیفات کی تعداد سو تک بھی نہیں پہنچتی اور بعض ایسے بھی مترجم ہیں جن کی ترجمہ قرآن کے علاوہ کوئی اور تصنیف وتالیف یادگار نہیں مثلاً مولوی محمد فتح جالندھری جن کی کوئی دوسری تصنیف یادگار نہیں سوائے ترجمہ قرآن کے اس کی تفصیل اور حقیقت سے قبل ازیں آگاہ کیا جاچکا ہے۔ تھانوی صاحب نے ایک طویل عمر پائی اور ان کا انتقال ۸۲ سال کی عمر میں ۱۴ رجب ۱۳۶۲ھ کو تھانہ بھون

---

۱۲۷ علامہ محمد بن یوسف حیان اندلسی "البحر المحیط"، جلد سوم، ص ۲۴۷ دارالفکر بیروت ۱۴۰۳ھ

ہی میں ہوا اور وہیں دفن ہوئے ۔ (۱۲۸)

اب میں آپ کے ترجمہ قرآن کے بعض مقامات سے چند آیات کا ترجمہ نمونے کے طور پر پیش کر رہا ہوں تاکہ تھانوی صاحب کے ترجمہ قرآن کے محاسن واسلوب سے آگاہی حاصل ہوسکے : یہ ترجمۂ قرآن تاج کمپنی نے طبع اور شائع کیا ہے ۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑے مہربان نہایت رحم والے ہیں (۱۲۹)

(۱) اور اگر آپ ان کے (ان) نفسانی خیالات کو اختیار کریں (اور وہ بھی) آپ کے پاس علم (وحی) آئے پیچھے تو یقیناً آپ ظالموں میں شمار ہونے لگیں : ۱۴۵ : (سورۃ البقرۃ ص ـ ۲۳)

(۲) اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے فرمایا کہ حق تعالیٰ تم کو حکم دیتے ہیں کہ تم ایک بیل ذبح کرو، وہ لوگ کہنے لگے کہ کیا آپ ہم کو مسخرا بناتے ہیں۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا نعوذ باللہ جو میں ایسی جہالت والوں کا سا کام کروں، وہ لوگ کہتے لگے آپ درخواست کیجئے اپنے رب سے کہ ہم سے بیان کر دیں کہ اس (بیل) کے کیا اوصاف ہیں۔ آپ نے فرمایا وہ فرماتے ہیں کہ وہ ایسا بیل ہو کہ نہ بالکل بوڑھا نہ بہت بچہ ہو (بلکہ) پٹھا دونوں عمروں کے وسط میں...؟

---

۱۲۸ ـ مولوی حکیم عبدالحئی، "نزہتہ الخواطر"، ج الثامن ص ـ ۵۹

۱۲۹ ـ مولوی اشرف علی تھانوی، "ترجمہ قرآن"، صفحات ـ ۶۹

سورۃ البقرۃ ۶۸ ص ۱۱)

(۳) اور جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس بات کو یقین کے ساتھ جانتے ہیں کہ یہ قرآن آپ کے رب کی طرف سے واقعیت کے ساتھ بھیجا گیا سو آپ شبہ کرنے والوں میں نہ ہوں : ۱۱۴ :

(سورۃ انعام ص ۱۵۹)

(۴) اس کے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں میں نے اسی بھروسہ کیا اور وہ بڑے بھاری عرش کا مالک ہے : ۱۲۹ :

(سورۃ التوبہ ص۔ ۲۳۲)

(۵) پھر عرش (یعنی تخت شاہی) پر قائم ہوا : وہ ہر کام کی مناسبت تدبیر کرتا ہے ..... :۳: (یونس ص۔ ۲۳۳)

(۶) یہاں تک کہ پیغمبر (اس بات سے) مایوس ہو گئے اور ان پیغمبروں کو گمان غالب ہو گیا کہ ہماری فہم نے غلطی کی، ان کو ہماری مدد پہنچی... ...... :۱۱۰: (یوسف ص ۔ ۲۷۹)

(۷) (اور) آپ (یوں بھی) کہہ دیجیے کہ میں تو تم ہی جیسا بشر ہوں میرے پاس بس یہ وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود برحق ایک ہی معبود ہے... .... :۱۱۰: (الکھف ص ۔ ۳۴۳)

(۸) وہ بچہ (خود ہی) بول اٹھا کہ میں اللہ کا (خاص) بندہ ہوں اس نے مجھ کو کتاب (یعنی انجیل) دی اور اس نے مجھ کو نبی بنایا (یعنی بنادے گا) : ۳۰ : (مریم ص۔ ۳۴۵)

(۹) اور اس سے (بہت زمانہ) پہلے ہم آدم کو ایک حکم دے چکے تھے سو ان

سے غفلت اور بے احتیاطی ہوگئی اور ہم نے ان میں پختگی نہ پائی: ۱۱۵ :

(سورۃ طٰہٰ ص ۔ ۳۶۰)

(۱۰) اور آدم سے اپنے رب کا قصور ہو گیا سو غلطی میں پڑ گئے : ۱۲۱ :

(سورۃ طٰہٰ ص ۔ ۳۶۰)

(۱۱) اور ہم نے (ایسے مضامین نافعہ دے کر) آپ کو اور کسی واسطے نہیں بھیجا مگر دنیا جہان کے لوگوں (یعنی مکلفین) پر مہربانی کرنے کے لیے : ۱۰۷ :

(سورۃ الانبیاء ص ۔ ۳۷۲)

(۱۲) تم لوگوں کے لیے یعنی ایسے شخص کے لیے جو اللہ سے اور روز آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکر الٰہی کرتا ہو رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود تھا : ۲۱ :

(سورۃ الاحزاب ص ۔ ۴۷۴)

(۱۳) بے شک ہم نے تمہارے پاس ایک ایسا رسول بھیجا ہے جو تم پر (قیامت کے روز) گواہی دیں گے : ۱۵ : (سورۃ المزمل ص ۔ ۶۵۲)

(۱۴) اور چاند کے لیے سڑکیں مقرر کیں یہاں تک کہ ایسا رہ جاتا ہے جیسے کھجور کی پرانی ٹہنی : ۳۹ : (یٰسین ص ۔ ۴۹۹)

(۱۵) تو آپ اس کا یقین رکھیے کہ بجز اللہ کے اور کوئی قابل عبادت نہیں اور آپ اپنی خطاء کی معافی مانگتے رہیے اور سب مسلمان مردوں اور سب مسلمان عورتوں کے لیے بھی : ۱۹ : (سورۃ محمد ص ۔ ۵۷۴)

(۱۶) تاکہ اللہ تعالیٰ آپ کی سب اگلی پچھلی خطائیں معاف فرما دے : ۲ :

(الفتح ص ۔ ۵۷۶)

(۱۷) ان کو ایک فرشتہ تعلیم کرتا ہے جو بڑا طاقتور ہے پیدائشی طاقتور ہے...

..... :٥٠: (النجم ص ـ ۵۹۳)

(۱۸) اور ہم نہیں جانتے کہ (ان جدید پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث فرمانے سے) زمین والوں کو کوئی تکلیف پہنچانا مقصود ہے یا ان کے رب نے ان کو ہدایت کرنے کا قصد فرمایا ہے: ۱۰: (الجن ص ـ ۶۵۰)

(۱۹) غیب کا جاننے والا وہی ہے سو وہ اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا: ۲۶: ہاں مگر اپنے کسی برگزیدہ پیغمبر کو تو (اس طرح مطلع کر دیتا ہے) کہ اس پیغمبر کے آگے اور پیچھے محافظ فرشتے بھیج دیتا ہے (اور یہ انتظام اس لیے کیا جاتا ہے) تاکہ ظاہری طور پر اللہ تعالیٰ کو معلوم ہو جائے کہ ان فرشتوں نے اپنے پروردگار کے پیغام رسول تک بحفاظت پہنچا دیئے اور اللہ تعالیٰ ان (پہرہ داروں) کے تمام احوال کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور اس کو ہر چیز کی گنتی معلوم ہے: ۲۸: (الجن ص ـ ۶۵۲)

(۲۰) اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو (شریعت سے) بے خبر پایا سو آپ کو شریعت کا رستہ بتلا دیا: ۷: (الضحیٰ ص ـ ۶۸۰)

مولوی اشرف علی تھانوی کا ترجمہ قرآن و تفسیر "بیان القرآن" کے نام سے ۱۲ مختصر جلدوں پر مشتمل ۱۳۲۳ھ / ۱۹۰۵ء میں مکمل ہوا اور ایک روایت کے مطابق ۱۳۲۶ھ / ۱۹۰۸ء میں مطبعہ مجتبائی دہلی سے شائع ہوا اور پھر مختلف جگہوں سے برابر اس کے ایڈیشن شائع ہوتے رہے اور اب عموماً دو جلدوں پر مشتمل مکمل ترجمہ قرآن اور تفسیر تاج کمپنی کراچی سے شائع ہو رہا ہے۔ ۱۹۱۷ء کے ایڈیشن میں پہلی مرتبہ ان کا مقدمہ بھی شائع ہوا تھا جس میں انہوں نے ترجمہ و تفسیر لکھنے کی وجوہ بھی بیان کی ہیں: ـ

"بہت روز سے خود بھی اور احباب کے اصرار سے بھی گاہے
گاہے خیال ہوا کرتا تھا کہ کوئی تفسیر لکھی جاوے مگر تفاسیر اور
تراجم کی کثرت دیکھ کر اس کو امر زائد سمجھتا تھا۔ اسی اثناء میں
نئی حالت یہ پیش آئی کہ بعض لوگوں نے محض تجارت کی غرض
سے نہایت بے احتیاطی سے قرآن کے ترجمے شائع کرنا شروع
کیے جن میں بکثرت مضامین خلاف قواعد شرعیہ بھر دیے جن سے
عام مسلمانوں کو بہت مضرت پہنچی۔ ہر چند کے چھوٹے چھوٹے
رسالوں سے ان کے مفاسد و اطلاع دے کر مضرتوں کی روک
تھام کرنے کی کوشش کی گئی مگر چونکہ کثرت سے ترجمہ بینی کا
مذاق پھیل گیا ہے۔ وہ رسالے اس غرض کی تکمیل کے لیے کافی
ثابت نہ ہوئے تاوقت کہ ابنائے زمانہ کو کوئی ترجمہ بھی نہ تبلادیا
جائے جس میں مشغول ہو کر ان تراجم مبتدعہ و مخترعہ سے بےالتفات
ہو جاویں ..... تامل اور مشورے سے یہی ضرورت ثابت ہوئی
کہ ان لوگوں کو کوئی نیا ترجمہ دیا جائے جس کی زبان وطرز بیاں
وتقریر مضامین میں ان کے مذاق وضرورت کا حتی الامکان
پورا لحاظ رہے۔ آخر ربیع الاوّل ۱۳۲۰ھ کو اس کام کو شروع
کرتا ہوں" (۱۴۰)

ڈاکٹر صالحہ اشرف مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کے ترجمہ وتفسیر کے

۱۴۰ے مولوی اشرف علی تھانوی "مقدمہ بیان القرآن" ص ۲۔ تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی

بارے میں رقمطراز ہیں :-

"جن تراجم کے غیر اطمینان بخش ہونے کی طرف مولانا نے اشارہ کیا ہے اس میں ڈپٹی نذیر احمد دہلوی، مرزا حیرت دہلوی اور سر سیّد احمد خاں کے ترجمے شامل ہیں، مولانا تھانوی مسلک میں روائتی عقائد کے قائل ہیں اور ترجمے میں خواہ مخواہ جدّت طرازیوں کو پسند نہیں کرتے تھے..... ان کے ترجمے کا کمال ان کا اختصار اور ایجاز ہے، اُردو کی ادبی زبان استعمال کی ہے اور ٹکسالی محاوروں سے گریز کیا ہے اور عام فہم بنانے کے ساتھ ساتھ قرآنی الفاظ کی ترتیب ترجمہ میں زیادہ اُلٹ پلٹ نہ ہونے دی۔" (۱۴۱)

مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کا ترجمہ دوسرے اُردو تراجم کے مقابلے میں اگرچہ زیادہ سلیس اور عام فہم ہے، محاورات کا استعمال بھی قدرے کم ہے مگر یہ ترجمۂ قرآن توضیحی اور تشریحی زیادہ ہے جس کو بعد کے مترجمین نے زیادہ اپنایا اور آگے چل کر ابوالکلام آزاد اور چوہدری غلام احمد پرویز نے اسی اسلوب ترجمہ کو اور آگے بڑھایا جس کو "مفہوم قرآن" کا نام دیا گیا، مزید اس کے بعد اس اسلوب میں اور ترقی ہوئی اور اس کو "تفہیم" کا نام دیا گیا۔

مولوی تھانوی صاحب کے ترجمۂ قرآن کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ

۱۴۱۔ ڈاکٹر صالحہ اشرف "قرآن حکیم کے اردو تراجم"، ص ۔ ۲۸۳

اللہ تعالیٰ کی صفات کو جو متن قرآن میں جمع کے صیغے کے ساتھ نہیں آئی ہیں۔
وہ ان کا بھی اکثر و بیشتر مقامات پر جمع کے صیغہ میں ترجمہ کرتے ہیں معنوی
اعتبار سے وہ ترجمہ کرتے وقت اکثر مقامات پر قوسین میں اپنی جانب سے
ایسی بات تحریر کر دیتے ہیں جو قطعاً قرآن کا منشا بھی نہیں ہوتی ہے مثلاً
سورۃ مریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام پیدا ہوتے ہی گھوارے میں لیٹے لیٹے
نبوّت کا دعویٰ کر رہے ہیں مثلاً

قَالَ اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ؕ اٰتٰنِیَ الْکِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا ۝: ۳۰ :

(سورۃ مریم)

مولانا تھانوی ترجمہ کرتے وقت قوسین میں غیر ضروری طور پر مستقبل
کے معنی مراد لیتے ہیں جس کا یہاں کوئی محل بھی نہیں ملاحظہ کیجیے۔

ترجمہ :۔ وہ بچّہ (خود ہی) بول اٹھا کہ میں اللہ کا (خاص) بندہ ہوں۔ اس نے
مجھ کو کتاب (یعنی انجیل) دی اور اس نے مجھ کو نبی بنایا (یعنی نبی بنا
دے گا) : ۳۰ : (۱۴۲)

جب کہ آیت کریمہ میں صرف نبوّت کا اعلان ہے یہ بھی ترجمہ ملاحظہ
کیجیے :۔

ترجمہ :۔ بچّہ نے فرمایا میں ہوں اللہ کا بندہ اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے غیب
کی خبریں بتانے والا (نبی) کیا : ۳۰ : (۱۴۳)

۱۴۲ے مولوی اشرف علی تھانوی "ترجمہ قرآن"، ص ۔ ۳۴۵

۱۴۳ے امام احمد رضا خاں قادری بریلوی "کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن"، ص ۔ ۴۳۴

مولوی اشرف علی تھانوی صاحب انبیاء کرام کو معلوم نہیں کیونکر عام انسانوں کی کسوٹی پر تولتے ہیں وہ نبی الانبیاء کی عظمت کو اجاگر کرنے کی بجائے اپنے قلم سے اتنا گرا دیتے ہیں کہ عام مسلمانوں کا دل لرز جاتا ہے۔ وہ نبی علیہ وسلم کو "خطا کار" (۱۴۴)، غافل (۱۴۵)، شریعت سے بے خبر (۱۴۶)، ایمان سے بے خبر (۱۴۷) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں قرآن ہی کو مشکوک قرار دے دیتے ہیں۔ (۱۴۸)

مولوی تھانوی صاحب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں تو بعض مقامات پر انتہائی گھٹیا الفاظ استعمال کیے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات و صفات کو ایسے انداز اور ایسے اسلوب میں پیش کیا کہ پڑھنے سے عقل حیران ہوتی ہے کہ کوئی مسلمان ایسا بے ربط ترجمہ نہ کرے گا جس سے شانِ رسالت پر زرک پہنچتی ہو اب ذرا ملاحظہ کیجیے سورۃ الانبیاء کا ترجمہ :-

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۱۰۷: (الانبیاء)

ترجمہ :- اور ہم نے (ایسے مضامین نافع دے کر) آپ کو کسی بات کے واسطے نہیں بھیجا مگر دنیا جہاں کے لوگوں (یعنی مکلفین) پر مہربانی کے لیے ۰ (۱۴۹)

۱۴۴ے مولوی اشرف علی تھانوی، "ترجمہ قرآن" ص۔ ۴۷۵ تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی

۱۴۵ے ایضاً ایضاً ص۔ ۳۶۰ ایضاً

۱۴۶ے ایضاً ایضاً ص۔ ۶۸۱ ایضاً

۱۴۷ے ایضاً ایضاً ص۔ ۵۵۱ ایضاً

۱۴۸ے ایضاً ایضاً ص۔ ۱۵۹ ایضاً

۱۴۹ے ایضاً ایضاً ص۔ ۳۷۲ ایضاً

اسی طرح سورۃ الاحزاب میں اسوۃ حسنہ کا ترجمہ ملاحظہ ہو جو آپ نے صیغۂ
ماضی میں کیا ہے مثلاً

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ‎:۲۱ (الاحزاب)

ترجمہ:۔ تم لوگوں کے لیے یعنی ایسے شخص کے لیے جو اللہ سے اور روز آخرت سے ڈرتا ہو اور کثرت سے ذکر الٰہی کرتا ہو رسول اللہ کا ایک عمدہ نمونہ موجود تھا۔ (۱۵۰)

مولوی تھانوی صاحب نے اس آیت مبارکہ میں فعل ناقص کا ترجمہ ماضی کرکے منکرین حدیث کے لیے دروازہ کھول دیا جبکہ عموماً جمہور مترجمین اس کا ترجمہ صیغۂ حال میں کرتے ہیں مثلاً

ترجمہ:۔ (مومنو) بے شک تمہارے لیے رسول اللہ کی (زندگی) میں بہترین نمونہ ہے ○ (۱۵۱) بے شک تمہیں رسول اللہ کی پیروی بہتر ہے اس کے لیے کہ اللہ اور پچھلے دن کی امید رکھتا ہو اور اللہ کو بہت یاد کرے ○ (۱۵۲)

سورۂ "انبیاء" کی اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی مکرم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک عظیم الشان اور نہایت رفیع منزلت کا بیان فرما رہا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت "رحمۃ اللعٰلمین" کو اپنی

۱۵۰ے مولوی اشرف علی تھانوی "ترجمۂ قرآن" ص ۔ ۴۷۴

۱۵۱ے ڈاکٹر حامد حسن بلگرامی "فیوض القرآن" جلد سوم ص ۔ ۹۸۰

۱۵۲ے مولانا احمد رضا خاں قادری بریلوی "کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن" ص ۔ ۵۹۲

صفات رحمٰن اور رحیم کی دلیل کے طور پر پیش کر رہا ہے کہ جہاں جہاں عالمین پر میری صفت رحمٰن اور رحیم ہے وہیں عالمین کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سراپا رحمت ہی رحمت ہیں یعنی عالمین کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی صفات رحمٰن اور رحیم کے پَرتَو ہیں۔ یہاں بتانا یہی مقصود ہے کہ جس طرح اللہ کی ربوبیّت تمام جہانوں، اور اس کی ہر مخلوق اور ہر ذرّہ کے لیے ہے اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت رحمت تمام جہانوں اور اس کی ہر مخلوق اور ہر ذرّہ کو احاطہ کیے ہوئے ہے۔ کائنات میں ہر وجود رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کا مرہون منّت ہے۔

مولوی اشرف علی تھانوی صاحب نے اس آیت کریمہ میں شان رفعت رسالت کے معانی اور عمومیت کو قوسین میں اپنی طرف سے الفاظ تراش کر جس طرح مجروح اور ساتھ ہی محدود کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے جس کی مثال تاریخ تفسیر قرآن میں نہیں ملتی بلکہ یہ توضیحی ترجمہ جمہور مفسرین کے اقوال اور احادیث کی روشنی میں خود ساختہ ہے۔ مولوی صاحب نے عالمین کا ترجمہ "دنیا جہان کے لوگ" اور ان میں بھی صرف "مکلّفین" حضرات کو شامل کیا ہے۔ دوسری طرف رحمت کے معنی "مضامین نافع" کیا ہے جو لغوی اعتبار کے ساتھ ساتھ اصول تفسیر کے اعتبار سے بھی غلط ترجمانی ہے۔ مولوی صاحب نے ۱۴سو سال کے بعد اس حقیقت کو پایا جب کہ ہزاروں مفسرین، محدثین اور مؤرخین حضرات نے اس آیت کے یہی معنی لیے کہ تمام عالم میں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مظہر آپ ہی ہیں جبکہ تھانوی صاحب کا ترجمہ مسلمانوں کے عقائد کے بالکل خلاف ہے جو جدید عمارت کی بنیاد ہے۔

مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کے خود ساختہ ترجمہ کو پڑھ کر جو سوالات ذہن میں ابھرتے ہیں ان کا جواب کون دے گا کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بچوں کے لیے، عقل سے معذور لوگوں کے لیے. غیر مسلموں کے لیے، دیگر مخلوقات یعنی جانور، شجر و حجر، جن و ملائک کے لیے رحمت نہیں ہیں اور ایسا ہے تو ان کے لیے خدا کے علاوہ کون رحمت ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ تھانوی صاحب کا ترجمۂ قرآن کی ترجمانی کے بجائے ان کے اپنے خیالات کی اختراع ہے جس سے عام انسان کے دل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت ہرگز جگہ نہیں لے سکتی۔

اس آیت کریمہ کی تشریح کرتے ہوئے دورِ حاضر کے شیخ الحدیث و التفسیر مولنا مفتی نصر اللہ خاں الافغانی سابق رئیس دار الافتاء سترہ محکمہ (supreme court) دولت اسلامیہ افغانستان اپنی تالیف مقدمہ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم" میں رقمطراز ہیں:۔

"قرآن کریم نے آن سرور عالمین کو ہی رحمتہ اللعٰلمین کے لقب سے ملقب فرما کر ثابت کر دیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وصحبہ وسلم کی ذات پاک اور آپ کی ہر ہر صفت و فعل حرکات و سکنات عالمین کے لیے سراپا رحمت عظیم رہے ہیں کہ عالمین عالم کی جمع ہے عَالَمْ وَعَلَمْ نشان و اثر کو کہتے ہیں۔ کائنات میں ہر ہر شے اللہ کے ہی وجود و اللہ تعالیٰ کے ہی جود کے آثار و علامات ہیں.... پس اس فرقانی آیت کے معنی ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ماسوا کے لیے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وصحبہ

وسلم کو رسول بنا کر بھیجا۔ اس حالت میں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وصحبہٖ وسلم کی ذات ستودہ صفات تمام عالمین کے لیے رحمت عظیمہ ہیں۔ اس آیت قرآنی کی یہ ہیت ترکیبی بندا بلند اعلان کرتی ہے کہ عالمین یا ماسوی اللہ میں آپ کی کوئی نظیر ممکن نہیں۔

کلمہ "ما" اور اس آیت کریمہ کی ہیئت ترکیبی میں کلمہ اِلَّا نیز کلمہ "رحمۃً" میں تنوین تعظیمی سے صاف روشن وآشکارا ہے کہ عالمین میں جو بھی موجود رہا تھا یا ہے یا رہے گا ان میں جس کو جو بھی ملا یا ملتا ہے یا ملے گا، چھوٹا ہو یا بڑا، بہت ہو یا تھوڑا سب ہی اس سراپا رحمت سے اور منبع نعمت سے پاتے رہیں گے، کیوں "ما" کلمہ نفی ہے "اِلَّا" حرف استثناء اور تنوین تعظیم کے لیے ہے پس فرمایا یا رسول اللہ آپ ہی کی رسالت عالمگیر و عالمی ہے، آپ ہی کو رحمت عظیمہ بنایا اور سب کو جو رحمت و نعمت ملتی ہے آپ ہی کو اس کے لیے اصل سرچشمہ گردانا ہے اور سب ہی آپ سے فیضیاب ہوتے، سب ہی آپ کے طفیلی رہے ہیں یہاں تک کہ انبیاء کرام بھی آپ کے اُمتی رہے ہیں۔" (۱۵۳)

جناب تھانوی صاحب کے ترجمۂ قرآن کو عموماً اور خاص کر ان آیات کے ترجمے کو بعینہٖ اسی انداز سے عربی زبان میں منتقل کیا جائے تو قرآن کا متن نہیں

۱۵۳۔ مولانا مفتی محمد نصر اللہ خاں "عید میلاد النبی کا بنیادی مقدمہ" ص ۲۵، ۲۶ مطبوعہ کراچی ۱۹۹۴

بننا اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ تھانوی صاحب کثرت سے اضافی الفاظ استعمال کرتے ہیں جس طرح ان دو آیات میں (ایسے مضامین نافع) اور (کسی بات کے واسطے) کے الفاظ۔ ایک سادہ لوح قاری ایسے ترجمہ سے بہت جلد غلط فہمی کا شکار ہو سکتا ہے۔ ان تراجم کو پڑھنے کے بعد وہ اگر کسی کو حوالہ دے گا تو یہ کہہ کر کہ قرآن میں اسی طرح آیا ہے۔ اب اگر سننے والا اپنے علم کی بنا پر اس کو باز رکھنے کی کوشش کرے گا تو نتیجتاً فساد برپا ہوگا اور یہ ہی کچھ اس خطہ میں رونما ہوا ہے جس کی وجہ سے متعدد مذہبی گروہ بنتے چلے گئے۔ اس لیے اس خطرہ کے پیش نظر مترجمین کو غیر ضروری اضافوں کے ساتھ اپنے ترجمہ کو توضیحی ترجمہ نہیں بنانا چاہیے کیونکہ بہر حال عوام علماء پر اعتماد کرتے ہیں۔

مولوی اشرف علی تھانوی صاحب نے ایک مقام پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت "شاہد" کا ترجمہ روز محشر کے ساتھ مشروط کر دیا چنانچہ سورۃ المزمّل کی مندرجہ ذیل آیت شریفہ میں ترجمہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

إِنَّآ أَرْسَلْنَآ إِلَيْكُمْ رَسُولًا شَاهِدًا عَلَيْكُمْ كَمَآ أَرْسَلْنَآ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ رَسُولًا (المزّمّل: ۱۵)

ترجمہ:۔ بے شک ہم نے تمہارے پاس ایک ایسا رسول بھیجا ہے جو تم پر (قیامت کے روز) گواہی دیں گے جیسا ہم نے فرعون کے پاس ایک رسول بھیجا تھا ہ (المزمل: ۱۵۴)

دوسرے مقام پر سورۃ احزاب میں شاہد کا ترجمہ ملاحظہ ہو:۔

۱۵۴ے مولوی اشرف علی تھانوی، "ترجمہ قرآن"، ص۔ ۶۵۲

ترجمہ:۔ اے نبی بے شک آپ کو اس شان کا رسول بنا کر بھیجا ہے کہ آپ گواہ ہوں گے اور آپ (مومنین کے) بشارت دینے والے ہیں اور (کفار کے) ڈرانے والے ہیں ...... ٥ (١٥٥) (الاحزاب)

مولوی تھانوی صاحب نے یہاں دونوں آیات میں اسم فاعل "شاہد" کا ترجمہ مضارع کی استقبالیہ کیفیت میں کیا ہے جو کسی صورت بھی مناسب نہیں۔ کیونکہ قرآن پاک کا سیاق و سباق ان مقام پر بالکل مختلف ہے۔ سورۃ احزاب میں "شاہد و مبشر" کے درمیان واؤ عاطفہ ہے اس کے باوجود مولوی صاحب اس کا ترجمہ استقبال میں کر رہے ہیں اور "مبشر" کا ترجمہ حاضر کے ساتھ اب اگر ان کا ترجمہ بالفرض صحیح مان لیا جائے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت "شاہد" کے ساتھ ساتھ "مبشر" اور "نذیر" جیسی صفات کو بھی قیامت کے دن کے ساتھ مشروط تسلیم کرنا پڑے گا جب کہ قرآن کریم کے مطابق شہادت اور بشارت کا تعلق صرف جہان آخرت ہی سے نہیں ہے بلکہ اس جہان سے بھی ہے۔ دوسرا مجہول، لفظ "شاہد" کے ترجمہ میں یہ پایا جاتا ہے کہ آپ نے اس کا ترجمہ "گواہ" کیا ہے جس سے شاہد کی معنویت پوری طور پر سامنے نہیں آتی ہے کہ آپ کس طرح کے گواہ ہیں۔

عربی زبان کی مشہور لغت قاموس میں "شاہد" کے معنی اس طرح بیان ہوئے ہیں: "شاہد ای حاضر" "ومشاہدۃ جمع تجذب الی عین الیقین" و شاہد من اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم" وشاہد معناہ مالہ منظر واللسان" ١٥٦

١٥٥۔ مولوی اشرف علی تھانوی "ترجمہ قرآن" ص۔ ٤٧٨

١٥٦۔ السید محمد مرتضیٰ الحسینی الزبیدی الحنفی "شرح القاموس المسمیٰ تاج العروس من جواہر القاموس" الجزء الثانی ص۔ ٣٩١/٣٩٢ بالمطبعۃ الخیر مصر ١٣٠٦ھ

یعنی شاہد اس گواہ کو کہتے ہیں جو حاضر ہو اور آنکھوں سے مشاہدہ کیا ہو، اور شاہد وہی ہوتا ہے جو دیکھتے ہوئے منظر کو اپنی زبان سے بیان کر سکے اور یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی اسم ہے۔

اسی طرح امام راغب اصفہانی اپنی مفردات میں "شاہد" کے معنی بیان کرتے ہیں۔

"الشهود والشهادة ـ الحضور مع المشاهدة اما بالبصر او بالبصيرة وقد يقال للحضور مفرداً"۔ (۱۵۷)

یعنی شہود اور شہادت کے معنی حاضر ہونا مع ناظر ہونے کے ہیں کہ یہ شہادت بصر کے ساتھ ہو یا بصیرت کے ساتھ اور کبھی تنہا حاضری پر بھی شہادت کا اطلاق ہوتا ہے۔

علامہ نورالدین حلبی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔

"(يٰاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا) والشاهد لا بد ان يكون حاضرا للمشهود عليه وناظرا للمشهود اليه فعلموا انه ملاء كل عالم وحاضر فى كل مكان" (۱۵۸)

۱۵۷ے علامہ حسین بن محمد بن مفضل بالراغب اصفہانی "المفردات فی غریب القرآن" ص۔۲۸۱ نور محمد کارخانہ تجارت

۱۵۸ے علامہ نورالدین حلبی "الیواقیت الجواہر" جلد دوم ص۔۱۴ مطبوعہ مصر

یعنی: شاہد کے لیے ضروری ہے کہ وہ مشہود علیہ پر حاضر ہو اور مشہود الیہ کا ناظر ہو معلوم ہوا کہ سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے سارا جہاں پُر ہے اور حضور ہر جگہ حاضر ہیں۔

علامہ زرقانی شاہد کے معانی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"واما الشاهد العالم اوالمطلع الحاضر"(۱۵۹)

شاہد کے معنی کے اعتبار سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم عالم پر مطلع اور حاضر ہیں۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں" لانه صلى الله عليه وسلم شهيد علىٰ امته وناظر لما عملوا" (۱۶۰)

ترجمہ:۔ یہ اس کے لیے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت پر حاضر اور ان کے عمل پر ناظر ہیں۔

مفتی محمد شفیع دیوبندی (المتوفی ۱۲۹۶ھ/۱۹۷۶ء) جو تھانوی صاحب کے خاص تلامذہ میں ہیں اپنی تفسیر معارف القرآن میں لفظ شاہد کی تشریح فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔

"اور اُمّت پر شاہد ہونے کا ایک مفہوم عام یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اُمّت کے سب افراد کے اچھے بُرے اعمال کی شہادت دیں گے اور یہ شہادت اسی بنا پر

۱۵۹ے علامہ عبدالباقی زرقانی "زرقانی علی المواہب"، جلد سوم ص۔ ۱۲۷ مطبوعہ مصر

۱۶۰ے ایضاً ایضاً ایضاً ص ۱۷۲ ایضاً

ہوگی کہ اُمت کے اعمال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے
ہر روز صبح شام اور بعض روایات میں ہفتہ میں ایک روز پیش
ہوتے ہیں اور آپ اُمت کے ایک ایک فرد کو اس کے اعمال
کے ذریعے پہچانتے ہیں اس لیے قیامت کے روز آپ اُمت
کے شاہد بنائے جائیں گے۔" (۱۶۱)

خواجہ شہاب الدین سہروردی (المتوفی ۶۳۲ھ) شاہد کے یہ معنی بیان
کرتے ہیں:۔

"یعنی جیسے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کو ہر وقت اپنے ظاہری و باطنی
احوال پر واقف اور مطلع جانتا ہے یوں ہی رسول اکرم صلی اللہ
علیہ وسلم کو بھی ظاہری و باطنی احوال پر مطلع اور حاضر جانے" (۱۶۲)

امام قسطلانی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمائے مبارکہ بیان کرتے ہوئے
"النقیب" کا معنی یوں بیان فرماتے ہیں " النقیب ھو شاھد القوم
وناظرھم وضیمنھم"۔ (۱۶۳)

---

۱۶۱ ۔ (الف) مولوی مفتی محمد شفیع "احکام القرآن" الجزء ثالث ص ۔ ۱، ادارہ القرآن
والعلوم اسلامیہ، کراچی ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء

(ب) مولوی مفتی محمد شفیع "معارف القرآن" جلد ہفتم ص ۔ ۱۷۷، ادارہ المعارف کراچی ۱۹۸۵ء

۱۶۲ ۔ خواجہ شہاب الدین سہروردی "عوارف المعارف" (مترجم علامہ شمس بریلوی)
ص ۔ ۱۵۱، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی ۱۹۷۷ء

۱۶۳ ۔ احمد بن محمد بن ابی بکر القسطلانی "سیرت محمدیہ" (مترجم عبد الجبار خاں) جلد اوّل
ص ۔ ۱۶۶ کارخانہ اسلامی کراچی

یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم مبارک نقیب اسی بنا پر ہے کہ حضور اُمت کے لیے حاضر و ناظر ہونے کے ساتھ ساتھ ضامن بھی ہیں۔

ان تمام شواہد کے پیش نظر مولانا احمد رضا نے لفظ شاہد کا ترجمہ "حاضر و ناظر" (۱۶۴) ہی کیا ہے جس سے ان کی علمی بصیرت کی نشاندہی ہوتی ہے اور تمام کتب دینیہ پر ان کی بھرپور نظر کا اندازہ بھی ہوتا ہے اور محسوس یوں ہوتا ہے کہ مولانا احمد رضا ترجمہ کرتے ہوئے تمام تفسیری اقوال کا خلاصہ معنوی گہرائی کے ساتھ پیش کرتے ہیں۔

مولوی تھانوی صاحب سے آیات کے تخاطب کو سمجھنے میں بھی کئی جگہ تسامح واقع ہوا ہے خاص کر ان آیات میں جن کے مخاطب کفار اور مشرکین ہیں۔ انہوں نے ان آیات کا مخاطب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو قرار دیا ہے جس سے مذہب میں ایک نئے رجحان کا اضافہ ہوا، ان کا مندرجہ ذیل آیت کا ترجمہ ملاحظہ ہو۔

وَاِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطٰنِ نَزْغٌ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ ؕ: ۳۶: (حٰمٓ السجدة)

ترجمہ:۔ اور اگر (ایسے وقت میں) آپ کو شیطان کی طرف سے کچھ وسوسہ آنے لگے تو (فوراً) اللہ کی پناہ مانگ لیا کیجیے ٥ (۱۶۵) (حٰمٓ السجدة)

مولوی اشرف علی تھانوی صاحب نے سورہ بقرہ میں لفظ "بَقَرَةٌ" کا

۱۶۴۔ مولانا احمد رضا قادری بریلوی "کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن" ص ۵۹۸، ۷۲۰، ۸۰۸

۱۶۵۔ مولوی اشرف علی تھانوی "ترجمہ قرآن" ص ۔۱۴۱۵ تاج کمپنی لمیٹڈ کراچی

مونث کے صیغے کے بجائے مذکر کے صیغے میں کر کے خاصہ اچھوتے پن کا مظاہرہ کیا یہ جانتے ہوئے کہ بقرہ کے علاوہ اس کی صفات جو بیان ہوئیں وہ سب کی سب مونث ہی کے صیغے میں اللہ تعالیٰ بیان کر رہا ہے لیکن آپ کے قلم کی دھن مذکر ہی لکھتی رہی جو معنوی اعتبار کے ساتھ ساتھ لغوی اعتبار سے بالکل غلط ترجمہ ہے ہر کوئی بقرہ کا ترجمہ گائے کرتا ہے مگر آپ اس کو بیل ہی بتاتے ہیں آئیے قرآن کی آیت پہلے دیکھیے اور پڑھیے کہ اللہ تعالیٰ تو مونث کے صیغے میں گائے کی صفات بتا رہا ہے اور مولوی صاحب نہ جانے کن بنیاد پر اس کو بیل بتا کر خدا تعالیٰ کے کلام میں تبدیلی فرما رہے ہیں :

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ۭ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ؀ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِىَ ۭ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ۭ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ۭ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ؀ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۭ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاۗءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ؀ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِىَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ۭ وَاِنَّآ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ؀

اور (وہ زمانہ یاد کرو) جب موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے فرمایا کہ حق تعالیٰ تم کو حکم دیتے ہیں کہ تم ایک بیل ذبح کرو۔ وہ لوگ کہنے لگے کہ کیا آپ ہم کو مسخرا

بناتے ہیں۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے فرمایا نعوذ باللہ جو میں ایسی جہالت والوں کا سا کام کروں[67] وہ لوگ کہنے لگے کہ آپ درخواست کیجیے اپنے رب سے کہ ہم سے بیان کر دیں اس (بیل) کے کیا اوصاف ہیں۔ آپ نے فرمایا وہ فرماتے ہیں کہ وہ ایسا بیل ہو کہ نہ بالکل بوڑھا ہو نہ بہت بچہ ہو (بلکہ) پٹھا ہو دونوں کے وسط میں ہو اب (زیادہ حجت مت کیجیو بلکہ) کر ڈالو جو کچھ تم کو حکم ملا ہے[68] کہنے لگے کہ (اچھا یہ بھی) درخواست کر دیجیے ہمارے لیے اپنے رب سے ہم سے یہ (بھی) بیان کر دیں کہ اس کا رنگ کیسا ہو۔ آپ نے فرمایا کہ حق تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ وہ ایک زرد رنگ کا بیل ہے۔ جس کا رنگ تیز زرد ہو کہ ناظرین کو فرحت بخش ہو[69] کہنے لگے کہ (اب کی بار) ہماری خاطر اپنے رب سے دریافت کر دیجیے کہ ہم سے بیان کر دیں کہ اس کے اوصاف کیا کیا ہوں کیوں کہ ہم کو اس بیل میں (قدرے) اشتباہ ہے اور ہم ضرور ان شاء اللہ تعالیٰ (اب کی بار) ٹھیک سمجھ جائیں گے۔(۱۶۶)

فاضل مترجم تھانوی صاحب نے قرآن حکیم کی آیات مقدسہ میں "بقرۃ" کے سلسلے میں بیان کی گئی ضمائر کا کوئی لحاظ نہیں رکھا اور تمام ضمیروں کو نظرانداز کرتے ہوئے لفظ "بیل" کی برابر تکرار کی ہے جیسا کہ آپ نے ترجمہ میں لکھا ہے۔

سب سے پہلی بات تو یہ عرض کرنا چاہوں گا کہ قرآن مجید کے جتنے ترجمے دستیاب ہیں ان میں لفظ بقرہ کا ترجمہ بیل یا تو شاہ رفیع الدین دہلوی

۱۶۶۔ مولوی اشرف علی تھانوی ترجمہ قرآن ص ۶-۷

نے فرمایا ہے یا پھر مولوی اشرف علی تھانوی صاحب نے، تمام بقیہ ترجموں
میں گائے ہی ترجمہ کیا گیا ہے۔شاہ رفیع الدین دہلوی کے وقت میں آج سے
دو سو سال قبل ممکن ہے کہ اس وقت بقرہ کا لفظ دونوں کے لیے استعمال ہوتا
ہو یا لفظ گائے مروج نہ ہوا ہو مگر مولوی اشرف علی تھانوی صاحب کے دور
تک تو یہ لفظ بہت عام ہو چکا تھا اور ہر کوئی اُردو زبان میں بقرہ کے لیے
لفظ گائے ہی استعمال کر رہا تھا۔

دوسری بات یہ کہ ان آیات میں ایک سے زیادہ مقامات پر بقرہ کے
اوصاف مونث ضمائر کے ساتھ آئے ہیں مثلاً هِیَ ، بِكْرٌ ، اِنَّهَا، لَوْنُهَا
وغیرہ یہ سب مونث کے لیے استعمال ہوتے ہیں پھر حیرت ہے کہ ان ضمائر
مونث ، متصل کے ہوتے ہوئے مولوی تھانوی صاحب نے بقرہ کو بیل
کس طرح بنا دیا۔ یہ ان کے ترجمے میں کوئی انوکھی بات نہیں ہے وہ اکثر ترجمہ
بالرائے ہی کرتے ہیں جیسے کہ پہلے مثالیں دی گئیں۔ آپ الفاظ کی قطعاً پروا
نہیں کرتے اگر مزید اس قسم کے ترجمے سے مقامات پیش کروں تو طول کلام
ہوگا۔ یہی حال آپ ان کی ان آیات کے ترجمے میں بھی دیکھیں گے جو انبیاء
کی شان میں ہیں مگر انہوں نے وقار نبوّت کا قطعی خیال نہ رکھا بلکہ جیسا کہ
حم السجدہ کی آیت کا ترجمہ آپ نے ملاحظہ کیا کہ وہ کفار یا عام
انسان سے آیت کا خطاب کا انداز بتا رہی ہے اس کو نبی پاک علیہ السّلام
سے پیوست کر کے وقار نبوت کو پامال کیا۔ مولوی تھانوی صاحب نے سورہ
بقرہ کی ان آیات میں یہ بھی خیال نہ کیا کہ یہ ہزاروں برس پہلے کا واقعہ ہے
اپنی جانب سے قرآنی الفاظ کے معنی کیوں بدل رہے ہیں۔

باب پنجم

حیاتِ امام احمد رضا خاں قادری برکاتی محدث بریلوی

اور

کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن

(۱۳۳۰ھ)

حیات امام احمد رضا

امام احمد رضا خاں ابن مولٰنا مفتی محمد نقی علی خاں ابن مولٰنا محمد رضا علی خاں بن مولٰنا حافظ محمد کاظم علی خاں بن شاہ محمد اعظم خاں محمد سعادت یار خاں بن محمد سعید خاں قندہار کے موقر قبیلہ بڑہیچ سے تعلق رکھتے تھے اس لحاظ سے آپ افغانی النسل ہیں ۔(۱) آپ کی ولادت بروز ہفتہ ۱۰ شوال ۱۲۷۲ھ مطابق ۱۴ جون ۱۸۵۴ء کو بریلی (یو پی بھارت) کے محلہ ذخیرہ میں ہوئی ۔ محمد نام رکھا گیا جب کہ جد امجد مولٰنا محمد رضا علی خاں نے احمد رضا تجویز کیا جو بہت مشہور ہوا (۲) ۔ تاریخی نام آپ نے خود "المختار" رکھا جس کے ۱۲۷۲ عدد بنتے ہیں جب کہ قرآن پاک سے آپ نے مندرجہ ذیل آیت شریفہ سے ۱۲۷۲ عدد تخریج فرمائے ۔(۳)

أُولَٰئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهُم بِرُوحٍ مِّنْهُ ط

۱۲۷۲ ——— (المجادلة : ۲۲)

یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان نقش فرما دیا اور اپنی روح کی طرف سے ان کی مدد کی ۔ (کنزالایمان)

خاندانی حالات

آپ کے اجداد شاہان مغلیہ کے عہد میں لاہور آئے

---

۱ ـ مولوی عبد الحئی لکھنوی "نزہتہ الخواطر"، جلد ۸ ص ۳۸ مطبوعہ کراچی

۲ ـ مولٰنا ظفر الدین بہاری "حیات اعلحضرت"، جلد اول ص ۱۱ مطبوعہ کراچی

۳ ـ مولٰنا حسنین رضا خاں بریلوی "سیرت اعلیٰ حضرت"، ص ۴۴ بزم قاسمی برکاتی کراچی

اور معزز عہدوں پر فائز ہوئے۔ لاہور کا شیش محل انہی کی جاگیر تھا، پھر وہاں سے دہلی آئے جہاں معززِ عہدوں پر فائز ہوئے۔ محمد سعید اللہ خاں شش ہزاری عہدے پر فائز ہوئے اور شجاعت جنگ انہیں خطاب عطا ہوا۔ آپ کے صاحبزادے بریلی روہیلکھنڈ فتحیاب کرنے کے بعد جلد ہی انتقال فرما گئے اور ان کی اولاد میں محمد اعظم بریلی ہی میں قیام پذیر ہو گئے۔ آپ نے ترک دنیا کو ترجیح دی اور زہد میں مقام حاصل کیا۔ آپ کے صاحبزادے محمد کاظم علی خاں نے قرآن حفظ کیا تھا اور حافظ کے نام سے مشہور ہوئے۔ حافظ صاحب کافی زمانے تک بدایون شہر کے تحصیلدار بھی رہے۔ آپ کے صاحبزادگان میں مولانا مفتی محمد رضا علی خاں نے بہت شہرت پائی (۴۱)۔

مولانا محمد رضا علی خاں

مولانا محمد رضا علی خاں ۱۲۲۴ھ/۱۸۰۹ء میں بریلی میں پیدا ہوئے۔ جملہ علوم وفنون کی تکمیل ۲۳ برس کی عمر میں مولانا خلیل الرحمٰن ولد عرفان رامپوری سے ٹونک میں ۱۲۴۷ھ میں مکمل کی۔ فقہ میں خاص مہارت حاصل کی اور اپنے خاندان میں "مسند رفتاء" کی بنا ڈالی جو آج چھٹی پشت میں بھی جاری ہے۔ آپ ہی نے اس خاندان میں تلوار کے ساتھ جہاد میں بھرپور حصہ لیا۔ آپ نے انگریزوں کے خلاف ۱۸۵۷ء میں جہاد کا فتویٰ جاری کیا اور مجاہدین کی ہر امکانی مدد فرمائی۔ آپ نے جنرل بخت خان کے ساتھ مل کر بریلی میں انگریزوں کو شکست دی جس کے بعد خان بہادر کو بریلی

۴۱۔ مولانا ظفر الدین بہاری "حیات اعلیٰ حضرت"۔ جلد اوّل ص ۲۔۴

کا حکمراں مقرر کیا گیا۔ دوسری طرف انگریز نے اپنی شکست کے باعث مولنا رضا علی خان کے سر قلم کرنے کی بھاری رقم کا اعلان کیا جو اس وقت ۵۰۰ روپے مقرر کی گئی تھی (ف۱) جنرل ہڈسن نہ آپ کو قتل کرا سکا اور نہ ہی گرفتاری عمل میں آئی البتہ آپ کی جاگیریں ضبط کر لی گئیں۔ آپ کا وصال ۱۲۸۲ھ/۱۸۶۶ء میں ہوا (۵)۔

مولوی عبدالحئی لکھنوی اپنی کتاب نزہتہ الخواطر میں آپ کی علمی حیثیت کو ہندوستان میں ان الفاظ میں سراہتے ہیں:۔

"مولانا محمد رضا علی خاں نے ۲۳ برس کی عمر میں علم منقولہ و معقولہ سے فراغت حاصل کی، اپنے ہم عصروں میں بہت ممتاز ہوئے اور علم فقہ میں بڑی مہارت حاصل کی" (۶)

امام احمد رضا خاں بریلوی نے اپنے جد امجد کی ولادت، ختم درس اور وصال سے متعلق جو تاریخی مادے تخریج فرمائے تھے یہاں پیش کیے جا رہے ہیں۔

قلت فکیف نھتدی قال رضاً نا القمر ۱۲۲۴ھ (سن ولادت)

قلت ختام درسہ قال اخار الدرر ۱۲۴۷ھ (سن فراغت)

ف۱ پروفیسر محمود حسین بریلوی استاد شعبۂ عربی بریلی کالج نے بتایا کہ انہوں نے ان واقعات کو انڈین گزٹ میں بھی دیکھا ہے۔ مجید

۵ ۔ مولنا ظفر الدین بہاری "حیات اعلیٰ حضرت"، جلد اول ص ۴

۶ ۔ مولوی عبدالحئی لکھنوی "نزہتہ الخواطر"، جلد ۷، ص ۱۷۹

قلت نعام نقلہ   قال معجّل اغر ۱۲۸۲ھ (سن وصال) (۷)

مولٰنا محمد نقی علی خاں | امام احمد رضا کے والد ماجد مولٰنا محمد نقی علی خاں قادری برکاتی ابن مولٰنا محمد رضا علی خاں بریلوی ۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۰ء میں بریلی شریف میں پیدا ہوئے۔ آپ نے تمام علوم نقلیہ وعقلیہ کی تعلیم اپنے والد ماجد ہی سے بریلی شریف میں حاصل کی۔ علوم متداولہ کے حصول کے بعد اپنے والد ملجد کی قائم کردہ "مسند افتا"، کی ذمہ داری سنبھال لی۔ آپ ۴۰ سے زیادہ مختلف علوم وفنون پر مکمل دسترس رکھتے تھے۔ آپ نے تصنیف کے ساتھ ساتھ درس و تدریس کی طرف بھی پوری توجہ دی۔ آپ کا درس مشہور تھا۔ طلبا دور دور سے آپ کے پاس اکتساب علم کے لیے آتے۔ اس سلسلے کو آگے بڑھانے کے لیے آپ نے ایک مدرسہ "مصباح التہذیب"، کے نام سے بریلی میں قائم کیا۔ تاریخ میں اس کا نام "مصباح العلوم"، بھی ملتا ہے۔ (۸)

مولٰنا محمد نقی علی خاں نے ۱۲۹۴ھ امام احمد رضا خاں بریلوی کے ہمراہ مادھرہ شریف کے سجادہ نشین سیدنا شاہ آل رسول قادری برکاتی علیہ الرحمہ سے شرف بیعت کے ساتھ ساتھ جمیع سلاسل میں خلافت واجازت حاصل کی ساتھ ہی سند حدیث حاصل کی۔ اسی طرح ۱۲۹۵ھ میں حج کے موقعہ پر مکہ مکرمہ میں حضرت الشیخ السید احمد زین دحلان المکی (المتوفی ۱۲۹۹ھ/

۷؎ امام احمد رضا خاں بریلوی "مجیرِ معظم شرح قصیدہ اکسیر اعظم"، ص ۲ سیتا پور انڈیا

۸؎ مرزا عبدالوحید بیگ "حیات مفتی اعظم ہند"، ص ۳۴، ادارہ تحقیقات مفتی اعظم ہند بریلی ۱۴۱۱ھ

(۱۸۸۱ء) سے مکرر سند حدیث حاصل کی جس کا ذکر مولوی عبدالحیٔ لکھنوی نے بھی کیا ہے۔ (۹)

"الشیخ الفقیہ نقی علی خاں بن رضا علی خان بن کاظم علی خاں بن اعظم شاہ بن سعادت یار خاں الافغانی البریلوی احد الفقہا الحنیفۃ اسند الحدیث عن شیخ احمد زین دحلان المکی الشافعی"

مولٰنا نقی علی خاں اس جہاد کمیٹی کے فعال رکن تھے جو علمائے اہلسنت پر مشتمل کمیٹی اس وقت بنائی گئی تھی جب ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے وقت انگریز اقتدار کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لیے علمائے اہلسنت نے جہاد کا فتویٰ دیا تھا۔ اس کمیٹی کے رکن کی حیثیت سے آپ کی ذمہ داری یہ تھی کہ انگریزوں کے خلاف جنگ کرنے کے لیے مجاہدین کو مناسب مقامات پر گھوڑے اور دیگر جنگی سامان پہنچاتے۔ کیونکہ آپ کے والد کا مکان گھوڑوں کا اصطبل اور حریّت پسندوں کا لنگر خانہ تھا۔ (۱۰)

مولٰنا نقی علی خاں اس جہاد کے ساتھ ساتھ دشمنان دین اور گستاخان بارگاہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف قلمی جہاد بھی قائم رکھا چنانچہ فتنہ "امکان نظیر" کو جڑ سے ختم کر دیا اور ساتھ ہی ایک مناظرہ دینی کا اعلان بنام تاریخ "اصلاح ذات بین" ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء میں شائع (۱۱) کر دیا۔ اس کے

۹ ۔ مولوی عبدالحیٔ لکھنوی "نزہتہ الخواطر" جلد ۷، ص ۵۹

۱۰ ۔ مرزا عبدالوحید بیگ "حیات مفتی اعظم ہند" ص ۲۷

۱۱ ۔ مولٰنا ظفرالدین بہاری "حیات اعلیٰ حضرت" ص ۷

علاوہ آپ سے ۲۵ کتابوں سے زائد قلمی شاہکار منسوب ہیں

(۱) تفسیر الم نشرح (مجلد) (۲) وسیلۃ النجاۃ (۳) سرور القلوب فی ذکر المحبوب (۴) جواہر البیان فی اسرار الارکان (۵) اصول الرشاد (۶) ہدایۃ البریہ الی الشریعۃ الاحمدیہ (۷) اذقۃ الاثام (۸) ازالۃ الادہام (۹) تزکیۃ الایقان فی رد تقویت الایمان (۱۰) فضل العلم والعلماء (۱۱) الکواکب الزہرا فی فضائل العلم وآداب العلما (۱۲) الروایۃ الرویہ فی الاخلاق النبویہ (۱۳) النقاۃ النقویہ فی الخصائص النبویہ (۱۴) لمعۃ النبراس (۱۵) التمکین فی تحقیق مسائل التزئین (۱۶) احسن الدعا و الاداب الدعا (۱۷) خیر المخاطبہ فی المحاسبۃ والمراقبہ (۱۸) ہدایۃ المشارق (۱۹) ارشاد الاحباب (۲۰) اجمل الفکر فی مباحث الذکر (۲۱) عین المشاہدہ لحسن المجاہدہ (۲۲) تشوق الاولہ الی طرف محبۃ اللہ (۲۳) نہایۃ السعادہ (۲۴) اقوی الذریعہ الی تحقیق الطریقہ (۲۵) ترویح الارواح[12]

مولنا محمد نقی علی خاں کا وصال ۵۱ برس کی عمر میں ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء) میں ہوا۔ امام احمد رضا خاں قادری جن کو تاریخی مادہ نکالنے میں انتہائی مہارت حاصل تھی اور فی البدیہہ تاریخی مادہ فرماتے تھے اپنے والد ماجد قدس اللہ سرہٗ العزیز کے وصال کے موقعہ پر کئی تاریخی مادہ نکالے تھے چند پیش کیے جا رہے ہیں: (۱۳)

خاتم اجلۃ الفقہا ۱۲۹۷ھ

۱۲ے مولوی رحمٰن علی، "تذکرہ علمائے ہند"، ص ۲۴۴ - ۲۴۵

۱۳ے امام احمد رضا خاں بریلوی، "حدائق بخشش"، حصہ سوم ص ۸۸ مطبوعہ بیلی بھیت انڈیا

و ان موتة العالم موتة العالم	۱۲۹۷ھ
و کان نهایة جمع العظما	〃
و ان فقد نتلك کلمة بها یهتدی	〃
و وفاة عالم الاسلام ثمة فی جمع الانام	〃
و امنحه جنة اعدت للمتقین	〃
و وادخلی فی جنتی و عبادی	〃
و صلی اللّٰہ تعالیٰ علی سیدنا محمد وآلہ واھلہ اجمعین	〃
و ان الذین یبا یعونك انما یبا یعون اللّٰہ الوھاب	〃

تعلیم و تربیت امام احمد رضا خاں بریلوی کی تعلیم و تربیت جدِّ امجد مولٰنا محمد رضا علی خاں اور والد ماجد مولٰنا مفتی محمد نقی علی خاں بریلوی سمیت کئی علماء و فضلا نے فرمائی۔ چار سال کی عمر میں قرآن پاک کا ناظرہ ختم کر لیا۔ اس کے بعد درسی کتابوں کی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا۔ آپ بچپن ہی سے بہت ذہین تھے اس لیے کئی غیر معمولی واقعات دوران تعلیم پیش آئے۔ آپ اپنی ابتدائی تعلیم کا خود ذکر فرماتے ہوئے رقمطراز ہیں :۔

"میرے استاد جن سے میں ابتدائی کتب پڑھتا تھا جب مجھے سبق پڑھا دیا کرتے، ایک دو مرتبہ دیکھ کر کتاب بند کر دیتا جب سبق سنتے تو حرف بحرف، لفظ بہ لفظ سنا دیتا۔ روزانہ یہ حالت دیکھ کر اساتذہ کرام سخت تعجب کرتے ایک دن مجھ سے فرمانے لگے کہ احمد میاں یہ تو کہو کہ تم آدمی ہو یا جن کہ مجھ کو پڑھاتے دیر

لگتی ہے مگر تم کو یاد کرتے دیر نہیں لگتی۔" (۱۴)

جملہ علوم و فنون پر دسترس | امام احمد رضا خاں بریلوی نے ابتدائی کتب یعنی میزان منشعب وغیرہ بریلی ہی کے ایک استاد حضرت مولٰنا حکیم غلام قادر بیگ(ف)

---

۱۴ ۔ مولانا ظفر الدین بہاری "حیات اعلیٰ حضرت" جلد اوّل ص ۳۲

ف : مرزا غلام قادر بیگ فاروقی النسل ہیں۔ آپ کے اجداد میں خواجہ عبید اللہ احرار شامل ہیں جو ظہیر الدین بابر کی ہندوستان میں آمد کے بعد یہاں تشریف لائے۔ زوال مغلیہ کے بعد آپ کا خاندان لکھنؤ میں آباد ہو گیا جہاں کے اطبا بہت مشہور ہیں جو فاروقی النسل ہیں۔ آپ کے والد مرزا حکیم حسن جان بیگ بریلی میں آ کر آباد ہو گئے۔ آپ اپنے گھر پر ہی طلبا کو طب کی مفت تعلیم دیا کرتے تھے جب کہ امام احمد رضا کو پڑھانے کے لیے ان کے گھر تشریف لے جاتے۔ آپ کے فرزند اکبر مرزا حکیم عبد العزیز بیگ نے بریلی کے علاوہ ڈھاکہ، کلکتہ، اور برما میں مطب کھولے ہوئے تھے جہاں کبھی کبھی مرزا غلام قادر بیگ بھی تشریف لے جاتے۔ آپ کے دو ہی فرزند مرزا حکیم عبد العزیز بیگ اور مرزا عبد الحمید بیگ تھے۔ مرزا عبد الحمید تو لاولد فوت ہوئے مگر عبد العزیز کے ایک فرزند مرزا عبد المجید ہوئے جو پھر لاولد فوت ہو گئے اس طرح آپ کی نسل ختم ہو گئی مگر مرزا غلام قادر بیگ کے بھائی مرزا مطیع اللہ بیگ کے پوتے آج بھی حیات ہیں ان میں سے ایک مولوی حکیم مرزا عبد الوحید بیگ ہیں جو بریلی میں مقیم ہیں اور آل انڈیا سنی جمعیۃ العلماء کے اہم رکن ہیں۔ آپ خود تحریر فرماتے ہیں :۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

پچھلے صفحہ کا حاشیہ

"ہم نسلاً مغل نہیں بلکہ مرزا اور بیگ کے خطابات اعزازی مغلیہ حکومت کے عطا کردہ ہیں۔ ہم سے بہتر ہماری نسل کے متعلق کوئی نہیں جانتا اور اس سلسلے میں کسی کو لب کشائی کا حق حاصل نہیں، ہمارے خاندان کا کوئی رشتہ "قادیانی کذب" سے نہیں ہے۔ مسلک وعقیدے کے اعتبار سے ہمارا سارا خاندان ملّت اسلامیہ کے ساتھ ہے اور مرزا غلام احمد قادیانی کو کذاب، مرتد اور بدین مانتے ہیں" مزید لکھتے ہیں
"قسم ہے وحدہٗ لاشریک کی کہ ہمارے خاندان کے کسی فرد کا رشتہ ناطہ کاذب مُرتد غلام احمد قادیانی سے جوڑے تو وہ خود کاذب ہے۔ ایسے کاذب پر اللہ تبارک وتعالیٰ، اس کے تمام انبیاء ورسل، ملائکہ اور صالح بندوں کی لعنت لعنت لعنت،
اپنے خاندان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
"ہمارا سارا خاندان مسلکاً سنی اور حنفی ہے، میرے چھوٹے بڑے دادا مشرباً نقشبندی تھے، چھوٹے دادا کے دونوں فرزند بھی نقشبندی تھے ہمارا مرکز عقیدت دہلی کے حضرت شاہ غلام علی صاحب مجددی علیہ الرحمہ سے تھا میرے والد حکیم مرزا محمد جان بیگ، والدہ اور بھائی کو میرے چھوٹے دادا مرزا غلام قادر بیگ صاحب نے امام احمد رضا سے قادری سلسلے میں بیعت کرایا تھا اور میں خود مفتی اعظم ہند محمد مصطفیٰ رضا خان بریلوی سے شرف بیعت رکھتا ہوں اس لیے ہمارے سارے خاندان کا مسلک اب وہی ہے جو مولٰنا احمد رضا بریلوی کا ہے۔ مزید معلومات فراہم کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ امام احمد رضا اپنا ایک معروف رسالہ . . . . .

(بقیہ اگلے صفحہ پر)

سے پڑھیں جبکہ اکثر علوم و فنون اپنے والد ماجد سے حاصل کئے چنانچہ آپ رقمطراز ہیں کہ:

۲۱ علوم و فنون وہ ہیں جو اپنے والد ماجد سے حاصل کئے۔

(۱) علم قرآن (۲) علم حدیث (۳) اصول حدیث (۴) فقہ حنفی (۵) فقہ جملہ مذاہب (۶) اصول فقہ (۷) جدل مہذب (۸) علم تفسیر (۹) علم العقائد و الکلام (۱۰) علم نحو (۱۱) علم صرف (۱۲) علم معانی (۱۳) علم بیان (۱۴) علم بدیع (۱۵) علم منطق (۱۶) علم مناظرہ (۱۷) علم فلسفہ (۱۸) علم تکسیر (۱۹) علم ہیئت (۲۰) علم حساب (۲۱) علم ہندسہ (۱۵)

ان علوم کی بھی اجازت دیتا ہوں جنھیں میں نے اساتذہ سے بالکل نہیں پڑھا پر نقاد علماء کرام سے مجھے ان کی اجازت حاصل ہے۔

"تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین" ۱۳۰۵ھ، مرزا غلام قادر بیگ کے استفتا کے جواب میں ہی لکھا تھا۔

نوٹ: خیال رہے کہ مولوی احسان الٰہی ظہیر (م) نے اپنی کتاب البریلویہ میں امام احمد رضا پر قادیانی اور شیعہ ہونے کا الزام لگایا تھا (البریلویہ ص ۴)

(محررہ بنام مجید اللہ قادری)

۱۵ - امام احمد رضا خاں قادری بریلوی "الاجازۃ الرضویہ لمبجل مکۃ البہیۃ" جلد دوم ص ۱۰۳ مطبوعہ لاہور

(۲۲) قرأت (۲۳) تجوید (۲۴) تصوّف (۲۵) سلوک (۲۶) اخلاق (۲۷) سیر (۲۸) اسماء الرجال (۲۹) تواریخ (۳۰) لغت (۳۱) ادب معہ جملہ فنون (۱۶)
آپ کو ان علوم کی بھی اجازت دیتا ہوں جنھیں میں نے کسی افادہ بخش استاد سے حاصل نہیں کیے، نہ پڑھ کر نہ سن کر اور نہ ہی باہمی گفتگو سے گویا یہ علوم ایسے ہیں جن کی تعلیم صرف آسمانی فیض سے مجھے حاصل ہوئی۔
(۳۲) ارثماطیقی (۳۳) جبر و مقابلہ (۳۴) حساب (۳۵) لوغارثمات (۳۶) علم التوقیت (۳۷) مناظر و مرایا (۳۸) علم الاکر (۳۹) زیجات (۴۰) مثلث کروی (۴۱) مثلث مسطح (۴۲) ہیئت جدیدہ (۴۳) مربعات (۴۴) علم جفر (۴۵) زائرجہ۔ (۱۷)
مزید علوم کے بارے میں لکھا جن کی تعلیم بھی کسی استاد سے حاصل نہ کی۔
(۴۶) نظم عربی (۴۷) نظم فارسی (۴۸) نظم ہندی (۴۹) نثر عربی (۵۰) نثر ہندی (۵۱) نثر فارسی (۵۲) خط نسخ (۵۳) خط نستعلیق (۵۴) تلاوت معہ تجوید (۵۵) علم الفرائض۔ (۱۸)
"اللہ کی پناہ میں نے یہ باتیں فخر اور خواہ مخواہ کی خود ستائی کے طور پر بیان نہیں کیں بلکہ منعم کریم کی عطا فرمودہ نعمت کا ذکر کیا ہے۔ میرا یہ دعویٰ بھی نہیں ہے کہ ان میں اور ان کے علاوہ دیگر حاصل کردہ فنون میں بہت بڑا ماہر

۱۶؎ ایضاً ص۔ ۳۰۳

۱۷؎ ایضاً ص۔ ۳۰۷

۱۸؎ ایضاً ص۔ ۳۱۵

ہوں" (۱۹)

امام احمد رضا جملہ علوم وفنون سے فراغت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اور یہ واقعہ نصف شعبان ۱۲۸۶ھ کا ہے۔ اس وقت میں ۱۳ سال دس ماہ اور پانچ دن کا تھا۔ اسی روز مجھ پر نماز فرض ہوئی تھی اور میری طرف شرعی احکام متوجہ ہوئے تھے۔ اور یہ نیک فال ہے کہ بحمدہٖ تعالیٰ میری تاریخ فراغت کلمہ غفور (ف ۱) ۱۲۸۶ھ اور "تعویذ" ہے۔ بخشنے والے رب سے امید کی جاتی ہے کہ وہ مجھے بخشے گا اور مکروہ سے بچا کر اپنی پناہ میں لے گا۔" (۲۰)

اسناد حدیث وفقہ امام احمد رضا نے ان علوم کے علاوہ اپنے والد سمیت

---

۱۹ ۔ امام احمد رضا خاں قادری بریلوی "الاجازۃ الرضویہ لمبجل مکہ البھیۃ" ص ۳۰۱ (مشمولہ رسائل الرضویہ جلد دوم ص ۲۱۵

۲۰ ۔ ایضاً ، ص ۔ ۳۰۹

ف : امام احمد رضا نے اپنے ایک نعتیہ شعر میں "غفور" جس سے آپ کی فراغت کے عدد بنتے ہیں اور لفظ "غفر" جو آپ کی پیدائش کے وقت آفتاب کی منزل ہے جو اہل نجوم کے نزدیک بہت ہی مبارک ساعت ہے، اس طرح استعمال کیا ہے ملاحظہ کیجیے:

نیا ہزار حشر جہاں میں غفور ہیں
ہر منزل اپنے ماہ کی منزل غفر کی ہے (حدائق بخشش)

جن محدثین وفقہا حضرات سے سند حدیث اور سند نقہ حاصل کی ان کے اسمائے گرامی مندرجہ ذیل ہیں۔

(۱) شاہ آلِ رسول مارہروی (المتوفی ۱۲۹۷ھ/۱۸۷۹ء)

(۲) شیخ احمد بن زین دحلان مکی (المتوفی ۱۲۹۹ھ/۱۸۸۱ء)

(۳) شیخ عبد الرحمٰن سراج مکی (المتوفی ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳ء)

(۴) شیخ حسین بن صالح (المتوفی ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۴ء)

(۵) شاہ ابوالحسن احمد النوری (المتوفی ۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء)۔ (۲۱)

صاحب نزہتہ الخواطر مولوی عبد الحیٔ لکھنوی نے بھی ان اسناد کا ذکر کیا ہے چنانچہ آپ لکھتے ہیں

"وأسند الحديث عن السيد احمد زيني دحلان الشافعي المكي والشيخ عبد الرحمٰن سراج مفتي الاحناف بمكة والشيخ حسين بن صالح جمل الليل"۔(۲۲)

امام احمد رضا محدّث بریلوی کو حدیث "مسلسل بالاولیت" کی سند شاہ آلِ رسول مارہروی کے واسطے سے شیخ عبد الحق محدّث دہلوی (المتوفی ۱۰۵۲ھ) اور شاہ عبد العزیز محدّث دہلوی دونوں سے حاصل ہے تیسری مسلسل بالاولیت سند آپ کو حسین بن صالح جمال اللیل سے حاصل ہے(۲۳)

۲۱ے امام احمد رضا خاں بریلوی "الاجازۃ الرضویہ لبجل مکۃ البہیۃ" ص ۳۰۵

۲۲ے مولوی عبد الحیٔ لکھنوی "نزهة الخواطر" جلد ۸ ص ۳۸

۲۳ے امام احمد رضا بریلوی "الاجازات المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینہ" ص ۲۴۷ (رسائل رضویہ جلد دوم)

ان اساتذہ کے علاوہ مولانا عبدالعلی رامپوری[ف۱] م ۱۳۰۳ھ/۱۸۸۵ء) سے بھی شرح چغمنی کے چند اسباق پڑھے تھے۔ (ف۱)

سند اجازت و خلافت امام احمد رضا خاں بریلوی اپنے والد ماجد مفتی محمد نقی علی خاں بریلوی اور حضرت مولانا شاہ عبدالقادر بدایونی (المتوفی ۱۳۱۹ھ) کے ہمراہ حضرت شاہ آل رسول مارہروی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سلسلہ عالیہ قادریہ برکاتیہ میں باپ بیٹے دونوں بیعت ہوئے اور ساتھ ہی دونوں حضرات اس خانقاہ کے جملہ ۱۳ سلاسل میں خلافت و اجازت سے بھی اسی نشست میں نوازے گئے۔" (۲۴)

آپ کے پیرومرشد نے ایک استفسار کا جواب دیتے ہوئے فوری اجازت و خلافت کی وجہ بیان فرمائی کہ

"میاں صاحب اور لوگ زنگ آلود میلا کچیلا دل لے کر آتے ہیں اس کی صفائی اور پاکیزگی کے لیے مجاہدات طویلہ ریاضات شاقہ کی ضرورت پڑتی ہے، یہ دونوں حضرات صاف ستھرا دل لے

ف۱: مولانا عبدالعلی رامپوری مشہور عالم اور معروف ریاضی داں تھے اس کے ساتھ ساتھ حکمت اور منطق میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے (نزہتہ الخواطر جلد ۱ ص ۲۶۶) آپ نے دورہ حدیث شاہ محمد اسحاق دہلوی (المتوفی ۱۲۶۲ھ) نواسہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی سے کیا اور طب کی تعلیم حکیم صادق علی دہلوی سے حاصل کی علوم حکیمہ سے خاص شغف رہا، علامہ فضل حق خیرآبادی کے حاشیہ قدیمہ پڑھا۔

۲۴ ۔ مولانا محمد المجتبیٰ رضوی "تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ" ص ۲۹۹، مطبوعہ انڈیا

کر ہمارے پاس آئے، ان کو صرف اتصال نسبت کی ضرورت تھی
اور وہ مرید ہوتے ہی حاصل ہو گئی۔ (۲۵)

حضرت شاہ آل رسول مارہروی امام احمد رضا کے پیر و مُرشد کا اسم گرامی ال رسول اور لقب خاتم الاکابر ہے آپ کے والد ماجد کا نام شاہ ال برکات لقب "ستھرے میاں" تھا۔ آپ ۱۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے۔ جملہ علوم و فنون شاہ عبدالمجید بدایونی، شاہ سلامت اللہ کشفی، مولٰنا انوار فرنگی علی حضرت مولٰنا عبدالواسع، حضرت مولٰنا شاہ نورالحق رزاقی لکھنوی سے حاصل کیے۔ سوآپ دورہ حدیث کے لیے شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی کے درس میں شریک ہوئے۔ صحاح ستہ کے دورے کے بعد سلاسل حدیث و طریقت کی سندیں عطا ہوئیں۔ آپ کو والد ماجد کے علاوہ حضرت شاہ ال احمد اچھے میاں (م ۱۲۳۵ھ) سے بھی تمام سلاسل میں خلافت و اجازت حاصل تھی۔ آپ کا وصال ۱۲۹۶ھ میں ہوا۔ آپ کے خلفاء میں کئی نامور علماء اور مشائخ شامل ہیں جن میں امام احمد رضا اور ان کے والد مفتی نقی علی خان اور ان کے علاوہ حضرت شاہ علی حسین اشرفی کچھوچھوی، حضرت شاہ تجمل حسین قادری شاہجہاں پوری اور حضرت ابوالحسن احمد نوری میاں مارہروی (المتوفی ۱۳۲۴ھ) نے بہت شہرت حاصل کی۔ (۲۶)

۲۵ے مولٰنا عبدالمجتبیٰ رضوی "تذکرہ مشائخ قادریہ رضویہ" ص ۴۰۰

۲۶ے ایضاً ۳۷۶-۳...

حج بیت اللہ و زیارات حرمین شریفین

آپ پہلی بار ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء میں والد ماجد مولنا نقی علی خاں قادری برکاتی بریلوی کی معیت میں زیارت حرمین اور حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنے کے لیے تشریف لے گئے۔ اس وقت آپ کی عمر ۲۲ سال تھی۔ دوسرا حج ۱۹۰۵ میں ادا کیا۔

عالم اسلام کے علمائے سے امام احمد رضا کی ملاقات

عالم اسلام میں امام احمد رضا خاں بریلوی کا تعارف ۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء میں اس وقت ہوا جب وہ اپنے والد ماجد مولانا مفتی نقی علی خاں کے ہمراہ اپنے پہلے حج بیت اللہ کے لیے حرمین تشریف لے گئے اس موقعہ پر وہاں کے اکابر علمائے کرام و مفتیان عظام سے ملاقاتیں کیں اور سندیں حاصل کیں جس کی تفصیل مولوی رحمان علی (المتوفی ۱۳۲۵ھ/۱۹۰۷ء) بن حکیم شیر علی (المتوفی ۱۲۵۶ھ/۱۸۴۰ء)[27] نے تذکرہ علمائے ہند میں پیش کی ہے جو انہوں نے ۱۳۰۵ھ - ۱۳۰۸ء کے درمیان مکمل کی: مولوی رحمان علی رقمطراز ہیں۔(۲۸)

"۱۲۹۵ھ/۱۸۷۸ء میں اپنے والد ماجد کے ہمراہ زیارت حرمین سے مشرف ہوئے وہاں کے اکابر علماء یعنی سید احمد زینی دحلان مفتی مسلک شافعیہ المتوفی (۱۳۰۴ھ/۱۸۸۶ء) مصنف ....

---

۲۷ مولوی رحمان علی "تذکرہ علمائے ہند" (مترجم ڈاکٹر ایوب قادری) ص ۲۴۴ پاکستان ہسٹاریکل سوسائٹی کراچی

"الدرر السنیۃ فی الرد علی الوہابیۃ"۔ (ف ۱) اور عبدالرحمٰن سراج مفتی حنفیہ المتوفی ۱۳۰۱ھ/۱۸۸۳ء سے حدیث، فقہ، اصول، تفسیر اور دوسرے علوم کی سند حاصل کی۔ ایک دن نماز مغرب مولانا بریلوی نے مقام ابراہیم علیہ السلام میں ادا کی نماز کے بعد امام شافعیہ حسین بن صالح جمال اللیل (المتوفی ۱۳۰۲ھ/۱۸۸۴ء) نے بغیر کسی سابقہ تعارف کے ان کا ہاتھ پکڑ کر ان کو اپنے گھر لے گئے دیر تک ان کی پیشانی کو تھامے رہے اور فرمایا:

"انی اجد نور اللہ من ھذا الجبین"

بیشک میں اس پیشانی سے اللہ کا نور پاتا ہوں۔ (۲۸)

آگے چل کر لکھتے ہیں:

"اس کے بعد صحاح ستہ کی سند اور سلسلہ قادریہ کی اجازت اپنے دستخط خاص سے مرحمت فرمائی اور ارشاد فرمایا تمہارا نام "ضیاء الدین احمد" ہے۔

سند مذکورہ میں امام بخاری علیہ الرحمۃ تک گیارہ واسطے ہیں۔ مکہ

ف ۱: حضرت الشیخ احمد بن زینی دحلان المکی نے "الدرر السنیۃ فی الرد علی الوہابیۃ" کتاب لکھی ہے جو ۵۴ صفحات پر مشتمل ہے اور مکتبۃ الحقیقۃ استانبول ترکی نے ۱۴۰۶ھ میں اس کو شائع کیا۔ یہ کتاب عقائد وہابیہ کے رد میں لکھی گئی ہے۔

۲۸۔ مولوی رحمان علی "تذکرہ علمائے ہند" ص ۹۹ مطبوعہ کراچی

معظمہ میں شیخ جمال اللیل موصوف کے ایماء سے "رسالہ جواہرہ المضیّہ"، کی شرح، جو مناسک حج میں شافعی مذہب کے مطابق ہے، دو دن میں مکمل کی یہ رسالہ شیخ حسین بن صالح کی تصنیف ہے۔ آپ نے اس شرح کا نام "النیرۃ الوضیّہ فی شرح الجواہرۃ المضیّہ"، (ف۱) رکھا اور شیخ صالح سے تحسین حاصل کی۔" (۲۹)

پہلے سفر حج کے بعد علماء حرمین کے سامنے مولانا احمد رضا بریلوی کے بعض فتاویٰ پیش کیے گئے تو ان کے دلوں پر آپ کی فضیلت علمی اور تحقیق و استدلال کا سکہ بیٹھ گیا۔ علماء حرمین کے سامنے جب مولانا کا رسالہ "الحسام السنتہ لاھل الفتنتہ"، پیش کیا گیا جو علماء ندوہ کے رد میں ۱۳۱۶ھ/۱۸۹۸ء میں لکھا گیا تھا۔ علماء حرمین نے اس کو اپنی تصدیقات سے نوازا اور پھر ان تمام تصدیقات کو یکجا کر کے ۱۳۱۷ھ/۱۸۹۹ء میں بعنوان "فتاوی الحرمین بر جف ندوۃ المین"، شائع کیا گیا۔ یہ تمام تفصیل عبدالحئی لکھنوی نے نزہتہ الخواطر میں قلمبند کی ہے۔ (۳۰)

مولانا احمد رضا خاں بریلوی دوسری بار حج وزیارت حرمین کے لیے اپنے بڑے صاحبزادے مولانا مفتی حامد رضا خاں بریلوی کے ہمراہ جب ۱۳۲۳ؔ

ف۱: امام احمد رضا خاں بریلوی کی یہ کتاب بعنوان "النیرۃ الوضیتہ فی شرح الجوہرۃ المضیہ معہ حواشی الطرۃ الرضیہ، مطبع انوار محمدی لکھنؤ ۱۳۰۸ء میں چھپ چکی ہے

۲۹ے مولوی رحمٰن علی تذکرہ علمائے ہند، ص ۹۹

۳۰ے مولوی عبدالحئی لکھنوی "نزہتہ الخواطر"، الجزالثامن ص ۔ ۳۹

۱۹۰۵ء میں تشریف لے گئے۔ (۳۱) تو وہاں علماء حرمین کی طرف سے غیر معمولی اعزاز و اکرام سے نوازا گیا اور علماء حجاز نے آپ کی بڑی قدر و منزلت کی (ف۲) جس کا بھر پور اندازہ "حسام الحرمین" (۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء) "الدّولة المکیّة" (۱۳۲۳ھ/۱۹۰۶ء) اور کفل الفقیہ الفاہم (۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء) وغیرہ کے مطالعہ سے ہوسکتا ہے۔ (۳۲)

صاحب نزہتہ الخواطر نے بھی سرزمین حجاز میں آپ کی تالیفات کی پذیرائی کا ذکر کیا ہے وہ لکھتے ہیں:۔

"وذاکر علماء الحجاز فی بعض المسائل الفقهية والكلامية، وألف بعض الرسائل اثناء إقامته بالحرمين وأجاب عن بعض المسائل التي عرضت على علماء الحرمين وأعجبوا بغزارة علمه وسعة

۳۱؎ مولانا مفتی مصطفٰے رضا خاں بریلوی، "ملفوظات، مجدد مائتہ حاضرہ مؤید ملت طاہرہ" حصہ دوم ص۔ ۱۲۱ حامد اینڈ کمپنی لاہور

ف۲: پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد (سابق ایڈیشنل سیکریٹری تعلیمات سندھ) نے امام احمد رضا اور علمائے حجاز کے تعلقات پر ایک مبسوط کتاب تالیف فرمائی ہے جس میں مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے ۴۳ سے زیادہ علماء و مشائخ کے خیالات قلمبند کیے ہیں یہ کتاب "فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں" ضیاالقرآن نے ۱۹۸۸ میں شائع کی تھی۔ یہ کتاب ۲۶۴ صفحات پر مشتمل ہے۔

۳۲؎ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد، "فاضل بریلوی علماء حجاز کی نظر میں"، ص۔ ۷۵، ضیاالقرآن پبلی کیشنز لاہور ۱۴۰۸ھ

اطلاعه على المتون الفقهية والمسائل الخلا
نية وسرعة تحريره و ذكائه "۔ (۳۳)

ترجمہ:۔ "کئی بار حرمین شریفین اور علماء حجاز سے مسائل فقہیہ اور کلامیہ میں مذاکرہ ہوا حرمین شریفین کے قیام کے زمانے میں بعض اہم رسائل بھی لکھے اور علماء حرمین نے جو سوالات کیے ان کے جوابات بھی تحریر کیے۔ متون فقہ اور اختلافی مسائل پر ان کی ہمہ گیر معلومات، سرعت، تحریر اور ذہانت کو دیکھ کر سب کے سب حیران اور ششدر رہ گئے"۔

شیخ اسمٰعیل بن خلیل مفتی مکہ مکرمہ مولانا بریلوی کی مقبولیت کو بڑے موثر انداز میں بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:۔

"علماء اور طلبہ نے چاروں طرف سے انہیں گھیر لیا تو کوئی فائدہ حاصل کرنے کے لیے کوئی سوال کرتا اور کوئی قول صحیح دریافت کرنے کے لیے کوئی مسئلہ پیش کرتا اور کوئی اجازت مانگتا اور کوئی اشارہ کا انتظار کرتا، یہ ان کا حال ہے جب مکہ میں تھے" (۳۴)

امام احمد رضا کی مدینہ منورہ میں جس طرح پذیرائی ہوئی اس کا

۳۳۔ مولوی عبدالحئی لکھنوی "نزهة الخواطر"، الجزء الثامن، ص۔۳۹

۳۴۔ مولانا حامد رضا خاں بریلوی "الفیوضات المکیہ لمحب الدولة المکیة" (اردو ص۔ ۱۴، مطبوعہ کراچی

آنکھوں دیکھا حال مولانا عبدالکریم (ف۱) مہاجر مکی کی زبانی ملاحظہ کیجیے۔

"انی مقیم بالمدینۃ الامینۃ منذ سنین ویاتیھا من الھند الوف من العالمین فیھم علماء وصلحاء اتقیاء رأیتھم یدورون فی البلدۃ لا یلتفت الیھم من اھلہ احد وارٰی العلماء والکبار العظماء الیہ مھرعین وبالاجلال مسرعین ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء واللہ ذوالفضل العظیم۔" (۳۵)

ف۱: حضرت مولٰنا محمد کریم اللہ مہاجر المکی المدنی تلمیذ مولٰنا عبدالحق مہاجر الہ بادی نے امام احمد رضا کی تصنیف "الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبیہ" پر عرب علما سے تقریظ لکھوانے میں بڑی سعی۔ ایک نقل آپ کے پاس ہمیشہ رہتی تھی اس سے مزید نقل کروا کر علما کو پیش کرتے اور پھر تقریظ آپ بریلی بھیج دیتے۔ (الملفوظ ص ۵۸) چنانچہ آپ نے علامہ الشیخ الیوسف النبھانی (المتوفی ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء) کو بیروت امام احمد رضا کی یہ کتاب بھجوائی۔ علامہ موصوف نے اس پر تقریظ بھی لکھی اور مولانا کریم اللہ کا ذکر بھی کیا۔ آپ کی یہ تقریظ اس وقت کے ملک شام سے نکلنے والے رسالے بنام "البیان" میں شائع بھی ہوئی تھی۔ اس کا عکس ادارہ تحقیقات امام احمد رضا میں محفوظ ہے اور یہ معارف رضا شمارہ ۴-۱۴۹۹ء میں شائع بھی ہوئی ہے۔ (مجید)

۳۵ے مولانا حامد رضا خاں بریلوی "الاجازت المتینہ لعلماء بکۃ والمدینۃ" (مرتبہ) ص ۲۴۵ مکتبہ حامدیہ لاہور

ترجمہ:۔ میں کئی سال سے مدینہ منورہ میں مقیم ہوں، ہندوستان سے ہزاروں لوگ جن میں علماء صلحا بھی ہوتے آتے مگر میں نے دیکھا کہ وہ شہر کے گلی کوچوں میں مارے مارے پھرتے ہیں اور کوئی بھی مڑ کر ان کی طرف نہیں دیکھتا لیکن مولانا کی شان عجیب ہے یہاں کے علماء اور بزرگ سب ہی ان کی طرف جوق در جوق چلے آرہے ہیں اور ان کی تعظیم میں بصد تعجیل کوشاں ہیں یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے دیتا ہے وہ بڑے فضل والا ہے۔ (۳۶)

مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی شہرت اور عظمت کا اندازہ جو علمائے حجاز کے دلوں میں تھا اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ آپ نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف "الدولتہ المکیتہ بالمادۃ الغیبیہ"، جب قیام مکہ مکرمہ کے دوران (۱۳۲۴ھ/۱۹۰۷ء) تصنیف فرمائی (جو مخبر صادق علیہ السلام کے علم غیب سے متعلق ہے)، تو علماء حرمین نے اس کی بے حد پذیرائی فرمائی اور وہاں کے ۷۷ جید علماء کرام نے اس پر تصدیقات و تقریظات بھی ثبت فرمائیں جو "الفیوضات الملکیۃ لمحب الدولتہ المکیتہ"، اور "حسام الحرمین" میں شائع ہو چکی ہیں۔

یہ رسالہ دراصل قیام مکہ کے دوران ایک استفتاء کے جواب میں جو شریف مکہ کے توسل سے مولانا کو بھجوایا گیا تھا تحریر کیا گیا۔ یہ رسالہ کئی سو صفحات پر مشتمل ہے اور خصوصیت اس کی یہ ہے کہ یہ رسالہ عربی زبان میں

۳۶؎ مولانا حامد رضا خاں بریلوی "الاجازات المتینتہ لعلماء بکتہ والمدینتہ" (ترجمہ اردو) ص۔ ۲۵۵

صرف ۸ گھنٹے کے دورانیہ میں دو نشستوں کے اندر بخار کی حالت میں بغیر
کسی کتاب کی مدد کے اپنے بڑے صاحبزادے جو آپ کے جانشین ہونے کے
ساتھ ساتھ آپ کے تلمیذ اور خلیفہ بھی ہیں یعنی مولانا مفتی حامد رضا خاں
قادری بریلوی (المتوفی ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۲ء) کو املا کروا دیا۔ جب یہ رسالہ...
"شریف مکہ" کے سامنے مستفیتین احمد فکیہ اور عبدالرحمٰن اسکوبی کی موجودگی
میں پڑھا گیا جن کے ایما پر شریف مکہ شریف علی پاشا نے یہ استفتا مولانا کو
بھجوایا تھا تو یہ افراد اور دیگر تمام علماء حیرت زدہ ہو گئے۔ اس وقت شریف
مکہ پر ظاہر ہو گیا کہ امام احمد رضا ہی حق پر ہیں۔ (۳۷)

تصدیقات بر دولۃ المکیہ | امام احمد رضا کی اس تصنیف لطیف پر
عرب و عجم کے کثیر علما نے تقریظات لکھ کر اس کتاب کی تصدیق فرمائی،
جس میں آپ نے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب کو اللہ تعالیٰ
کا عطائی علم ثابت کیا یہاں چند عرب علماء کی تقریظات کا اُردو ترجمہ
پیش کیا جا رہا ہے۔ ان تمام تقریظات کے اصل عکس پروفیسر ڈاکٹر
محمد مسعود احمد صاحب نے اپنی تالیف "امام احمد رضا اور عالم اسلام"
میں شائع کیے ہیں۔

۳۷۔ مولنا مفتی محمد مصطفےٰ رضا خاں قادری "الملفوظ" حصہ دوم ص۔ ۱۲۸
مطبوعہ لاہور

الشیخ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی (ف)، کتاب کے مطالعہ کے بعد لکھتے ہیں۔

"اس سال ۱۳۲۱ھ میں مدینہ منورہ میں افاضل علماء خصوصًا سید عبدالباری بن سید امین رضوان نے خواہش ظاہر کی کہ میں علامہ امام احمد رضا خاں کی تصنیف "الدولۃ المکیہ بالمادۃ الغیبۃ"، پر تقریظ لکھوں ان سے قبل عالم باعمل شیخ فاضل شیخ کریم ہندی نے بیروت کے پتے پر مجھ سے خط و کتابت کی تھی، جب اس دفعہ سید عبدالباری نے کتاب میرے پاس بھیجی تو میں نے اس کو شروع سے آخر تک پڑھا اور تمام دینی کتابوں میں زیادہ نفع بخش اور مفید پایا، اس کی دلیلیں بڑی مستحکم ہیں جو ایک امام کبیر علامہ اکمل ہی کی طرف سے ظاہر ہو سکتی ہیں، اللہ تعالیٰ اس کے مصنف سے راضی رہے اور اپنی عنایتوں سے ان کو

ف : علامہ یوسف نبہانی ۱۲۶۵ھ/۱۸۴۹ء میں فلسطین میں پیدا ہوئے۔ الازہر ۱۲۸۹ھ میں فارغ التحصیل ہوئے۔ آپ کے اساتذہ میں شیخ ابراہیم سقا شافعی (المتوفی ۱۲۸۹ھ یگانہ روزگار تھے اور مرجع علماء شمار کیے جاتے تھے۔ علامہ نبہانی نے تحریر و تقریر دونوں میں ملکہ حاصل کیا آپ کی کثیر تصانیف آج بھی سرمایۂ افتخار ہیں آپ کی کتابوں کا اردو زبان میں ترجمہ بھی ہوا ہے مثلاً جواہر البحار، وسائل الاصول الی شمائل الرسول، افضل الصلوٰۃ علی سید السادات (فضائل درود) بہت عام ہیں آپ کا وصال ۱۳۵۰ھ/۱۹۳۱ء میں ہوا اور اپنے گاؤں اجزام میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔

راضی کرے آمین۔ (۳۸)

(نوٹ: یہ تقریظ البیان رسالہ میں ۱۳۳۱ھ میں بھی شائع ہوئی ہے)

شیخ محمد آفندی الحکیم دمشق (شام)

"باغ و بہار، بے مثال کتاب "الدولۃ المکیہ" کے مطالعہ سے محظوظ ہوا میری معرفت میں اضافہ اور میرے قلب میں پختگی پیدا ہوئی۔ یہ کتاب مؤلف علامہ کے معارف نقلیہ و عقلیہ اور شریعت محمدیہ کے لیے ان کی غیرت پر گواہ ہے، اللہ تعالیٰ اسلام میں ان جیسے علماء بکثرت پیدا فرمائے جو ہدایت و ارشاد کے لیے آفتاب بن کر چمکیں"۔ (۳۹)

شیخ عبدالرحمٰن المدخنن۔ قاہرہ

"ماہ رمضان ۱۳۲۹ھ میں اللہ تعالیٰ نے کرم فرمایا اور ہم زیارت قبر شریف سید الموجود صلی اللہ علیہ وسلم سے مشرف ہوئے۔ یہاں مدینہ منورہ کے بعض افاضل نے رسالہ ہذا "الدولۃ المکیہ" کی خبر دی میری زندگی کی قسم! مصنف نے اس میں اختصار کے ساتھ کافی و وافی دلائل جمع کر دیے ہیں۔ تطویل سے کوئی فائدہ نہیں"۔ (۴۰)

۳۸؎ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد "امام احمد رضا اور عالم اسلام"، ص ۱۷۷، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۱۹۸۳

۳۹؎ ایضاً ص ۱۸۰

۴۰؎ ایضاً ص ۱۹۲

چودھویں صدی کا مجدد امام احمد رضا کی ایسی غیر معمولی صلاحیتوں کے پیش نظر معاصرین علمائے عرب و عجم نے ان کو چودھویں صدی کا مجدد تسلیم کیا سب سے پہلے علمائے اہلسنّت کے اجلاس پٹنہ منعقدہ ۱۶ - ۱۸ رجب المرجب (۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء) کے موقعہ پر جس میں ۵۰۰ سے زیادہ مشاہیر علمائے اہلسنت شرکت فرمارہے تھے، مولانا عبدالمقتدر بدایونی (المتوفی ۱۳۳۴ھ/۱۹۱۵ء) نے مولانا احمد رضا کو "مجدّد مائتہ حاضرۃ" کے لقب سے سرفراز کیا جس کو اجلاس کے تمام علماء نے بیک آواز منظور کر لیا۔ (۴۱) خیال رہے کہ اسی وقت مولانا احمد رضا کی عمر تقریباً ۴۴ سال تھی۔

امام احمد رضا خاں دوسری بار حج زیارت کے لیے حرمین شریفین تشریف لے گئے تو (۱۳۲۴ھ/۱۹۰۶ء) میں محافظ الکتب الحرم سیّد اسمٰعیل بن خلیل مکی نے مولانا احمد رضا کی مجددیّت کی توثیق فرماتے ہوئے یہ الفاظ تحریر فرمائے:۔

"بل اقول لو قیل فی حقہ إنہ مجدد
ھذا القرن لکان حقا وصدقا" (۴۲)

ترجمہ:۔ میں کہتا ہوں کہ اگر اس کے حق میں یہ کہا جائے کہ وہ اس صدی کا

۴۱۔ مولانا محمود احمد قادری "تذکرہ علمائے اہلسنت"، ص۔ ۱۵۵، انڈیا ۱۳۹۱ھ

۴۲۔ امام احمد رضا خاں قادری بریلوی "حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین"، ص۔ ۵۱، مکتبہ نبویہ لاہور ۱۳۹۵ھ

"مجدد" ہے تو البتہ حق وصحیح ہوگا۔ پھر ۱۳۳۰ھ/۱۹۱۱ء میں شیخ موسیٰ علی شامی ازہری احمدی نے "المجدد ہذہ الامۃ" (۴۲) کے لقب سے یاد کیا اور سنہ مذکور ہی میں شیخ ہدایت اللہ (ف) بن محمود بن

---

۴۲ ـ امام احمد رضا خاں قادری بریلوی "الفیوضات المکیہ لمحب الدولۃ المکیہ"، ص ـ ۶۴۲، المکتبہ کراچی ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۵ء

ف : ـ شیخ ہدایت اللہ بن محمود الحنفی المٹاروی السندی ۱۲۸۱ھ میں حیدر آباد سندھ کے گاؤں مٹاروی میں پیدا ہوئے، فقہ و حدیث کی کتب مولوی ولی محمد کاتیاری سے پڑھیں سند حدیث مدرسہ الصولتیہ مکہ مکرمہ میں الشیخ عبدالحق بن شاہ محمد الہ آبادی سے حاصل کی۔ کئی حج کیے اور کئی کتابوں تحریر فرمائیں۔ شیخ ہدایت اللہ نے الدولۃ المکیہ پر ۸ صفحات پر مشتمل ۱۳۳۰ میں عربی زبان میں تقریظ لکھی تھی جو ڈاکٹر مسعود صاحب کی تالیف امام احمد رضا اور عالم اسلام میں پوری شائع ہوئی ہے اس کے ایک پیراگراف کا ترجمہ پیش کیا جارہا ہے۔

"زیارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جامع الفضائل والخصائص مولانا محمد کریم اللہ سے ملاقات ہوئی انہوں نے الدولۃ المکیہ کا ذکر کیا۔ میں عرصہ دراز سے اس کا مشتاق تھا یہ میری دیرینہ آرزو مولانائے مذکور سے پوری ہوئی۔ میں نے کتاب کا مطالعہ کیا اور محظوظ ہوا اور اس قدر مسرور ہوا کہ جس کے بیان سے زبان و قلم دونوں عاجز ہیں۔

(امام احمد رضا اور علمائے سندھ ص ۴۴ ـ ۴۵) مؤلف ڈاکٹر مجید اللہ قادری

احمد سعید السندی المدنی نے "مجدّد المائۃ الحاضرۃ (۴۴) تحریر فرمایا اور سید حسین بن سید عبدالقادر طرابلسی نے بھی "حامی الملۃ المحمدیۃ الظاہرۃ ومجدّد المائۃ الحاضرۃ" (۴۵) کی تصدیق فرمائی۔

درس وتدریس امام احمد رضا بریلوی فارغ التحصیل ہونے کے بعد کچھ عرصے باقاعدہ درس وتدریس میں مصروف رہے لیکن بعد میں ہمہ تن تصنیف و تالیف کی طرف مشغول ہو گئے۔ شروع میں آپ نے ایک مدرسہ "اشاعت العلوم" کے نام سے ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء میں قائم کیا تھا بعد میں ایک مدرسہ دارالعلوم منظر اسلام کے نام سے ۱۳۲۲ھ/۱۹۰۴ء میں قائم کیا (۴۶) جو آج بھی قائم اور دائم ہے۔ آپ نے کچھ عرصے اس مدرسہ میں بھی درس وتدریس کا سلسلہ جاری رکھا لیکن تصنیفی مشاغل کے باعث اس کی مکمل ذمہ داری اپنے بڑے صاحبزادے مولانا مفتی محمد حامد رضا خاں قادری بریلوی کے سپرد کر دی چنانچہ ایک جگہ خود اپنی تدریسی خدمات سے متعلق لکھتے ہیں۔

"فقیر کا درس بحمدہٖ تعالیٰ تیرہ برس دس مہینے اور چار دن کی عمر میں

۴۴۔ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد "امام احمد رضا اور عالم اسلام" ص۔ ۱۲۰، ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۲ء

۴۵۔ امام احمد رضا خاں قادری بریلوی "الفیوضات الملکیۃ لمحب الدولۃ المکیۃ" ص۔ ۸۲، المکتبہ کراچی ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۵ء

۴۶۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد "حیات مولانا احمد رضا خاں بریلوی، ص۔ ۱۱۸ مطبوعہ سیالکوٹ

ختم ہوا اس کے بعد چند سال طلبہ کو پڑھایا (۴۷)

تصنیفی خدمات | امام احمد رضا بریلوی نے تصنیف و تالیف کا آغاز دوران تعلیم ہی کر دیا تھا چنانچہ آپ رقمطراز ہیں :۔

"میں نے جملہ علوم کی بڑی بڑی کتابوں پر حواشی بھی لکھے ہیں ، حاشیہ نویسی کا سلسلہ زمانۂ طالب علمی سے اب تک جاری ہے کیونکہ اس وقت سے میرا یہ دستور رہا کہ جب کوئی کتاب پڑھی اگر وہ میرے ملک میں ہے تو اس پر حواشی لکھ دیے ، اگر اعتراض ہو سکتا ہے تو اعتراض لکھ دیا اور اگر مضمون پیچیدہ ہے تو اس کی پیچیدگی دور کر دی۔ حنفی اصول فقہ کی کتاب "مسلم الثبوت" پر "صحیح بخاری" کے نصف اول پر "صحیح مسلم" اور "جامع ترمذی" پر "رسالہ قطبیہ" پر "حاشیہ امور عامہ" پر اور "شمس بازغہ" پر اکثر حواشی اس وقت لکھے جبکہ طلبِ علم کے زمانہ میں اپنے سبق کے لیے مطالعہ کرتا تھا۔ علاوہ ازیں "تبسیر شرح جامع صغیر" پر "شرح چغمینی" اور "تصریح" پر "اقلیدس" کے تین رسالوں اور "الزیج الاجد" پر اور علامہ شامی العابدین کی "ردّالمحتار" پر بھی حواشی لکھے۔ ان سب میں پچھلی یعنی ردّالمختار کے حواشی سب سے زیادہ ہیں ، مجھے امید ہے کہ اگر انہیں کتاب سے الگ کر دیا جائے تو دو جلدوں سے بڑھ

۴۷۔ امام احمد رضا خاں قادری بریلوی "الکلمۃ الملہمہ" ص ۱۰۶ ، مطبوعہ ملتان

جائیں گے۔" (۴۸)

امام احمد رضا کی اس تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ نے ۱۲ برس سے بھی کم عمر میں تصنیف و تالیف کا کام شروع کر دیا تھا اور یہ تصنیف و تالیف کسی مضمون اور مقالہ کی شکل میں بھی نہیں ہے بلکہ حواشی کی صورت میں جب کہ مدرسین عموماً کتاب کو پڑھاتے پڑھاتے عمر کے آخری حصّہ میں حواشی تحریر فرماتے ہیں، وہ امام موصوف نے زمانہ طالب علمی میں ہی لکھ ڈالے اور کتابیں بھی کوئی معمولی نہیں۔ حدیث و فقہ کی بنیادی کتابیں شامل ہیں اور پھر چغمینی جیسی کتاب پر آپ کا حاشیہ اس بات کا غماز ہے کہ امام موصوف کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے کرم سے علم لدنی "سے نوازا تھا کیونکہ راقم کے علم میں یہ بات ہرگز نہیں ہے کہ پچھلی صدیوں میں بھی کوئی ایسا طالب علم گزرا ہو کہ دوران تعلیم ہی اس نے ان بنیادی کتابوں پر مدلل حواشی لکھے ہوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ کم از کم برصغیر میں یہ مقام کسی کو حاصل نہیں ہے کہ اتنی کم سنی میں کسی نے حاشیہ نویسی کی ہو۔

فتویٰ نویسی امام احمد رضا خاں بریلوی نے اپنی تعلیمی فراغت والے دن ہی رضاعت کے مسئلہ پر ۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء میں اپنے والد ماجد کی نگرانی میں فتویٰ نویسی کا آغاز کیا، سات سال کے بعد ۱۲۹۷ھ/۱۸۸۰ء سے کلی طور پر فتویٰ

۴۸۔ امام احمد رضا خاں قادری بریلوی "الاجازات المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینہ" (بشمول رسائل رضویہ حصہ دوم ص ۲۰۹)

نولیسی کے فرائض انجام دینے لگے۔(۴۹) امام احمد رضا اپنے ایک مکتوب بنام مولٰنا ظفر الدین بہاری (محررہ ۷ شعبان ۱۳۳۶ھ/۱۹۱۸ء) میں فتویٰ نولیسی کی خدمات سے متعلق لکھتے ہیں :۔

"بحمداللہ تعالیٰ فقیر نے ۱۴ شعبان ۱۲۸۶ھ کو ۱۳ برس کی عمر میں پہلا فتویٰ لکھا، اگر سات دن اور زندگی بالخیر رہے تو اس شعبان ۱۳۳۶ھ کو اس فقیر کو فتاویٰ لکھتے ہوئے بفضلہٖ تعالیٰ پورے پچاس سال ہو جائیں گے اس نعمت کا شکر فقیر کیا ادا کرسکتا ہے۔"(۵۰)

امام احمد رضا بریلوی کو فتویٰ نولیسی کی خدمت ورثہ میں ملی جس کی بنیاد آپ کے جدامجد حضرت مولٰنا مفتی محمد رضا علی خاں بریلوی نے غالباً ۱۲۴۶ھ/ ۱۸۳۰ء میں رکھی تھی۔امام احمد رضا اپنے خاندان کی فتویٰ نولیسی سے متعلق رقمطراز ہیں :۔

"میں آباؤ اجداد سے علوم دین کا خادم ہوں۔۹۷ سال سے میرے یہاں سے فتویٰ جاری ہورہا ہے تمام ہندوستان اور کشمیر اور برما سے مسائل کے سوالات آتے ہیں۔ابھی چین سے چودہ مسئلے دریافت کیے گئے ہیں چنانچہ مرسلۂ چین داخل کرتا ہوں۔"

۴۹۔ ڈاکٹر محمد مسعود احمد "حیات مولانا احمد رضا خان بریلوی"، ص۔۱۲۰ مطبوعہ سیالکوٹ

۵۰۔ مولٰنا ظفر الدین بہاری حیات اعلیٰ حضرت ص۔۲۸۰

۵۱۔ امام احمد رضا خاں بریلوی، "اظہار الحق الجلی"، ص ۸ بزم فیضان رضا دار العلوم محبوب سبحانی بمبئی ۱۹۸۶ء

امام احمد رضا نے ان خیالات کا اظہار ایک بند کمیشن کے سامنے
۱۷ جون ۱۹۰۲ء کو جج بہادر شہر آرہ کے سوالات کا جواب دیتے ہوئے کیا، یہ
مقدمہ غالباً "حسام الحرمین" کی اشاعت کے بعد ہوا کیونکہ اس مقدمہ کی
سماعت میں جج نے زیادہ تر سوالات ہندوستان میں موجود دیگر فرقوں مثلاً
اہلحدیث، وہابی، دیوبندی، نیچری سے متعلق کیے ہیں۔ اس مقدمہ کی بند کمیشن
کی کارروائی "اظہار الحق الجلی" کے نام سے حال ہی میں بمبئی انڈیا سے
شائع ہوئی ہے جس پر مولٰنا غلام ربانی اعظمی شیخ الحدیث دار العلوم محبوب
سبحانی بمبئی اور حضرت مولٰنا مفتی محمد اختر رضا خاں قادری بریلوی کی تقریظات
شامل ہیں۔

فتویٰ نویسی میں دوسرا بنیادی ماخذ حدیث نبوی ہوتا ہے اور ایک
اچھے اور مستند مفتی کو احادیث کی زیادہ سے زیادہ کتابوں پر دسترس ہونا ضروری
ہے چنانچہ امام احمد رضا اسی مقدمہ میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے
فرمایا کہ فقیر کے مطالعہ میں ۵۰ سے زائد کتب حدیث رہی ہیں:

"سوال نمبر ۶" آپ نے حدیث شریف کی کتابوں میں کون کون کتابیں درس
کی ہیں؟

جواب: مسند امام اعظم، موطا امام محمد، کتاب الآثار امام محمد، کتاب الخراج
امام ابو یوسف، کتاب الحج امام محمد، شرح معانی الآثار امام طحاوی،
موطا امام مالک، مسند امام شافعی، مسند امام احمد، سنن دارمی،
بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، خصائص نسائی
منتقی ابن الجار، ذو علل متناہیہ، مشکوٰۃ، جامع کبیر، جامع صغیر،

ذیل جامع الصغیر، منتقی ابن تیمیہ، بلوغ المرام، عمل الیوم واللیہ ابن السنی، کتاب الترغیب، خصائص کبریٰ، کتاب الفرج بعد الشدۃ، کتاب الاسماء والصفات وغیرہ پچاس سے زائد کتب حدیث میرے درس و تدریس اور مطالعہ میں رہی ہیں۔" (۵۲)

امام احمد رضا خاں بریلوی کے جد امجد نے ۱۲۴۶ھ/۱۸۳۰ء (ف) میں جس مسند افتائی بنیاد ڈالی تھی امام احمد رضا کے بعد بھی ان کی چوتھی پشت یعنی مفتی سبحان رضا خاں قادری بریلوی ابن مفتی ریحان رضا خاں قادری بریلوی (م ۱۴۰۵ھ/۱۹۸۵ء) ابن مفتی ابراہیم رضا خاں قادری بریلوی (م ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۵ء) ابن مفتی حامد رضا خاں قادری بریلوی (م ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۳ء) سے جاری وساری ہے۔ اس طرح اس خانوادے سے مسلسل پونے دو سو سال سے فتویٰ نویسی کا سلسلہ جاری ہے جو میں

---

۵۲ ۔ امام احمد رضا خاں بریلوی "اظہار الحق الجلی"، ص

ف : اس مسند کی ایک اور شہادت امام احمد رضا کے فتاویٰ کی جلد سوم سے حاصل ہوئی آپ ۱۳۳۷ھ کے ایک استفتاء کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں

"بحمد اللہ تعالیٰ حضرت جد امجد قدس سرہٗ العزیز کے وقت اس ۱۳۳۷ھ تک اس دروازے سے فتویٰ جاری ہوئے اکانوے (۹۱) برس اور خود اس فقیر غفرلہ کے قلم سے فتوے نکلتے ہوئے بعونہ تعالیٰ اکاون برس ہونے کو آئے۔ اس نو (۹) کم سو برس میں کتنے ہزار فتوے لکھے گئے۔ بارہ مجلد تو صرف اس فقیر کے فتاویٰ کے ہیں بحمد اللہ تعالیٰ یہاں کبھی ایک پیسہ نہ لیا گیا نہ لیا جائے گا۔ ما اسئلکم علیہ من اجران اجری الا علیٰ رب العالمین۔ (فتاویٰ رضویہ جلد ۳ ص ۲۳۰)

سمجھتا ہوں کہ برصغیر پاک و ہند میں کوئی بھی خانقاہ اور خانوادہ ایسا نہیں ہوگا
جہاں اتنے طویل عرصے دین کا اتنا اہم فریضہ انجام دیا جارہا ہو ان فتاویٰ کے
علاوہ امام احمد رضا بریلوی کے چھوٹے فرزند مفتی اعظم ہند مولنا مفتی محمد مصطفےٰ
رضا خاں (المتوفی ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء) کے مسلسل ۸۰ سال علیحدہ فتویٰ نویسی میں گزرے
اس لحاظ سے اس بریلوی خانوادے نے ایک بہت بڑا ذخیرہ فتاویٰ کا یادگار
چھوڑا ہے جو تاریخ میں ہمیشہ یاد رکھا جائے گا۔ بریلی کا دارالافتاء آج بھی پاک و
ہند میں مرکزی حیثیت رکھتا ہے۔ مفتی محمد سبحان رضا خاں بریلوی کے ساتھ
ساتھ ان کے عم مفتی محمد اختر رضا خاں قادری بریلوی الازہری بھی مرکزی . . . .
دارالافتا بریلی سے فتویٰ نویسی کی خدمت انجام دے رہے ہیں۔

العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ | امام احمد رضا خاں بریلوی نے
۱۲۸۶ھ تا ۱۳۴۰ھ تک مسلسل ۵۵ برس فتویٰ نویسی فرمائی جس کے دوران یقیناً
ہزارہا فتوے لکھے۔ آپ کے مجموعہ فتاویٰ جو ۱۲ ضخیم مجلدات پر مشتمل ہیں اور تمام
شائع بھی ہو چکی ہیں "فتاویٰ رضویہ" کے نام سے مشہور ہیں مگر آپ نے ان . . .
فتاویٰ کو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ ولادت کی مناسبت سے ۱۲
جلدوں میں تقسیم فرمایا اور اس کو حضور صلی اللہ کی ہی عطا سمجھتے ہوئے
نام بھی "العطایا النبویہ فی الفتاویٰ الرضویہ"[ف۱] تجویز فرمایا۔ اس سلسلے میں

ف۱: امام احمد رضا خاں بریلوی نے فتاویٰ رضویہ کی جلد اول میں مقدمہ کے طور پر ایک
عربی زبان میں خطبہ بھی تحریر فرمایا ہے جو جہازی سائز کے ۴ صفحات پر مشتمل

آپ رقمطراز ہیں :۔

"اور میں نے اس کا نام "العطایا النبویہ فی الفتاوی الرضویہ" رکھا، اللہ اسے اپنی رضا کا وسیلہ بنائے اور دونوں جہاں میں مجھے اور اپنے بندوں کو اس سے نفع پہنچائے۔" (۵۳)

بقیہ ف ا: ہے۔ یہ خطبہ فقہ یا فتاویٰ پر لکھے جانے والے تمام مقدمات اور خطبات سے کئی جہت سے انفرادیت کا حامل ہے۔ سب سے بڑی انفرادیت یہ ہے کہ خطبہ کے شروع میں جہاں عموماً مصنّف حضرات حمد و نعت اور منقبت تحریر کرتے ہیں، آپ نے بھی یہ ہی کیا ہے لیکن انفرادی پہلو یہ ہے کہ حمد و نعت اور منقبت کے لیے جن لفظوں کا چناؤ کیا ہے وہ سب کے سب فقہ کی کتابوں یا مصنفین کے نام ہیں اور یہ تعداد ۹۰ کے لگ بھگ ہے۔ اس پہلو کو اکثر محققین نے سراہا ہے اور اعلیٰ حضرت کی فہم و ذکا پر زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے مگر سب سے اہم کام دور حاضر کے بزرگ ادیب شہیر علامہ شمس بریلوی صاحب کا ہے جنہوں نے مثنوی کی بحر میں ان کتابوں کے عنوان سے ۹۰ نعتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں تحریر فرمائی ہیں اور ہر نعت کو ۲۵ ۔ ۲۰ اشعار میں قلمبند کیا ہے، جو آفتاب افکار رضا کے نام سے جلد شائع ہو کر منظر عام پر آجائے گی۔ تاریخ شاہد ہے کہ برصغیر پاک و ہند میں کسی مصنف نے کسی کتاب پر بھی اس نوعیت کا خط تحریر نہیں کیا جس میں خطبہ کے لیے اس موضوع کی مناسبت سے کتابوں یا مصنفین کے ناموں پر مشتمل خطبہ تحریر کیا ہو۔

۵۳ے امام احمد رضا خاں بریلوی، فتاویٰ رضویہ، جلد اول مقدمہ (خطبہ) ص ۴ مکتبہ رضویہ کراچی

امام احمد رضا خاں بریلوی کی ان ۱۲ مجلدات میں ۷۰۰۰ سے زیادہ استفتا دریافت کیے گئے ہیں ان میں سے ۱۵۰۰ استفتائ توصرف علمار کرام نے بھیجے۔ علمار ومشائخ کے علاوہ کثیر تعداد میں وکلا، جج صاحبان، پروفیسرز اور دانشور حضرات نے بھی استفتائ بھیجے۔ یہ استفتائ صرف ہندوستان ہی کے ہر کونے اور خطّے سے نہیں آئے بلکہ دنیا کے بیشتر ممالک سے مثلاً پاکستان کے چاروں صوبوں سے، کشمیر، برما، بھوٹان، نیپال، سیلون، چین، افغانستان، عراق، عرب، افریقہ، پرتگال جیسے دور دراز علاقوں سے بھی استفتائ بریلی پہنچتے تھے۔

امام احمد رضا نے اردو، فارسی اور عربی تینوں زبانوں میں فتویٰ نویسی فرمائی بلکہ اردو اور فارسی زبانوں میں چند استفتا منظوم آئے تو آپ نے منظوم ہی جواب بھی مرحمت فرمایا ہے اس طرح ۵ انواع کے ساتھ فتاوی میں فتوے دیکھے جا سکتے ہیں۔ فتاویٰ رضویہ میں ایک انفرادیت دیگر فتاوی کے مقابلے میں یہ ہے کہ اکثر آپ کی ابحاث فتوے کی بجائے رسالہ کی شکل اختیار کر لیتی ہے اس لحاظ سے فتاویٰ رضویہ میں ہزاروں فتوؤں کے ساتھ ساتھ کثیر تعداد میں عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں ۱۲۰ سے زیادہ رسائل بھی ہیں۔

امام احمد رضا کی فقہیہ بصیرت اور خدمات پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے (ف۲)

ف۲: سب سے اہم کام امام احمد رضا کی فقہی خدمات پر ڈاکٹر حسن رضا اعظمی کا پی ایچ ڈی کا مقالہ ہے جو انہوں نے پٹنہ یونیورسٹی بہار انڈیا میں پیش کیا تھا یہ مقالہ انڈیا پاکستان سے "فقیہہ اسلام" کے نام سے شائع ہو چکا ہے یہ مقالہ

یہاں صرف مولوی عبدالحئی لکھنوی کے خیالات نزہتہ الخواطر سے نقل کر رہا ہوں ملاحظہ کیجیے:

يندر نظيره في عصره في الاطلاع على الفقه الحنفي وجزئيات، يشهد بذلك مجموعه فتاوى وكتابه "كفل الفقيه الفاهم في احكام قرطاس الدراهم"، الذي ألفه في مكة سنة ١٣٢٣ھ" (٥٤)

یعنی فقہ حنفیہ اور اس کی جزئیات پر جو آگاہی آپ کو حاصل تھی اس کی نظیر آپ کے زمانے میں ملنا ناممکن ہے آپ اس وصف میں "وحید عصر" تھے۔ آپ کا مجموعہ فتاویٰ اور خاص کر کفل الفقیہ جسے آپ نے مکہ مکرمہ میں مرتب کیا اس بات پر گواہ ہیں۔

امام احمد رضا خاں بریلوی کے فتاویٰ رضویہ کو اکثر محققین نے فقہی انسائیکلو پیڈیا قرار دیا ہے چنانچہ پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر صدر نشین شعبہ عربی، پنجاب یونیورسٹی رقمطراز ہیں:۔

بقیہ ف۲: امام احمد رضا پر لکھا جانے والا پہلا PH-D کا مقالہ ہے اور اب تک امام احمد رضا پر ۳ انڈیا سے، ایک امریکہ سے اور دو پاکستان سے PH-D کے مقالے لکھ کر ڈگری حاصل کی جا چکی ہے اور مزید ۲۰ سے زیادہ اسکالرز امام احمد رضا پر PH-D کے مقالات مختلف جہت پر دنیا کی مختلف جامعات میں لکھ رہے ہیں۔

۵۴۔ مولوی عبدالحئی لکھنوی "نزہتہ الخواطر"، جلد ۸ ص ۲۹ مطبوعہ کراچی

"فتاوی رضویہ کی جو مجلدات رضا فائونڈیشن کے زیرِ اہتمام شائع ہوئی ہیں وہ میری نظر سے گزری ہیں۔ جہد و تعاون کا سلسلہ جاری رہا تو امام احمد رضا بریلوی کا یہ عظیم الشان فقہی انسائیکلوپیڈیا یا بہت جلد مکمل طور پر منظرِ عام پر آجائے گا۔ میری رائے میں امام اہلسنّت کی خدمتِ اقدس روحانی میں اس سے بہتر اور کوئی خراجِ عقیدت پیش نہیں کیا جاسکتا۔" (۵۵)

پروفیسر ڈاکٹر ظہور احمد اظہر صاحب آگے چل کر فتاویٰ رضویہ کی علمی وسعتوں کو سراہتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

"فکری صلاحیتیں دو چیزوں کی محتاج ہوتی ہیں، ان میں ایک خدا داد عبقریت اور دوسرے علم ادیان کے ساتھ علم الابدان یعنی سائنسی علوم کا ماہر ہونا۔ (وہ علم ادیان یعنی شرعی علوم اور علم الابدان یعنی سائنسی علوم پر یکساں عــبور رکھتے تھے بلکہ اس پر عمل پیرا بھی تھے) امام احمد رضا بریلوی میں یہ دونوں صلاحیتیں تمام و کمال موجود ہیں بلکہ وہ ہر زمان و مکان کے فقیہہ ہیں، ....
وہ جدید زندگی کے مسائل کو اسلامی فقہ کی روشنی میں اس طرح حل کرتے ہیں کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے، فتاوی رضویہ اس دعویٰ پر شاہد و عادل ہیں، تمام فصول اور ابواب میں وہ فقہی مسائل کو

---

۵۵ ۔ ڈاکٹر ظہور احمد اظہر "فتاویٰ رضویہ کا فقہی مقام" بشمول معارف رضا شمارہ ۱۴، ۸۳، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا ۱۹۹۴

عصر حاضر کی زبان میں حل کرتے ہیں، ان کے تمام فتاوی اعقلی و نقلی استدلال پر مبنی ہوتے ہیں اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ شریعت نہ صرف یہ کہ عقل کے خلاف نہیں بلکہ عقل کے لیے نشوونما کا سامان بھی کرتی ہے۔" (۵۶)

امام احمد رضا کا فقہ کے میدان میں جو مقام و مرتبہ تھا اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ ان کے مستفسیان میں ان کے ہم عصر جید علماء و محدثین و مفسرین و محققین اور ممتاز وکلا اور جج صاحبان بھی شامل ہیں چند اہم ترین نام درج کر رہا ہوں ملاحظہ کیجیے۔

۱۔ الشیخ عبداللہ میرداد امام مسجد مکہ معظمہ ۲۔ الشیخ حامد احمد جداوی استاد عبداللہ میرداد مکہ معظمہ
۳۔ الشیخ اسمٰعیل خلیل مکی حافظ کتب الحرم مکہ معظمہ ۴۔ مولانا وصی احمد محدث سورتی پیلی بھیت انڈیا
۵۔ مولانا محمد رکن الدین الوری نقشبندی الور انڈیا ۶۔ مولانا مفتی سراج احمد خانپوری (بہاولپور ریاست)
۷۔ علامہ سید محمد محدث کچھوچھوی انڈیا، ۸۔ پروفیسر سید سلیمان اشرف علی گڑھ یونیورسٹی، انڈیا
۹۔ پروفیسر حاکم علی نقشبندی اسلامیہ کالج لاہور، ۱۰۔ پروفیسر ڈاکٹر ضیاالدین وائس چانسلر علیگڑھ یونیورسٹی

۵۶۔ ڈاکٹر ظہور احمد اظہر "فتاوی رضویہ کا فقہی مقام"، ص۔ ۸۵

ف۱: راقم نے ریاست بہاولپور سے تعلق رکھنے والے علما، مشائخ اور جج صاحبان جنھوں نے اپنے مسائل کے حل کیلئے امام احمد رضا کی طرف رجوع کیا اس حوالے سے ایک مقالہ "امام احمد رضا اور علمائے ریاست بہاولپور" کے نام سے قلمبند کیا ہے جس میں ۱۰ مفتیان کا تذکرہ کیا گیا ہے اس میں اہم ترین استفتا جج محمد دین کا ہے جنھوں نے وراثت کے ایک انتہائی پیچیدہ مسئلہ کا حل معلوم کیا ہے جو فتاوی کی ۱۱ ویں جلد میں تفصیل سے دیکھا جاسکتا ہے، یہ مقالہ معارف رضا کے شمارہ ۱۵، ۱۹۹۵ء میں شائع ہوا ہے (مجید)

۱۱۔ مولٰنا محمد حکیم نعیم الدین مراد آبادی ۱۲۔ مولٰنا مفتی حکیم محمد امجد علی اعظمی
۱۳۔ علامہ حافظ عبداللہ قادری بھرچونڈی شریف سکھر ف۲
۱۴۔ حافظ شاہ غلام رسول قادری سولجر بازار کراچی
۱۵۔ مولٰنا عبدالکریم درس کراچی، ۱۶۔ جج محمد دین چیف کورٹ بہاولپور
۱۷۔ مولٰنا عبداللہ ٹونکی لاہور، ۱۸۔ قاضی عبدالوحید پٹنہ عظیم آباد
۱۹۔ علامہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی، ۲۰۔ مرزا غلام قادر بیگ (استاد امام احمد رضا)

تصانیف امام احمد رضا امام احمد رضا کثیرۃ التصانیف مصنف ہیں۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق ۷۰ (۵۷) سے زیادہ علوم و فنون پر ایک ہزار (۵۸) یا کم و

ف۲: راقم نے ایک کتاب بعنوان "امام احمد رضا اور علمائے سندھ" کے نام سے ترتیب دی ہے جس میں سندھ بشمول کراچی سے تعلق رکھنے والے ۱۳ علماء و مشائخ کا تذکرہ لکھا ہے اس میں اہم استفسار مولٰنا عبداللہ قادری بھرچونڈی شریف کا ہے جس میں آپ نے سندھ کے دارالحرب ہونے کے سلسلے میں فتویٰ طلب کیا ہے۔ جس کا جواب نفی میں دیا گیا۔

(مجید)

۵۷؎ مجید اللہ قادری "قرآن، سائنس اور امام احمد رضا" ص ۱۴، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا ۱۹۸۹ کراچی

۵۸؎ مفتی محمد اعجاز ولی "ضمیمہ المعتقد المنتقد" ص ۲۶۶ مکتبہ حامدیہ، لاہور ۱۳۹۵ھ

بیش قلمی شاہکار عربی، اُردو اور فارسی زبان میں یادگار چھوڑے ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں آپ کے ہم پلہ تاریخ میں کوئی دوسرا مصنف نہیں گزرا ہے۔ علوم عقلیہ ونقلیہ کے تمام عنوانات پر آپ کی تصنیفات، تالیفات رسالے، فتوے یا مقالے کی شکل میں موجود ہیں۔ حاشیہ نگاری کے آپ بادشاہ نظر آتے ہیں، شاعری بھی بے تاج ۔ بادشاہ دکھائی دیتے ہیں۔ قرآن کے ترجمے کے علاوہ آپ کی تحریر میں تفسیری نکات پھیلے ہوئے ہیں۔ یہاں میں انتہائی اختصار کے ساتھ ان کی علمی کاوشوں کی نشاندہی کروں گا تاکہ آپ تبحر علمی اور قدیم و جدید علوم پر دسترس سے آشنائی ہو۔

علوم نقلیہ امام احمد رضا خاں بریلوی قلم کے ایسے بادشاہ تھے کہ فرائض منصبی کے بعد تمام وقت تصنیف و تالیف میں گزرتا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ علوم نقلیہ یا عقلیہ کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جس پر امام موصوف کا کوئی نہ کوئی رسالہ موجود نہ ہو، آپ نے علوم عقلیہ یعنی قرآن، حدیث، اصول حدیث، فقہ، اصول فقہ، تفسیر، عقائد، کلام، تصوّف، سیر، اسماء الرجال، صرف، نحو، ادب وغیرہ پر سینکڑوں رسائل، کتب، مقالے، فتاویٰ اور حواشی یادگار چھوڑے ہیں، ان میں سے چند کا ذکر یہاں قلمبند کیا جارہا ہے سب سے پہلے تفسیری حواشی کی تفصیل ملاحظہ کیجیے :-

۱۔ حاشیہ تفسیر بیضاوی (۲) حاشیہ تفسیر خازن (۳) حاشیہ الدر المنثور (۵۹)
۴۔ حاشیہ عنایت القاضی (۵) حاشیہ معالم التنزیل (۶) حاشیہ الاتقان فی علوم القرآن

---

۵۹ ۔ ڈاکٹر حسن رضا اعظمی "فقیہ اسلام"، ص ۔ ۱۹۴

اسی طرح کتب احادیث پر بھی ۳۲ سے زیادہ حواشی تحریر فرمائے ہیں چند نام درج کیے جا رہے ہیں مثلاً

حواشی صحاح ستہ، مسند امام اعظم، عمدۃ القاری، ترغیب و ترہیب، کنز العمال، سنن دارمی، اشعۃ اللمعات، مرقاۃ المفاتیح، شرح موضوعات الکبیر، شرح معانی الاثار وغیرہا (۶۰)

امام احمد رضا نے اسانید حدیث، اصول حدیث، اسماء الرجال، جرح و تعدیل، شرح حدیث اور لغت پر بھی ۲۵ سے زیادہ کتابیں اور حواشی تحریر فرمائے ہیں جن میں سے چند کے نام حسب ذیل ہیں :۔

حاشیہ فتح المغیث، الاجازۃ المتینۃ لعلماء مکۃ المدینۃ، مدارج طبقات الحدیث، الہاد الکاف فی حکم الضعاف، الفضل الموہبی فی معانی اذا صح الحدیث فہو مذہبی، حاشیہ تقریب التہذیب، حاشیہ الاسما الصفات، حاشیہ تذکرۃ الحفاظ، حاشیہ کشف الاحوال فی نقد الرجال، النجوم الثواقب فی تخریج احادیث الکواکب، الروض البہیج فی آداب التخریج، حاشیہ بحار الانوار، الاجازۃ الرضویۃ لمبجل مکۃ البہیہ وغیرہا ۔ (۶۱)

مولانا کی تصانیف عقائد و کلام پر بھی کثرت سے پائی جاتی ہیں اور اب تک کی تحقیق کے مطابق ۱۲۰ سے بھی زیادہ کتب تصنیف فرمائی ہیں جن میں سے عقائد و کلام کے موضوع پر لکھی گئی کتابوں سے چند کے نام ملاحظہ کیجیے ۔

---

۶۰ ۔ ڈاکٹر حسن رضا اعظمی ، فقیہ اسلام ، ص ۱۹۴ ۔ ۱۹۶

۶۱ ۔ ایضاً ص ۔ ۱۹۶ ۔ ۱۹۸

المعتمد المستند بناء نجاۃ الابد، حاشیہ خیال علی شرح العقائد، ارحتہ العیب بسیف الغیب، تمہید ایمان بآیات القرآن، حیات الموات فی بیان سماع الاموات دوام العیش فی الائمۃ من قریش، خالص الاعتقاد، الکوکب الشہابیۃ فی کفریات ابی الوہابیہ، ثلج الصدر لایمان القدر، العقائد الکلام، حاشیہ تحفہ اثنائے عشریہ وغیرہ۔(۶۲)

امام احمد رضا علوم فقہ میں یگانہ روزگار تھے۔ فقہ حنفی کی پاک وہند میں جو آپ نے خدمت انجام دی ہے یہ اس کا ثمرہ ہے کہ آج بھی پاک وہند میں اسی آب وتاب سے فقہ حنفی نمایاں ہے اور غالب مسلم اکثریت کا اس پر عمل آج بھی جاری وساری ہے جس طرح پانچویں صدی ہجری میں اس سرزمین پر اس کا اجرا ہوا تھا۔ (۶۳) قرون سابقہ میں ہزاروں فقہا کرام نے دین کی خدمت انجام دیتے ہوئے کئی یادگار فقہی مجموعے فتاوی کی صورت میں چھوڑے ہیں مثلاً التفرید فی الفروع (مؤلف سلطان محمود غزنوی) (۶۴) اس کے علاوہ فتاوی تاتارخانیہ، حمادیہ، قاضی خاں، بزازیہ، خیریہ، نقرویہ، ہندیہ، حامدیہ (۶۵)

۶۲؎ ڈاکٹر حسن رضا اعظمی۔ فقہ السلام ص ۱۹۸ - ۲۰۴

۶۳؎ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد "فتاویٰ مظہری"، مقدمہ، ص - ۵۴/۵۵ مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی ۱۹۶۹ء

۶۴؎ ایضاً ایضاً

۶۵؎ شمس الحسن شمس بریلوی "فتاوی رضویہ کا فقہی مقام"، بحوالہ معارف رضا شمارہ ۱۹۸۶ء ص - ۳۵/۵۷

امام احمد رضا نے حقیقتاً اپنے علم کا جوہر فقہ، اصول فقہ اور فقہی مسائل پر مشتمل کتب میں پیش کیا ہے اگرچہ وہ علم کے کسی بھی میدان میں کمزور نہیں مگر فقہ ان کا اپنا پسندیدہ موضوع ہے جس میں ۲۵۰ سے زیادہ کتب ورسائل تحریر فرمائے ہیں اُن میں سب سے زیادہ مبسوط، مدلل اور ضخیم مجموعہ فتاویٰ "العطایا النبویّۃ فی الفتاویٰ الرّضویّۃ"، معروف بہ "فتاویٰ رضویۃ"، ہے جو ۱۲ مجلدات پر مشتمل ہے

دورِ حاضر کے عظیم مفکر شاعرِ مشرق ڈاکٹر محمد اقبال امام احمد رضا کے فتاویٰ کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ رائے قائم کرتے ہیں:۔

"ہندوستان کے دور آخر میں ان جیسا طباع اور ذہین فقیہ پیدا نہیں ہوا ...... میں نے ان کے فتاویٰ سے یہ رائے قائم کی ہے کہ مولانا جو ایک دفعہ رائے قائم کر لیتے ہیں اس پر مضبوطی سے قائم رہتے۔ یقیناً وہ اپنی رائے کا اظہار بہت ہی غور و فکر کے بعد کرتے تھے۔" (۶۶)

امام احمد رضا خاں کی فقہی تحقیقات کا جائزہ لینے کے بعد مکہ مکرمہ کے ممتاز عالم دین حافظ الحدیث مفتی حرم مکہ شیخ سیّد اسمٰعیل بن خلیل فرماتے ہیں:۔

"واللّٰہ اقول والحق اقول انہ لو رأھا ابوحنیفہ النعمان لاقرت عینہ ولجعل مؤلفھا من جملۃ اصحابہ۔" (۶۷)

۶۶ے عبدالنبی کوکب، "مقالات یوم رضا"، حصہ سوم ص۔۱۰۰، مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۹۷۱ء

۶۷ے امام احمد رضا خاں قادری بریلوی، "الاجازات المتینۃ لعلماء بکۃ والمدینۃ"، ص۔۲۵۹

ترجمہ :۔ قسم بخدا میں بالکل سچ کہتا ہوں ۔ اگر امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کا فتاویٰ ملاحظہ فرماتے تو ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں اور آپ کو اپنے خاص شاگردوں میں شامل فرماتے۔

ڈاکٹر حسن رضا اعظمی، جنہوں نے پٹنہ یونیورسٹی میں اپنا پی ۔ ایچ ۔ڈی کا مقالہ بعنوان "العطایا الرضویہ فی المسائل الشرعیۃ" معروف بہ "فقیہ اسلام" زیر نگرانی ڈاکٹر اطہر شیر ۱۹۷۹ء میں پیش کیا، مولانا احمد رضا کی فقاہت کا اپنے مقالے کے آخر میں یوں تجزیہ پیش کرتے ہیں :۔

"اعلیٰ حضرت قواعد و اصول و فروع احکام میں امام اعظم ابو حنیفہ کے مقلد تھے اور تقلیدی شان کے ساتھ ہی منصب اجتہاد فی المسائل و اجتہاد فی المذہب کی پوری اہلیت رکھتے تھے۔ آپ کے معاصرین بھی آپ کے تبحر علمی اور ملکۂ استخراج پر اعتماد کرتے تھے ۔ بلاشبہ آپ نے فقہ حنفی کے لیے بہترین مواد اور عظیم تر سرمایہ چھوڑا ہے ۔ (۶۸)

اسلامی نظریاتی کونسل کے سابق چیئرمین و سابق وفاقی وزیر مذہبی امور جناب کوثر نیازی صاحب (المتوفی ۱۹۹۴)، نے فتاویٰ رضویہ کے مطالعے کے بعد جو ریمارکس دیئے ہیں وہ قابل توجہ ہیں جس کا اظہار انہوں نے امام احمد رضا کانفرنس میں کیا تھا جو اسلام آباد میں ۱۹۹۳ میں منعقد کی گئی تھی۔ ان کے کلمات ملاحظہ کیجیے :۔

---

۶۸ ۔ ڈاکٹر حسن رضا اعظمی "فقیہ اسلام" ص ۴۶۴

"فقہ حنفیہ میں ہندوستان میں دو کتابیں مستند ترین ہیں ان میں سے ایک "فتاویٰ عالمگیریہ" ہے جو دراصل چالیس علماء کی مشترکہ خدمت ہے جنہوں نے فقہ حنفیہ کا ایک جامعہ مجموعہ ترتیب دیا۔ دوسرا "فتاویٰ رضویہ"، جس کی انفرادیت یہ ہے کہ جو کام ۴۰ علماء نے مل کر انجام دیا وہ اس مرد مجاہد نے تنہا کر کے دکھا دیا اور یہ مجموعہ فتاویٰ رضویہ عالمگیریہ سے زیادہ جامع ہے اور میں نے جو آپ کو "امام ابو حنیفہ ثانی" کہا ہے وہ صرف محبّت میں یا عقیدت میں نہیں کہا ہے بلکہ فتاویٰ رضویہ کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات کہہ رہا ہوں کہ آپ اس دور کے "ابو حنیفہ ہیں"

آپ کے فتاویٰ میں مختلف علوم و فنون پر جو بحث کی گئی ہیں ان کو پڑھ کر بڑے بڑے علماء کی عقل دنگ رہ جاتی ہے کاش کہ اعلیٰ حضرت کی حیات اس دور کو میّسر آجاتی تاکہ آجکل کے پیچیدہ مسائل حل ہو سکتے کیونکہ آپ کی تحقیق حتمی ہوتی ہے اس کے آگے مزید گنجائش نہ ہوتی۔" (۶۹)

مولانا کوثر نیازی نے امام احمد رضا کے علوم فنون کا تذکرہ کرتے ہوئے ان خیالات کا اظہار کیا ملاحظہ کیجیے:۔

"قرطاس و قلم سے میرا تعلق دو چار سال کی بات نہیں، نصف صدی کی بات ہے۔ اس دوران وقت کے بڑے بڑے اہل علم و قلم، مشائخ

---

۶۹ ؎ مولانا کوثر نیازی "امام العلماء امام ابوحنیفہ ثانی" مجلہ امام احمد رضا کانفرنس ۱۹۹۴ء ص ۵۰ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی

وعلما کی صحبت میں بیٹھ کر استفادہ کرنے کا موقعہ ملا اور ان کے درس میں شریک رہا اور اپنی بساط کے مطابق فیض حاصل کرتا رہا، زندگی میں شاید اتنی روٹیاں نہیں کھائی ہیں جتنی کثیر تعداد میں کتابیں پڑھی ہیں۔ میری اپنی ذاتی لائبریری میں ۱۰ ہزار سے زیادہ کتابیں ہیں وہ سب مطالعہ سے گزری ہیں۔ اس سب مطالعہ کے دوران امام احمد رضا رحمتہ اللہ علیہ کی کتب نظر سے نہیں گزری تھیں اور مجھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ علم کا خزانہ پالیا ہے، علم کا سمندر پار کر لیا ہے اور علم کی ہر جہت تک رسائی حاصل کر لی ہے مگر جب امام اہلسنّت کی کتابیں مطالعہ کیں اور ان کے علم کے دروازے پر دستک دی اور فیض یاب ہوا تو اپنی جہل کا احساس اور اعتراف ہوا یوں لگا کہ ابھی تو میں علم کے سمندر کے کنارے کھڑا صرف سیپیاں چن رہا تھا۔ "علم کا سمندر" تو امام احمد رضا کی ذات ہے۔ امام کی تصانیف کا جتنا مطالعہ کرتا جاتا ہوں عقل اتنی ہی حیران ہوتی چلی جاتی ہے اور یہ کہے بغیر نہیں رہا جاتا کہ امام احمد رضا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزوں میں سے ایک معجزہ ہیں جسے اللہ نے اتنا وسیع علم دے کر دنیا میں بھیجا کہ علم کی کوئی جہت ایسی نہیں جس پر امام کو مکمل دسترس حاصل نہ ہو اور اس پر کوئی تصنیف نہ لکھی ہو۔ آپ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے علوم کے صحیح جانشین تھے، جس سے ایک عالم فیض یاب

ہوا۔" (۷۰)

امام احمد رضا نے دیگر علوم و فنون کے مقابل علم فقہ پر کثیر تصانیف اور حواشی یادگار چھوڑے ہیں جن کی تعداد ۳۰۰ سو سے بھی زیادہ ہے یہاں چند کتابوں کے نام فتاویٰ رضویہ کے علاوہ قلمبند کیے جارہے ہیں ملاحظہ کیجیے: (۷۱)

اُردو :۔ فتاویٰ افریقہ، احکام شریعت (۳ حصے)، عرفان شریعت (۳ حصے)، عطایا القدیر فی حکم التصویر، جمل النور فی نہی النساء عن زیارۃ القبور، طرق اثبات الہلال، ہدایۃ الجنان باحکام رمضان

عربی :۔ اجلی الاعلام فی ان الفتویٰ مطلقا علی قول الامام، کفل الفقیہ الفاہم فی احکام قرطاس الدراہم، فتح الملیک فی حکم التملیک، ھادی الاضحیہ بالشاۃ الھندیہ، معلل الزلال فی اثبات الھلال۔

فارسی: الحجۃ الفائحہ بطیب التعین والفاتحہ، رویت ہلال رمضان، حاشیہ فتح المعین تیجان الصواب فی قیام الامام فی المحراب، الجواہر الثمین فی علل نازلۃ الیمین

حواشی عربی :۔ درر الاحکام، بزازیہ، اصلاح شرح القیاس، فتاویٰ عالمگیریہ، خانیہ، سراجیہ، خیریہ، حدیثیہ

---

۷۰ ؎ مولانا کوثر نیازی "امام العلماء امام ابوحنیفہ ثانی" مجلہ امام احمد رضا کانفرنس ۱۹۹۴ ص ۴۹ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی

۷۱ ؎ ڈاکٹر حسن رضا اعظمی "فقیہ اسلام" ص ۴۶۵ ۔ ۴۷۹

غیاثیہ، اصلاح شرح الیضاح، بدائع الصنائع، البحر الرائق،
جوہرہ نیرہ، خلاصۃ الفتویٰ، رسائل شامی، فتح القدیر،
طحطاوی علی الدر المختار، جد الممتار علی رد المختار،
مسلم الثبوت،

حاشیہ نگاری حاشیہ اگرچہ شرح کی طرح ہر سطر پر تحریر نہیں کیا جاتا ہے لیکن شرح سے زیادہ مشکل فن ہوتا ہے۔ حاشیہ نگاری میں محشی اپنے نقطہ نظر سے جس جملہ، کلیہ یا لفظ کو تصریح و توضیح کے لیے ضروری سمجھا ہے اس کو حاشیہ کے لیے انتخاب کرتا ہے۔ کہیں ماتن سے اختلاف کرتا ہے اور کہیں معنی کی وضاحت، اختلاف کو وہ ماتن کے معاصرین اور ماتن کے پیشرو کے حوالے سے مستدل و مبرہن کرتا ہے۔ کبھی خود ہی اختلاف پر دلیل پیش کرتا ہے۔ ان تمام مراحل سے گزرنے کے لیے ضروری ہے کہ محشی کی نگاہ ان تمام کتابوں تک پہنچتی ہو جن کو وہ اس تعقب میں بطور استدلال پیش کر سکتا ہو۔ کتب حدیث اور کتب فقہ پر حاشیہ نگاری بنسبت اور علوم و فنون کے ایک بڑا مشکل کام ہے کہ ہر دو موضوعات پر ہزاروں کتابیں تصنیف و تالیف کی گئی ہیں بالخصوص علم فقہ پر کتابوں کی تعداد کا احاطہ کرنا ہی مشکل مرحلہ ہے۔ اصل متون کی صدہا شرحیں اور پھر ان شرحوں پر بے شمار اصحاب علم و فکر کے اقوال بطور تائید یا تعریض موجود ہیں۔ محشی کے مطالعہ سے جب تک یہ کتابیں نہ گزری ہوں نہ وہ حوالہ دے سکتا ہے نہ اپنے قول یا اپنے اعتراض کی تائید میں کسی حوالے کو پیش کر سکتا ہے۔ غرض یہ کہ محشی کے لیے وسعت مطالعہ، قوت استخراج و استدلال

جودتِ فکر و ذہن تبحر علمی اور کمال فن ایسے لوازم ضروری ہیں کہ ان کے بغیر وہ حاشیہ نگاری کے مشکل ترین راستہ پر قدم نہیں اٹھا سکتا۔

حاشیہ تعلیقات یا شرح نہیں ہوتا اس لیے مختصر سے مختصر الفاظ میں پیش کیا جاتا ہے۔ ان ہی مختصر الفاظ میں محشی اکثر مقامات پر ماتن کو راہ صواب دکھاتا ہے اور اس کی غلطی سے آگاہ کرتا ہے۔ اس جگہ محشی کا تبحر علمی ماتن سے بمراحل آگے بڑھ جاتا ہے۔

امام احمد رضا نے فن حاشیہ نگاری میں اپنے تبحر علمی کا جو مظاہرہ کیا ہے اس کو پڑھ کر اہل علم دنگ رہ جاتے ہیں اور یہ کہنے پر مجبور ہوتے ہیں کہ نہ صرف یہ کہ آپ کا مطالعہ انتہائی وسیع ہے بلکہ آپ کو علم لدنی بھی حاصل ہے آپ نے ایک دو نہیں سینکڑوں کتابوں پر عربی، فارسی اور اردو زبانوں میں حاشیے تحریر فرمائے ہیں۔ سب سے زیادہ حواشی آپ نے فقہ کی کتب اور فتاویٰ پر تحریر کیے ہیں اس کے علاوہ علوم عقلیہ کے بھی کئی موضوعات پر آپ کے حواشی موجود ہیں جس کی تفصیل آگے آ رہی ہے۔ یہاں امام احمد رضا کی حاشیہ نگاری پر علامہ شمس الحسن شمس بریلوی (ستارۂ امتیاز) کا نقطہ نظر پیش کر رہا ہوں جو انھوں نے "امام احمد رضا کی حاشیہ نگاری" کے عنوان سے دو جلدوں پر مشتمل اپنی تالیف میں پیش کیا ہے ملاحظہ کیجیے:۔

"مختلف الموضوعات کتب پر ان کے گراں مایہ حواشی پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ دنیائے علم و فضل کو معلوم ہو جائے کہ آفتاب علم و فضل حضرت امام احمد رضا فاضل بریلوی کی ضیائیں کس درجہ عالم افروز ہیں اور کس طرح تاریک گوشوں کو روشن کیا ہے اور نکتہ

ہائے فقہ اور اصول فقہ کو کس طرح روشن فرمایا ہے اور آپ کے تبحر علمی نے کیسی کیسی نکتہ آفرینیاں مختلف علوم میں فرمائی ہیں اور اکابر محدثین و فقہ کے متون کی کس طرح تنقیح اور توضیح کی ہے اور آپ کی فکر رسا نے کن اچھوتے نکات کو منقح کیا ہے اور آپ کی نگاہ علمی نے کیسی کیسی گراں مایہ کتب کا جائزہ لیا ہے۔ حدیث، فقہ، اصول حدیث، اصولِ فقہ، ان کی شروح اور ان کے حواشی تک آپ کی دسترس تھی۔ بارہ سو ۱۲۰۰ سال تک کی مدت میں جو کتبِ علوم اسلامیہ تصنیف ہوئیں، خواہ وہ علومِ عقلیہ سے ہوں یا علوم نقلیہ سے، کتب تاریخ ہوں یا کتب طبقات، کتب جدل و خلاف ہوں یا کتب حکمت و منطق ہوں ہر ایک پر آپ کی نظر اس قدر گہری تھی کہ محسوس ہوتا تھا جیسے یہ کتاب آپ کے مطالعہ میں عرصہ تک رہی ہو۔ آپ اپنے حواشی میں جب ماتن کا تعاقب کرتے ہیں یا راہ صواب دکھاتے ہیں تو حیرت ہوتی ہے اور کہنا پڑتا ہے کہ آپ کا تبحر علمی حقیقت میں ایک بحر ناپیدا کنار تھا۔ (۷۲)

---

۷۲ ؎ علامہ شمس الحسن شمس بریلوی "امام احمد رضا کی حاشیہ نگاری، جلد دوم ص ۵۹ ۔
ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۱۹۸۶ء

نوٹ:۔ امام احمد رضا کی حاشیہ نگاری دو جلدوں میں شائع ہوئی ہے جس میں سے ۱۴ حواشی جلد اول میں ۱۹۸۴ء میں شائع ہوئے اور ۱۰ حواشی ۱۹۸۶ء میں شائع کیے گئے جس میں علامہ شمس صاحب نے حاشیہ نگاری پر مبسوط مقدمہ بھی تحریر کیا ہے۔

علامہ شمس بریلوی صاحب ایک اور مقام پر امام احمد رضا کی اس فن حاشیہ نگاری پر تبصرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں :۔

"امام احمد رضا نے جب اس راہ میں قدم رکھا تو باوجود یکہ ان اسلاف ذوی الاحترام کے لوازم اعزاز و احترام قدم قدم پر انہوں نے پورے کیے ہیں لیکن جہاں بات حق گوئی و حق نگاری کی آپڑی ہے وہاں انہوں نے اس کے بیان کرنے میں کوئی جھجک پیدا نہیں ہونے دی لیکن جو کچھ کہا ہے اس میں ادب کو ملحوظ رکھا ہے اور اس طرح کہا ہے کہ اپنے اختلاف کو فاضلین فن کے اقوال سے اور اس فن کی کتب کے حوالوں سے مبرھن کیا ہے۔ آپ یہ نہ سمجھیں کہ حضرت رضا نے حاشیہ نگاری میں صرف اعتراضات کو اپنا نصب العین بنایا ہے۔ جی ایسا نہیں ہے۔ آپ حاشیہ نگاری میں کہیں قول ماتن کی تصریح فرماتے ہیں جہاں قول ماتن کو شواہد و دلائل سے مستحکم و مبرھن کرنا ضروری سمجھتے ہیں تو اس کے مطابق دلائل پیش کرتے ہیں۔ تعاقب صرف اس جگہ فرماتے ہیں جہاں ماتن نے خطا کی ہے اور آپ اس کی نشاندہی اکثر لفظ "صواب" سے فرماتے ہیں تا کہ ادب کی قدروں میں فرق نہ آئے۔" (۷۳)

علوم عقلیہ امام احمد رضا فقہ، حدیث اور تفسیر کے ساتھ ساتھ علم ہیئت و

۷۳؎ علامہ شمس الحسن شمس بریلوی "امام احمد رضا کی حاشیہ نگاری"، جلد دوم ص۔ ۵۷ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۱۹۹۴ء

نجوم، فلکیات، علم تکسیر، فلسفہ، علم جفر، علم توقیت، علم ارضیات، حیوانیات، اقتصادیات، معاشیات، معدنیات، حجریات، اخلاقیات وغیرہا جیسے علوم پر بھی مکمل دسترس رکھتے تھے اور تقریباً ہر علم پر آپ کی کوئی نہ کوئی تصنیف یا فتویٰ موجود ہے جو آپ کے تبحر علمی کا مظہر ہے۔ ان علوم وفنون پر بھی آپ نے سو سے زیادہ رسائل تحریر کیے ہیں۔ یہاں چند نام درج کیے جارہے ہیں۔ (۴۷)

علم طبیعیات PHYSICS فوز مبین در ردِ حرکت زمین، الکلمۃ الملہمۃ، طلوع وغروب کواکب وقمر، قانون رویت اہلہ، حاشیہ اصول طبعی، حاشیہ تصریح، حاشیہ شرح چغمینی، حاشیہ کتاب الصور، حاشیہ طیب النفس۔

علم ریاضی، ہندسی، جبر ومقابلہ، لوگارثم جدول الریاضی، حاشیہ اقلیدس، اعالی العطایا فی الاضلاع والزوایا، حاشیہ خزانۃ العلم، رسالہ در علم لوگارثم، رسالہ جبر ومقابلہ، حاشیہ اصول ہندسہ، الاشکال الاقلیدس، المعنی المجلی للمغنی والظلی۔

علم تکسیر، جفر، توقیت، نجوم، زیجات مجتلی العروس، الجدول الرضویہ للمسائل الجفریہ، حاشیہ برجندی، تسہیل التعدیل، حاشیہ زیج بہادر خانی، حاشیہ جامع الافکار، کتاب الرثماء طیقی، رسالہ علم مثلث

۴۷؎ مجید اللہ قادری "قرآن، سائنس اور امام احمد رضا"، ص۔ ۱۸۔ ۲۳
دوسرا ایڈیشن   المختار پبلی کیشنز کراچی ۱۹۹۴ء

علم فلکیات، الجبرا، علم نور، علم صوت

استخراج تقویمات کواکب، رسالہ العاد القمر، حاشیہ حدائق النجوم، الجفر الجامع، النور والنور رق لاسفار الماء المطلق، البیان شافیا لفونو غرافیا، الکشف شافیہ فی حکم فوتو غرافیا۔

علم ارضیات، معدنیات، معاشیات، سیاسیات

المطر السعید علی بنت جنس الصعید، حسن التعمہ للبیان در الیتمہ، المنی والدرر لمن عمد آردر، تدبیر فلاح نجات واصلاح، حاشیہ مقدمہ ابن خلدون۔

امام احمد رضا کو سائنسی علوم پر بھی اتنی ہی دسترس تھی جتنی دینی علوم پر، چنانچہ آپ کے سامنے منقولات یا معقولات کا کوئی بھی پیچیدہ سے پیچیدہ مسئلہ آتا آپ فی الفور اور فی البدیہہ اس کا جواب تحریر فرما دیتے۔ دوسرے حج کے موقعہ پر آپ سے چند مسائل میں رجوع کیا گیا، ایک مسئلہ کا تعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب سے تھا اور دوسرے کا تعلق علم اقتصادیات یا معاشیات سے تھا۔ کہ کاغذ کے نوٹ سے لین دین جائز ہے یا حرام۔ آپ نے دونوں سوالوں کا جواب بغیر کسی کتاب کی مدد کے عربی زبان میں چند گھنٹوں میں تحریر فرما دیا ایک کا نام لکھا "الدولة المكية بالمادة الغيبية"، اور دوسرے کا نام تجویز کیا كفل الفقيه الفاهم في احكام قرطاس الدراهم" آپ کی دونوں تصانیف معرکۃ الآراء تسلیم کی جاتی ہیں خاص کر آج کے معاشی معاملات میں کفل الفقیہ سے بینکار حضرات برابر استفادہ کر رہے ہیں۔

امام احمد رضا نے علم ہیئت میں بھی ایک بڑا مقام حاصل کیا ہے اور آپ

نے نیوٹن، آئن اسٹائن جیسے سائنسدانوں کا تعاقب کیا ہے اور خاص کر زمین کی حرکت کی رد میں آپ نے مشہور زمانہ رسالہ فوز مبین در ردّ حرکت زمین لکھ کر تہلکہ مچادیا ہے مگر افسوس اس بات کا ہے کہ مسلمان سائنسدانوں نے اس کی پذیرائی نہیں کی ورنہ اسلام کا موقوف زمین کی حرکت سے متعلق آج عام ہوتا، یہاں میں آپ کے سائنسی موضوعات میں سے صرف ۲ موضوع پر نہایت اختصار سے روشنی ڈالنا چاہوں گا، ایک کا تعلق علم طب سے ہے اور دوسرے کا تعلق میرے اپنے شعبہ علم یعنی ارضیات حجریات سے ہے۔

امام احمد رضا کے علم طب کے سلسلے میں دور حاضر کے ممتاز حکیم . دانشور، ادیب، اور جامع ہمدرد مدینۃ الحکمت کے چانسلر جناب حکیم محمد سعید صاحب رقمطراز ہیں:۔

"مولانا کی شخصیت بہت جامع تھی، وہ اپنے تفقہ اور علم واطلاع کی وسعت کے اعتبار سے علمائے متاخرین میں اپنا ایک ممتاز مقام رکھتے تھے۔ میرے نزدیک ان کے فتاویٰ کی اہمیت اس لیے نہیں کہ وہ کثیر در کثیر فقہی جزئیات کے مجموعے ہیں بلکہ ان کا خاص امتیاز یہ ہے کہ ان میں تحقیق کا وہ اسلوب ومعیار نظر آتا ہے جس کی جھلکیاں ہمیں صرف قدیم فقہا میں نظر آتی ہیں۔ (۷۵)

آگے چل کر امام احمد رضا کی علمی پہلو کو یوں اجاگر کرتے ہیں۔

---

۷۵ ۔ حکیم محمد سعید "امام احمد رضا کی طبّی بصیرت"، معارف رضا جلد نہم، ص۔۹۹

"فاضل بریلوی کے فتاویٰ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ احکام کی گہرائیوں تک پہنچنے کے لیے سائنس اور طب کے تمام وسائل سے کام لیتے ہیں اور اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر ہیں کہ کس لفظ کی معنویت کی تحقیق کے لیے کن علمی مصادر کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ اس لیے ان کے فتاویٰ میں بہت سے علوم کے نکات ملتے ہیں مگر "طب" اور اس علم کے دیگر شعبے مثلاً کیمیا اور "علم الاحجار" کو تقدم حاصل ہے اور جس وسعت کے ساتھ اس علم کے حوالے ان کے ہاں ملتے ہیں اس سے ان کی دقت نظر اور طبی بصیرت کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ اپنی تحریروں میں ایک مفتی ہی نہیں بلکہ "محقق طبیب" بھی معلوم ہوتے ہیں۔ ان کے اس تحقیقی اسلوب و معیار سے دین و طب کے باہمی تعلق کی بھی یہ خوبی وضاحت ہو جاتی ہے۔(۷۶)

حکیم سعید صاحب امام احمد رضا کی طبی بصیرت پر بحث کرنے کے بعد آخر میں جس نتیجے پر پہنچے اس کو ملاحظہ کیجیے:

"جہاں تک مولانا کا تعلق ہے ان کے مطالعہ کی وسعت اور ان کی طبی بصیرت مسلم ہے، تحقیق میں سنجیدگی اور دیانت کی جو مثال انہوں نے قائم کی ہے وہ محققین کے لیے سبق آموز ہے اور سب سے بڑا نکتہ جو سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ فقہ اور طب

---

۷۶ حکیم محمد سعید "امام احمد رضا کی طبی بصیرت"، (معارف رضا جلد نہم) ص۔ ۱۰۰

کے درمیان ایک گہرا تعلق ہے اور کوئی شخص اس وقت تک کامل فقیہہ نہیں ہو سکتا جب تک اسے طبّی علوم، پر دسترس نہ ہو مولانا کے اکثر فتاویٰ سے طبّی بصیرت کا اظہار ہوتا ہے۔

علم الاحجار والمعادن طب کا ایک اہم شعبہ ہے۔ معدنیات کی تکوینی حقیقت کا علم دقت نظر کا متقاضی ہے، وہ صرف احجار کے اسماء تک محدود نہیں ہے بلکہ اپنی ماہیت کے اعتبار سے ایک بحر بیکراں ہے۔ مولانا کی طبی بصیرت کا ایک اہم ثبوت یہ بھی ہے کہ انہوں نے عام فقہا کی طرح صرف معدنی احجار کا ذکر نہیں کیا بلکہ اپنی اس اہم تحقیق سے بیان کا آغاز کیا۔

"جملہ معدنیات کا شگون گندھک (سلفر) اور پارے (مرکری) کا امتزاج سے ہے کبریت تو نر ہے کہ گرم ہے اور پارہ مادہ"۔ کیمسٹری کے فضلاء شاید انکار نہ کر سکیں کہ جدید علم الکیمیا کا نظریہ بھی یہی ہے اور معدنیات کی تخلیق فطری کیمیائی عمل ہی سے ہوتی ہے۔" (۷۷)

امام احمد رضا جہاں علم طب میں ایک ماہر کی حیثیت سے اپنے جوہر دکھا رہے ہیں وہیں آپ ماہر ارضیات، ماہر علم حجریات میں بھی اپنی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ فرمارہے ہیں۔ فتاویٰ رضویہ کی جلد اوّل میں آپ نے ایک رسالہ بعنوان "المطر السعید علی بنت جنس الصعید" (۷۸) ۱۳۲۵ھ میں تحریر فرمایا

۷۷ے حکیم محمد سعید "امام احمد رضا کی طبی بصیرت"، ص - ۱۰۴

۷۸ے امام احمد رضا "فتاویٰ رضویہ" جلد اوّل ص ۷۷۰۔۷۷۲ مکتبہ رضویہ کراچی

ہے جس میں آپ کی ماہر ارضیات کی جولانیاں دیکھی جاسکتی ہیں جس میں آپ نے پتھروں سے متعلق انتہائی اہم معلومات تحریر فرمائی ہیں مثلاً

- پتھروں کی اقسام اور ہر ایک کی تعریف اور ان کے بننے کا عمل
- پتھر ایک دوسرے سے کس طرح تبدیل ہوتے ہیں
- دھات کس طرح بنتی ہے اور کس طرح وہ ان کی اجزائی ترکیب ہوتی ہے۔
- معدنیات کی اقسام اور ان کی تراکیب
- کان کی ہر چیز گندھک اور پارے کی اولاد ہے (علم ارضیات میں ابھی اس قسم کی تحقیق سامنے نہیں آئی ہے)
- گندھک نر ہے یا مادہ

امام احمد رضا کی نظر ہر علم دقت پر یکساں نظر آتی ہے آپ جہاں نقلیہ علوم وفنون کے ماہر ہیں وہیں علوم عقلیہ کے بھی بے تاج بادشاہ نظر آتے ہیں اور آپ جیسا مسلمان سائنسداں برصغیر پاک وہند کی تاریخ میں کوئی دوسرا نظر نہیں آتا۔ آپ نے علوم اسلامیہ کا اگر احیاء اور تجدید فرمائی ہے تو دوسری جانب علوم دنیاوی میں بھی ایک عظیم سائنسداں کی حیثیت سے اپنا کام پیش کیا ہے اور ایسا ایسا سائنسی کام سرانجام دیا ہے کہ پروفیسر ڈاکٹر سر ضیا الدین سابق وائس چانسلر علی گڑھ یونیورسٹی کو یہ اعتراف کرنا پڑا کہ امام احمد رضا حقیقت میں عبقری شخصیت ہیں اور آپ صحیح معنوں میں نوبل انعام کے مستحق ہیں۔ (۷۹)

---

۷۹ ؎ مفتی محمد برھان الحق جبلپوری ''اکرام امام احمد رضا''، مطبوعہ لاہور ص ۴۰

امام احمد رضا خاں قادری کو اللہ تعالیٰ نے فہم و ذکاوت کا اعلیٰ نمونہ بنایا تھا۔
آپ سے جب بھی کوئی مسئلہ پوچھا جاتا تا آپ اس کا شرعی جواب دینے کے ساتھ
ساتھ اس مسئلے سے متعلق جتنی سائنسی علمی اور فنی توجیہات ممکن ہوتیں آپ وہ سب
بھی تحریر فرما دیتے مثلاً تیمم جو ایک شرعی مسئلہ ہے جسے عبادت کے باب میں
اس لیے اہمیت حاصل ہے کہ یہ مخصوص حالات میں وضو کا نعم البدل ہے جب
آپ سے اس مسئلہ میں استفسار کیا گیا تو آپ نے اس کے جواب میں رسالہ
"حسن التعمم للبیان حد التیمم" (۱۳۲۵ھ) (۸۰) تحریر فرمایا اور ایسا مدلل جواب
تحریر فرمایا کہ عقل حیران ہے کیونکہ مسئلہ تیمم میں متقدمین اور متوسطین فقہا کرام
کی صدہا کتابوں میں مٹی اور پتھر کی وہ اقسام جن سے تیمم جائز ہے ان کی مجموعی
تعداد ۷۴ تک پہنچتی ہے۔ جو ہزاروں فقہا کی ہزار سال سے زیادہ کی محنت کا ثمرہ
ہے مگر مولانا نے نہ صرف ان سب کو جمع کیا بلکہ اپنی تحقیق رفیق سے ۱۰۷ اقسام
کے پتھر اور مٹی کا اضافہ بھی کیا۔ اسی طرح پتھر اور مٹی کی وہ اقسام جن سے تیمم
ناجائز ہے۔ فقہا کی اجتماعی کوششوں سے ان کی تعداد ۵۸ تک پہنچتی ہے
مگر مولانا کی بصیرت نے یہ تعداد بڑھا کر ۱۳۰ تک پہنچا کر ۷۲ اقسام کا اپنی فہم و
ذکاوت سے اضافہ کیا۔ (۸۱) اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ فقہ میں آپ کی نظر
بہت گہری تھی کہ ہزاروں فقہا کے مجموعی کام پر ایسا استحضار حاصل تھا کہ نہ

۸۰۔ امام احمد رضا خاں بریلوی "فتاویٰ رضویہ" جلد اوّل ص ۵۸۶۔ ۶۲۳

۸۱۔ مجید اللہ قادری "فتاویٰ رضویہ کا موضوعاتی جائزہ" ص ۹،
ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۱۹۸۸

صرف اضافہ کیا بلکہ جواز اور عدم جواز کے دلائل کی تعداد کو دو گنے سے بھی زیادہ کر دیا۔ اور دوسری طرف سائنسی علوم پر ایسی دسترس تھی کہ ہر چیز کی طبیعیاتی اور کیمیائی تقسیم و تجزیہ اس طرح فرماتے کہ گویا کسی عظیم الشان تجربہ گاہ میں بیٹھ کر یہ کام انجام دے رہے ہوں اور اپنے تجربات کے نتائج سے قوم کو آگاہ کر رہے ہوں۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ مٹی اور پتھر کا تعلق علم حجریات اور ارضیات سے ہے، اور ان مضامین کا ماہر ہی ان کے تمام اقسام سے واقف و آگاہ ہو سکتا ہے مگر حیرانی ہوتی ہے کہ امام موصوف ان موضوعات پر ایسی ہی ماہرانہ نظر رکھتے ہیں جیسے اس علم کا ماہر حالانکہ آپ نے یہ علوم کسی استاد سے یا جامعہ میں نہیں پڑھے مگر امام احمد رضا نے اسی مسئلے کے ضمن میں نہ صرف جواز و عدم جواز کا مسئلہ پتھر سے تیمم کے لیے بتایا بلکہ اس پتھر کی حقیقت و ماہیت بھی بتلائی کہ اس پتھر سے تیمم کیوں کر جائز یا ناجائز ہے کسی مفتی کے لیے یہ لکھ دینا تو آسان ہے کہ یہ جائز ہے وہ ناجائز لیکن اس کے علم کا اندازہ جب ہی ممکن ہے کہ وہ یہ بھی جانتا ہو کہ ۱۷۲ اقسام کے پتھروں سے تیمم کیوں جائز نہیں۔ مولانا نے پتھروں کی اقسام کے ساتھ ساتھ ان کے عمل وجودی کا بھی تجزیہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ ۱۷۲ اقسام میں وہ پتھر بھی شامل ہیں جو اپنی بناوٹ کے اعتبار سے پتھر نہیں مگر عرف میں اور علم حجریات میں اس کو پتھر مانا جاتا ہے۔ مولانا نے اس کی اصل بناوٹ پر نظر رکھی کہ پتھر کی وہ اقسام جو بعض دفعہ آتش فشاں پہاڑوں کے پھٹنے کے بعد ان سے پیدا شدہ گیس کے انجماد کی صورت میں پتھر جیسی شکل اختیار کر لینے

کے بعد اسی طرح سخت ہو جاتی ہے وہ دراصل پتھر نہیں ہے بلکہ حقیقت میں گیس ہے جو درجہ حرارت کے گر جانے کی صورت میں سخت پتھر جیسی شکل اختیار کر لیتی ہے لہٰذا اس جیسے پتھر نما گیس سے تیمم جائز نہیں الغرض سائنس کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں آپ کی تحقیق نہ ہو ضرورت اس امر کی ہے کہ آپ کے سائنسی رسائل کو آج کی زبان میں منتقل کر کے دنیا کے سامنے ایک عظیم مسلمان سائنسداں کے افکار کو پیش کر کے اسلام کو سر بلندی دی جائے، کاش آج کل کے محققین آپ کی نگارشات کی طرف بھی توجہ دیں۔

امام احمد رضا نے تصوّف، اذکار، تاریخ، سِیَر، مناقب اور فضائل پر بھی.. الگ الگ رسائل تصنیف کیے ہیں جن میں سے چند کے نام نموناً پیش کیے جا رہے ہیں۔ (۸۲)

(۱) الامن والعلیٰ (۲) سلطنت المصطفیٰ فی ملکوت کل الوریٰ، (غیر مطبوعہ) (۳) حاشیہ احیاء العلوم (۴) غایۃ التحقیق فی امامۃ الصحابہ والصدیق (۵) مقال عرفا باعزاز شرع وعلماء (۶) شجرہ قادریہ رضویہ (منظوم) (۷) الوظیفۃ الکریمہ (۸) مشعلۃ الارشاد الی حقوق العباد (۹) حاشیہ مقدمہ ابن خلدون (۱۰) حاشیہ شرح شفا ملا علی قاری وغیرہا۔

نعتیہ شاعری

امام احمد رضا قادری بریلوی بحیثیت نعتیہ شاعر ہر خاص و

۸۲ے انوار رضا (مجلد) ص۔ ۲۴۶/۲۴۸ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور، ۱۳۹۷ھ

عام میں مقبول ہیں آپ کے سلام کا یہ مرثیہ "مصطفےٰ جانِ رحمت پہ لاکھوں سلام" ہر چھوٹے بڑے کی زبان پر جاری ہے اور دنیا کے کونے کونے میں اس کی آواز سنائی دیتی ہے۔ دنیا کا شاید ہی کوئی ملک ہو جہاں اس سلام سے وہاں کی فضا نہ گونج رہی ہو۔ اس سلام میں (۱۷۱) اشعار ہیں جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و شمائل کا بیان ہے۔ یہ سلام اُردو زبان کا طویل ترین سلام ہے۔(ف۱)

آپ کی شاعری کا رجحان صرف اور صرف نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور منقبت تک محدود رہا، آپ نے کبھی کسی امیر یا والی ریاست کی مداح سرائی نہیں فرمائی خود فرماتے ہیں :۔

"کروں مدح اہل دول رضا پڑے اس بلا میں مری بلا
میں گدا ہوں اپنے کریم کا میرا دین پارۂ ناں نہیں (۸۳)

آپ کی نعتیہ شاعری میں اردو شاعری کی صنف موجود ہے طویل بحریں بھی ہیں اور چھوٹی سے چھوٹی بحر بھی موجود ہے مثلاً

جناں میں چمن، چمن میں سمن، سمن میں پھبن، پھبن میں دلہن
سزائے محن پہ ایسے منن، یہ امن و اماں تمہارے لیے (۸۴)

۸۳ے مولانا احمد رضا قادری "حدائق بخشش" حصہ اول ص ۔ ۴۸

۸۴ے ایضاً ۔ حصہ دوم ص ۔ ۵۴

ف۱ ۔ نوٹ :۔ سلام رضا کی شرح مفتی محمد خاں قادری نے تحریر فرمائی ہے جو لاہور سے ۱۹۹۳ء میں شائع ہوئی ہے۔ اس شرح سے جو بات سامنے آئی وہ یہ کہ سلام کا مصرع یا تو کوئی قرآنی آیت کی طرف اشارہ کر رہا ہے یا کسی حدیث کی جانب یا پھر سلف صالحین کے سچے واقعات کی طرف اشارات ملتے ہیں۔

نعت انور سید اکرم
صلی اللہ علیہ وسلم

سچی بات سکھاتے یہ ہیں
سیدھی راہ دکھاتے یہ ہیں (۸۵)

مولانا کی شاعری پر سینکڑوں قلمکاروں نے خامہ فرسائی کی ہے مگر آپ کا نعتیہ دیوان جو تین حصوں پر مشتمل ہے اس پر سب سے مدلّل اور جامع تحقیقی اور ادبی جائزہ عصرِ حاضر کے مشہور بزرگ ادیب علامہ شمس الحسن شمس بریلوی نے پیش کیا جنہوں نے ۱۹۸۶ء میں اپنی تصنیف "سرورِ کونین کی فصاحت" پر قومی صدارتی سیرت ایوارڈ بھی حاصل کیا تھا اور ۱۹۹۴ء میں حکومت پاکستان کی جانب سے ستارۂ امتیاز بھی حاصل ہوا۔

علامہ شمس الحسن شمس بریلوی (پ ۱۹۱۹ء بریلی) (۸۶) نے امام احمد رضا بریلوی کے نعتیہ کلام حدائق بخشش (فا) کا تحقیقی جائزہ بعنوان "کلام حضرت رضا کا تحقیقی و ادبی جائزہ" کیا ہے جو ۲۳۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ آپ نے مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت جائزہ لے کر آپ کی شاعری کی تمام تر پہلوؤں

---

۸۵ ۔ مولانا احمد رضا قادری "الاستمداد"، ص ۵ مطبوعہ انڈیا

۸۶ ۔ سید ریاست علی قادری "لمعات شمس"، ص ۶، ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۱۴۰۴ھ

فا :۔ امام احمد رضا کے نعتیہ دیوان "حدائق بخشش" کے تینوں حصوں میں سے ایک انتخابی دیوان "انتخاب حدائق بخشش" کے نام سے پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب نے ترتیب دیا ہے یہ انتہائی ڈیلکس ایڈیشن سرہند پبلی کیشنز نے (بقیہ صفحہ ۶۵ پر)

کا احاطہ کیا ہے۔(۸۷)

(۱) حضرت رضاؔ کے تبحر کا اثر ان کی شاعری پر

(۲) طرزِ ادا کی رنگینی اور ندرتِ بیان

(۳) مضمون آفرینی

(۴) شکوہ الفاظ اور بندشوں کی چستی

(۵) حضرت رضاؔ کی زبان اور اس کی لطافت و پاکیزگی

(۶) حضرت رضا کی شاعری اور علم بیان و بدیع

۸۷؎ شمس الحسن شمس بریلوی ''کلام حضرت رضا کا تحقیقی و ادبی جائزہ'' ص ـ ۱۴
مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی ۱۹۷۴ء

بقیہ ف ا:۔ ۱۹۹۵ء میں شائع کیا ہے۔ آپ نے تدوینِ نو کے ساتھ ساتھ امام احمد رضاؔ پر ایک مبسوط مقالہ بھی تحریر کیا ہے اور مختلف شعرا کرام کے تاثرات بھی دیئے ہیں اس کے علاوہ امام احمد رضا کی شاعری پر جو دنیا بھر کی جامعات میں تحقیقی کام ہو رہا ہے اس کا بھی ایک تفصیلی جائزہ پیش کیا ہے۔

دوسرا اہم کام حدائق بخشش کے حوالے سے علامہ فیض احمد اویسی صاحب کی شرح ہے جو تقریباً آٹھ جلدوں میں مکمل ہو گی اب تک اس کی ۵ جلدیں طبع ہو کر آچکی ہیں اور امید ہے کہ ایک سال کے اندر مزید اس کی بقیہ جلدیں بھی آ جائیں گی۔ علامہ اویسی صاحب بہاولپور کے جامعہ رضویہ میں شیخ الحدیث ہیں اس کے علاوہ آپ ''روح البیان،، کی ۳۰ جلدوں کا ترجمہ بھی اردو زبان میں فیوض الرحمان،، کے نام سے کر چکے ہیں یہ ساری جلدیں شائع بھی ہو چکی ہیں۔

(۷) حضرتِ رضا کے کلام میں تشبیہہ، استعارات، کنایہ ومجاز مرسل کے قرینے۔

(۸) حضرتِ رضا کا کلام اور علم بدیع

(۹) کلام رضا کی فصاحت و بلاغت

(۱۰) اولیات رضا وغیرہا

امام احمد رضا کو جہاں اور علوم میں انفرادیت حاصل ہے وہیں شعر وادب کی دنیا میں بھی انفرادیت حاصل ہے مثلاً چار مختلف زبانوں کو ایک شعر میں آج تک دنیا کے کسی شاعر نے جمع نہیں کیا البتہ تین زبانوں کی آمیزش امیر خسرو کے کلام میں تو ملتی ہے جہاں وہ فارسی، بھاشا اور ہندی ایک ہی مصرعہ میں استعمال کرتے ہیں مگر ۴ زبانوں کو کوئی بھی استعمال نہ کر سکا۔ یہ اعزاز و انفرادیت صرف آپ کو حاصل ہے کہ عربی، فارسی، ہندی اور اردو زبانوں کو ایک ساتھ نعت میں استعمال کرتے ہیں مثلاً

لَمْ یَاتِ نَظِیْرُکَ فِیْ نَظَرٍ — مثل تو نہ شد پیدا جانا

جگ راج کو تاج تورے سر — سوہے تجھ کو شہہ دوسرا جانا (۸۸)

امام احمد رضا کو دنیائے اردو کی شاعری میں ایک اور امتیازی مقام یہ حاصل ہے کہ آپ نے اپنے نعتیہ قصیدہ میں علم ہیئت، نجوم اور فلکیات کی مصطلحات سے بھرپور استفادہ کیا ہے جبکہ ان سے قبل کسی بھی شاعر کے کلام میں یہ خصوصیت نہیں پائی گئی البتہ اکا دکا شعر میں بعض اصطلاحات کا

۸۸؎ مولانا احمد رضا خاں بریلوی "حدائق بخشش"، حصہ اوّل ص۔ ۱۵

استعمال کہیں کہیں مل جاتا ہے امام موصوف نے خالص علم ہیئت کی اصطلاحات میں نعتیہ قصیدہ لکھ کر تمام شعرا کو حیرت زدہ کر دیا ہے۔ آپ نے فارسی زبان کے مشہور شاعر بدر چاچ کے علم ہیت کی مصطلحات پر مشتمل قصیدہ جو شاہ محمد تغلق کی مدح میں لکھا گیا۔ (۸۹) اسی کا مؤثر جواب دیا ہے اور سبقت یوں لے گئے کہ بدر چاچی نے تو بادشاہ کی شان میں قصیدہ کہا تھا اور آپ نے بادشاہوں کے بادشاہ یعنی تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں مدح سرائی کی ہے اور ۱۵۰ اشعار پر مشتمل "قصیدہ نعتیہ در علم ہیت و نجوم" تحریر کیا۔ (۹۰)

علامہ شمس بریلوی نے ان اشعار کی تشریح کرتے ہوئے ان خیالات کا اظہار کیا ہے:۔

"نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم میں ان مصطلحات کو پیش کرنا ایک بہت ہی مشکل مرحلہ ہے لیکن نابغہ دوراں نے یہ التزام ختم قصیدے تک باقی رکھا ہے اور اپنے تبحر علمی سے اس میدان میں بھی وہ سبقت لے گئے ہیں۔" (۹۱)

اس قصیدے کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

۸۹۔ ملا بدر الدین چاچی "قصیدہ بدر چاچ"، مطبوعہ نولکشور لکھنؤ انڈیا

۹۰۔ امام احمد رضا خاں بریلوی "حدائق بخشش"، حصہ سوم ص ۴۳۔ ۵۱ مطبوعہ انڈیا

۹۱۔ علامہ شمس بریلوی "حضرت امام احمد رضا کے دس اشعار"، (معارف رضا شمارہ چہارم) ص۔ ۱۵۲

خالق افلاک نے طرفہ دکھلائے چمن — ایک گل سوسن (فلک) میں ہیں لاکھوں گل یاسمین (کواکب)

وسط گلستان نہر (فلک)، نہر کے ہر سمت دوب — دوب میں بوٹے (کواکب) ہزار، لولوں میں در عدن

سبزہ و گل (فلک) دلنشین (نجوم)، محو تماشا حسین — باتو لے اقلیم چین، دلربا (زمین) بل وطن

نقطہ پر خط کھینچے خط کے سطح غلط — تن کے میں ہوں نقطہ جاں کے مٹی ہے تن

علامہ شمس بریلوی نے اس قصیدے کے ۵۰ اشعار کی شرح فرمادی ہے جو معارف رضا ۱۹۸۴ اور ۱۹۸۷ کے شمارے میں شائع ہوئی ہے ابھی ۸۸ اشعار اور باقی ہیں جن کی شرح ہنوز باقی ہے حضرت شمس مدظلہ العالی کی صحت اب کام کرنے کے لائق نہیں امید ہے کوئی اسکالر اس کام کو مکمل فرمالے گا۔

اصلاح معاشرہ

برصغیر پاک و ہند میں ۱۸۵۷ء کے بعد انگریز نے ہندؤں کے ساتھ مل کر اسلام کو مسخ کرنے کی بہت کوشش کی جس کے نتیجے میں مسلمان عقائد اور معاملات دونوں میں تذبذب کا شکار ہو گئے۔ مسلمانوں کو ان سازشوں سے سخت نقصان پہنچا جن سازشوں میں آزاد پسند اور کانگریسی مسلمان بھی شامل ہو گئے ان نام نہاد مسلم نصاریٰ اور ہندو مسلم دوستی سے بھی اسلام کے شعائر کو سخت دھچکا لگا جس کے اثرات آج بھی معاشرے میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ نام نہاد مسلماں سے دعویٰ نبوت تک کرا دیا گیا، گائے کی قربانی کو بند کروانے کی کوششیں کی گئیں، ہندوستان کو دارالحرب قرار دے کر مسلمانوں کو یہاں سے ہجرت کرنے پر مجبور کیا گیا. تحریک موالات چلا کر مسلمانوں کی معیشت کو تباہ کیا گیا، تحریک خلافت چلا کر نجدیوں کی سازش پر پردہ ڈالنے کی کوششیں کی گئیں اور تمام مسلمان فرقوں کو کلمہ گو مسلمان سمجھتے ہوئے

ایک پلیٹ فارم پر لانے کی کوشش کی گئی، علی گڑھ تحریک کے ذریعے عیسائیوں سے قرب حاصل کرنے کی کوشش کے ساتھ ساتھ اسلام کے بنیادی ڈھانچے کو مسمار کرنے کی کوشش کی گئی، ان ہی تمام تحریکوں کے درمیان بیسیوں نئے نئے فرقے سامنے آنے لگے جس میں کوئی نبوّت کا دعویٰ کر رہا ہے، کوئی انبیاء کے معجزات کا انکار کر رہا ہے کوئی نماز روزے کے انکار پر مصر نظر آرہا ہے۔ الغرض امام احمد رضا کا دور عقائد اور معاملات دونوں پہلوؤں سے پرفتن دور رہا ہے مگر امام احمد رضا نے بروقت ان تمام عقائد اور معاملات کی بے اعتدالیوں سے بے راہ روی کا بھرپور قلع قمع کیا اور ان تمام تحریکوں کا رد کیا جو مسلمانوں کے خلاف چلائی جا رہی تھیں ان تمام باطل عقائد کا رد کیا جو نام نہاد مولوی حضرات اپنے مدرسوں سے اجرا کر رہے تھے ان تمام اسلامی شعائر کا دفاع کیا جو اسلام کی پہچان تھے اس سلسلے میں آپ نے مسلسل فتویٰ نویسی کے ذریعے گرفت رکھی اور ۵۰ برس تک مسلسل دارالافتاء سے ان سازشوں کے خلاف قلمی جہاد فرماتے رہے اور فتاویٰ کے علاوہ اصلاح معاشرہ کے لیے ۱۵۰ سے زیادہ عربی، فارسی اور اردو میں رسائل، مقالات اور کتابیں تحریر فرمائیں چند نام یہاں قلمبند کرنا چاہوں گا۔

سب سے پہلے عقائد باطلہ کے رد میں آپ نے جو رسائل اور کتابیں تحریر کی ہیں ان کی فہرست ملاحظہ کیجیے۔

و قادیانیت کے رد میں آپ نے کئی رسائل اور بیسیوں فتوے جاری

کیے مثلاً

۱۔ سبحن السبوح عن عیب کذب مقبوح (۱۳۰۷ھ)

۲۔ الجزاز الدیانی علی المرتد القادیانی (۱۳۴۰ھ)

۳۔ المبین ختم البیّین (۱۳۲۶ھ)

۴۔ جزأ اللّٰہ عدوہ بابائہ ختم النبوۃ (۱۳۱۷ھ)

۵۔ السوٗ والعقاب علی المسیح الکذّاب (۱۳۲۰ھ)

۶۔ قہر الدیان علی مرتد بقادیان (۱۳۲۳ھ)

ردّ شیعیت میں آپ نے ۲۰ سے زیادہ رسائل تصنیف فرمائے ہیں

۱۔ ردالرفضہ (۱۳۲۰ھ)

۲۔ حاشیہ تحفہ اثناء عشریہ

۳۔ الادلۃ الطاعنۃ فی اذان الملاعنہ (۱۳۰۶ھ)

۴۔ اعالی الافادۃ فی تعزیۃ الھند و بیان الشہادۃ (۱۳۲۱ھ)

۵۔ الصمصام الحیدری علی حمق العبار المفزی (۱۳۰۴ھ)

۶۔ شرح المطالب فی مبحث ابی طالب (۱۳۱۶ھ)

ردوھابیت، ندویت کے سلسلے میں بھی کئی معرکتہ الآراکتب تصنیف فرمائیں۔

۱۔ اکمل البحث علی اھل الحدیث (۱۳۱۲ھ)

۲۔ حسام الحرمین علی منحر الکفر والمین (۱۳۲۴ھ)

۳۔ الکوکبۃ الشہابیہ فی کفریات ابی الوھابیۃ (۱۳۱۲ھ)

۴۔ فتاویٰ الحرمین برجف ندوۃ المین (۱۳۱۷ھ)

اس کے علاوہ مختلف تحریکوں کے رد میں جو رسائل لکھے چند نام یہاں پیش کر رہا ہوں۔

۱۔ انفس الفکر فی قربان البقر (۱۲۹۸ھ) گائے کی قربانی نہ کرنے کی رد میں۔

۲۔ اعلام الاعلام بان ھندوستان دارالاسلام (۱۳۰۶ھ) ہندوستان کو دارالاسلام ثابت کرنے کے سلسلے میں۔

۳۔ الصمصام علی مشکک فی آیۃ علوم الارحام (۱۳۱۵ھ) نیچریت کے رد میں

۴۔ المحجۃ المؤتمنۃ فی آیۃ الممتحنۃ (۱۳۳۹ھ) ہندو نصاریٰ سے دوستی کے رد میں اور دو قومی نظریہ کی بنیاد میں۔

ف۱۔ مولوی احسان الٰہی ظہیر (المتوفی ۱۹۸۶ھ) نے اپنی تالیف "البریلویہ" میں امام احمد رضا بریلوی پر جہاں کئی من گھڑت الزامات لگائے ان میں سے دو یہ بھی تھے کہ آپ نسلاً شیعہ تھے کیونکہ والد کا نام نقی علی خاں اور دادا کا نام رضا علی خان ہے، دوسرے آپ نے جن اساتذہ کرام سے تعلیم حاصل کی ہے ان میں مرزا غلام قادر بیگ بھی شامل ہیں جو مرزا غلام احمد قادیانی کے بھائی تھے۔ اس کتاب میں الزامات تو سب ہی جھوٹ اور بہتان پر مبنی ہیں مگر ایک مسلمان کو قادیانی اور شیعہ ثابت کرنا بغیر دلیل کے انتہائی بدترین اور جہالت پر مبنی الزام ہے۔ اس کا انتہائی مؤثر جواب حکیم شرف قادری صاحب نے اپنی کئی تالیفات میں دیا ہے۔ مثلاً

۱۔ "اندھیرے سے اُجالے تک"

۲۔ "البریلویہ کا تحقیقی اور تنقیدی جائزہ"

۳۔ "من عقائد اہل السنۃ" (عربی)

۵۔ کیفر کفر آریہ (۱۳۱۶ھ) آریوں کی طرف سے قرآن مجید پر لگائے گئے الزامات کا رد۔

امام احمد رضا نے مذہب حقہ یعنی عقائد اہلسنت کے سلسلے میں درجنوں کتابیں تصنیف فرمائیں جس میں عقائد اہلسنت بتانے کے ساتھ ساتھ عظمت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اجاگر ہے کیونکہ قادیانیوں اور وہابیوں کے عقائد انگریزوں کی سرپرستی میں بہت تیزی سے پھیل رہے ہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت معاذ اللہ ایک ڈاکیہ، بڑا بھائی، سے زیادہ نہیں رہی تھی اس وقت آپ نے عظمت رسول کا علم بلند کیا اس سلسلے میں لکھی گئی چند کتابوں کے نام ملاحظہ کریں۔

۱۔ تجلی الیقین بان نبینا سید المرسلین (۱۳۰۵ھ)

۲۔ الامن والعلی (۱۳۱۱ھ)

۳۔ ابناٗ المصطفیٰ بحال سر واخفی (۱۳۱۸ھ)

۴۔ صلاۃ الصفا فی نور المصطفیٰ (۱۳۲۹ھ)

۵۔ خالص الاعتقاد (۱۳۲۸ھ)

۶۔ تمہید ایمان بآیات قرآن (۱۳۲۶ھ)

امام احمد رضا نے اصلاح معاشرہ کے لیے بھی بہت سی کتابیں لکھیں چند نام اس سلسلے میں بھی ملاحظہ ہوں۔

۱۔ ھادی الناس فی رسوم الاعراس (۱۳۲۳ھ) شادی میں غیر رسومات کا رد

۲۔ جلی الصوت لنھی الدعوۃ امام الموت (۱۳۱۰ھ) میت کے گھر غیر ضروری قیام اور طعام کا رد

۴۔ مقال عرفا باعزاز شرع وعلماء (۱۳۲۷ھ) شریعت اور طریقت کو جدا کرنے کا رد۔

امام احمد رضا نے برصغیر پاک وہند میں باطل عقائد ونظریات اور معاملات کا رد فرما کر جو احیار دین فرمایا ہے اور تجدید دین کا جو اہم فریضہ انجام دیا ہے اور ساتھ ہی مسلمانوں کے لیے معاشرتی، معاشی اور اقتصادی، سیاسی، تعلیمی پالیسیاں اسلامی نظریات کی روشنی میں پیش کر کے ایک مکمل رہبر ورہنما کا کردار ادا کیا ہے جس کے لیے آپ کی ... اسے زیادہ تصنیفات گواہ ہیں اور آپ مجدّد برحق ہونے کے سو فیصد حقدار ہیں چنانچہ عرب وعجم کے سینکڑوں علماء ومشائخ نے آپ کو تجدیدی کارناموں کی بنیاد پر چودھویں صدی کا مجدد تسلیم کیا۔

امام احمد رضا کو علمائے اہلسنت کے عظیم الشان اجلاس منعقدہ ۱۶۔۱۸۔ رجب ۱۳۱۸ھ/۱۹۰۰ء بمقام پٹنہ، جس میں ۵۰۰ سے زیادہ مشاہیر علمائے اہلسنت نے شرکت فرمائی۔ اس اہم اجلاس میں مولٰنا عبدالمقتدر بدایونی (المتوفی ۱۳۳۴ھ ۱۹۱۵ء) ابن مولٰنا شاہ عبدالقادر بدایونی نے امام احمد رضا کو مجدد مائۃ حاضرۃ" کے لقب سے پکارا جس کو اجلاس کے تمام علما اور شرکاء نے ایک آواز کے ساتھ لبیک (۹۲) کہا۔ اس وقت امام احمد رضا کی عمر ۴۴ سال تھی۔

امام احمد رضا کو برصغیر پاک وہند کے علماء کے علاوہ علمائے عرب سے بھی مجدّد مائۃ حاضرۃ کی توثیق ملی چنانچہ بہت سارے عرب کے علماء ومشائخ نے آپ کو مجدد تسلیم کیا ان میں الشیخ سید اسمٰعیل بن خلیل مکی نے آپ کو عرب

---

۹۲ ؎ مولٰنا محمود احمد قادری "تذکرہ علمائے اہلسنت"، ص ۱۵۵

کے علماء میں سب سے پہلے سن ۱۹۰۶ء میں مجدد تسلیم کیا آپ لکھتے ہیں ۔

"بل اقول لو قیل فی حقہ انہ مجدد ھٰذا القرن لکان حقا و صدقا (۹۳)

یعنی: میں کہتا ہوں اگر اس کے حق میں یہ کہا جائے کہ وہ اس صدی کا مجدد ہے تو البتہ حق و صحیح ہے۔

شیخ موسیٰ علی شامی ازہری احمدی نے ۱۳۳۰ھ/ ۱۹۱۱ء میں آپ کو "المجدد ھذا الامۃ" کہہ کر خطاب کیا — اسی سند مذکورہ میں شیخ ہدایت اللہ بن محمود السندی المدنی نے "مجدد المائۃ الحاضرۃ" تحریر فرمایا (۹۴) اسی طرح طرابلس کے سید حسین بن سید عبدالقادر نے بھی "حامی الملۃ المحمدیہ الطاھرۃ و مجدد المائۃ الحاضرۃ" کہہ کر خطاب فرمایا۔ (۹۵)

امام احمد رضا بریلوی کو موجود پاکستان کے جن علما و مشائخ نے آپ کی حیات میں آپ کو چودھویں صدی کا مجدد تسلیم کیا ان میں شیخ المشائخ حضرت مولانا حافظ محمد عبداللہ قادری بھرچونڈی شریف، حضرت علامہ عبدالکریم درس کراچی، حضرت علامہ شاہ غلام ربانی گیلانی کیمبل پور، حضرت نور احمد فریدی ریاست بہاولپور، پیرزادہ محمد معصوم شاہ گجرات، مولوی احمد بخش ڈیرہ غازی خاں، سید محمد مجید الحسن جہلم اور

۹۳ے امام احمد رضا خاں بریلوی "حسام الحرمین علی منحر الکفر والیمین" ص ۱۵ مطبوعہ لاہور

۹۴ے ڈاکٹر محمد مسعود احمد "امام احمد رضا اور عالم اسلام" ص ۱۲۰

۹۵ے امام احمد رضا خاں بریلوی "الفیوضات المکیۃ لمحب الدولۃ المکیۃ ص ۸۲

لاہور کے مولنا اکرام الدین بخاری اور پروفیسر چودھری عزیز الرحمٰن کے نام قابل ذکر ہیں۔

تلامذہ وخلفائے امام احمد رضا امام احمد رضا کے خلفاء اور تلامذہ کی تعداد کا صحیح تعین تو نہیں کیا جاسکتا کیونکہ آپ نے اپنی تمام زندگی درس و تدریس اور تصنیف و تالیف میں گزاری ہے اس سلسلے میں راقم نے مولنا محمد صادق قصوری صاحب کے ساتھ مل کر اعلیٰ حضرت امام احمد رضا محدث بریلوی کے عرب و عجم اور پاک و ہند کے تقریباً ۸۲ خلفاء کا تذکرہ جمع کیا تھا جو ایک کتابی صورت میں "تذکرہ خلفائے اعلیٰ حضرت" کے نام سے ادارہ تحقیقات امام احمد رضا نے ۱۹۹۲ء میں شائع کیا تھا اس تذکرہ میں جن عرب و افریقہ اور دیگر بلاد عرب کے علما و مشائخ کو اعلیٰ حضرت نے اپنی خلافت و اجازت عطا فرمائی ان کے اسماء یہ ہیں۔

۱۔السید اسمٰعیل خلیل مکی ۲۔الشیخ اسد بن احمد الدہان ۳۔الشیخ احمد النحضرادی المکی
۴۔السید ابوبکر بن سالم الحضرمی ۵۔الشیخ بکر رفیع ۶۔الشیخ حسن العجیمی المکی
۷۔الشیخ السید حسین جمال ۸۔السید حسین مدنی بن سید عبدالقادر ۹۔السید سالم بن عیدروس الحضرمی
۱۰۔الشیخ عابد بن حسین مفتی مالکیہ ۱۱۔الشیخ عبداللہ بن ابی الخیر میرداد ۱۲۔السید عبداللہ دحلان
۱۳۔الشیخ عبداللہ فرید بن عبدالقادر کردی ۱۴۔الشیخ علی بن حسین مکی ۱۵۔حضرت سید علوی بن حسن الحضری
۱۶۔الشیخ عمر بن حمدان ۱۷۔شیخ مامون البری المدنی ۱۸۔مولنا سید محمد ابراہیم المدنی
۱۹۔ابوالحسن محمد بن عبدالرحمٰن المرزوقی ۲۰۔سید محمد عثمان دحلان ۲۱۔الشیخ محمد جمال بن محمد الامیر
۲۲۔محمد سعید بن محمد بالعبیل ۲۳۔الشیخ محمد سعید بن محمد المغربی ۲۴۔الشیخ محمد صالح کمال
۲۵۔السید محمد عبدالحئی الفاسی ۲۶۔السید محمد عمر بن ابوبکر رشیدی ۲۷۔الشیخ محمد یوسف
۲۹۔السید محمد مصطفےٰ الخلیل مکی آفندی۔ (۹۶)

۲۹۔ السید محمد مصطفےٰ الخلیل مکی آفندی (۹۶)

امام احمد رضا خاں محدث بریلوی کے پاک و ہند میں سینکڑوں تلامذہ اور خلفاء پائے جاتے ہیں۔ یہاں ان کے دونوں صاحبزادوں سمیت چند کا انتہائی اختصار کے ساتھ ذکر پیش کیا جارہا ہے ملاحظہ کیجیے :

۱۔ مفتی محمد حامد رضا خاں قادری برکاتی بریلوی

امام احمد رضا کے بڑے صاحبزادہ ہیں ۱۲۹۲ھ/۱۸۷۵ء میں بریلی میں پیدا ہوئے۔ امام احمد رضا خاں سے درسیات مکمل کیں۔ جلد ہی منظر اسلام کے مہتمم مقرر ہوئے جہاں برس ہا برس طلبہ کو درس حدیث و تفسیر دیا۔ عربی زبان پر بہت عبور تھا۔ فقہی مسائل میں والد ماجد سے ملکہ حاصل کیا۔ شاہ ابوالحسن نوری میاں سے بیعت و خلافت حاصل کی۔ والد ماجد سے بھی تمام سلاسل ہی اجازت و خلافت حاصل کی اور آپ کے بعد آپ کے سجادہ نشین قرار پائے۔ آل انڈیا سنی کانفرنس کے پلیٹ فارم سے دو قومی نظریہ اور پاکستان کو آزاد کرانے کے سلسلے میں مسلسل جدوجہد فرمائی۔ قادیانیوں کے خلاف بھرپور قلمی جہاد فرمایا اور "الصارم الربانی علیٰ اسراف القادیانی" (۱۳۱۵ھ) لکھ کر قادیانیوں کے خلاف بھرپور نفرت کا اظہار فرمایا۔ آپ کے فتاویٰ اور نعتیہ دیوان دونوں تلف ہو گئے۔ آپ کا وصال ۱۳۶۲ھ/۱۹۴۲ء میں ہوا اور والد کے پہلو میں دفنائے گئے۔ (۹۷)

---

۹۶ ۔ مولانا محمد صادق قصوری و مجید اللہ قادری "تذکرہ خلفائے اعلیٰ حضرت"، ص ۳۵ ۔ ۱۲۲

ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۱۹۹۲ء

۹۷ ۔ ایضاً ص ۲۳۴ ۔ ۲۵۴

آپ کی سوانح حیات چند سال قبل شائع ہو چکی ہے۔ (ف۱)

۲۔ مفتی اعظم ہند، مفتی محمد مصطفےٰ رضا خاں قادری نوری بریلوی

آپ امام احمد رضا کے خلف اصغر ہیں جن کی پیدائش ۱۳۱۰ھ/۱۸۹۲ھ میں ہوئی۔ آپ چند ہی دن کے تھے کہ مارہرہ شریف کے سجادہ نشین حضرت الوالحسن نوری میاں صاحب نے نہ صرف اپنی مریدی میں شامل کیا بلکہ اپنے خاندان کے تمام سلاسل کی اجازت بھی عطا فرمائی اور اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ میرا یہ بچّہ کامل ولی ہے۔ دنیا ایک زمانے تک ان سے فیض حاصل کرے گی چنانچہ آپ کے لاکھوں مرید ہیں اور ۸۰ برس مسلسل فتویٰ نویسی فرمائی اور طویل عمر حاصل فرما کر ۱۴۰۲ھ/۱۹۸۱ء میں وصال ہوا۔(۹۸) اپنے بڑے بھائی کے بعد ۱۹۴۲ء سے ۱۹۸۱ء تک بریلی کی خانقاہ کے سجادہ نشین رہے اور ساتھ ساتھ مرکز کے مفتی بلکہ آپ کو تمام عالم اسلام سے مستند مفتی تسلیم کیا گیا۔ آپ کے تلامذہ اور خلفا کی ہزاروں کی تعداد بتائی جاتی ہے جس میں عرب و عجم کے بڑے بڑے علماء اور مشائخ شامل ہیں مثلاً علامہ سید محمد مغربی مالکی، مولانا سید

ف۱: مولانا محمد ابراہیم خوشتر صدیقی بانی سنی رضوی انٹرنیشنل سوسائٹی ڈربن نے مولانا محمد حامد رضا خاں بریلوی کی سوانح حیات بعنوان "تذکرہ جمیل" کے نام سے لکھی تھی جو ۱۹۹۳ء میں انڈیا سے شائع ہوئی۔ آپ خود بھی مولانا حامد میاں کے مرید ہیں اور ان دنوں یورپ اور افریقہ میں مسلک امام احمد رضا کو فروغ دے رہے ہیں۔ (مجید)

۹۸ے مولانا عبد النعیم عزیزی "مفتی اعظم ہند" ص ۲۵، اختر بک ڈپو بریلی انڈیا ۱۹۸۱ء

ابن قطبی مولٰنا سید مالکی علوی، مولٰنا اعجاز ولی خاں، مولٰنا حشمت علی خاں، مولٰنا مفتی سردار احمد خاں، مولٰنا سید ابوالبرکات رضوی، مفتی خواجہ مظفر حسین وغیرہ (۹۹) آپ کے خلفاء پر بھی ایک تذکرہ شائع ہوا ہے (ف)

راقم کے پیر مُرشد مفتی محمد مصطفےٰ رضا خاں بریلوی کئی کتابوں کے مصنّف ہیں، چند نام ملاحظہ کیجیے۔

فتاویٰ مصطفویہ، سامان بخشش، تنویر الحجہ بالتواء الحجہ، حجۃ واہرہ بوجوب الحجۃ الحاضرہ القول عجیب فی جواز التثویب، وقعات السنان الی حلق المسماۃ بسط البنان، ملفوظات مجدد مائتہ حاضرہ وغیرہا۔ (۱۰۰)

صاحبزادگان کے علاوہ چند معروف تلامذہ اور خلفا کے نام ملاحظہ کیجیے:۔

(۳) مولانا محمد ظفر الدین بہاری (المتوفی ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء) تلمیذ وخلیفہ امام احمد رضا بریلوی۔ آپ ۷۰ سے زیادہ کتابوں کے مؤلف ہیں جن

---

۹۹ ؎ مولٰنا محمد صادق قصوری مجید اللہ قادری "تذکرہ خلفائے اعلیحضرت"، ص ۲۸۶-۲۸۷

ف: مولٰنا محمد شہاب الدین رضوی نے مفتی اعظم ہند کے خلفاء پر ایک تذکرہ بعنوان "مفتی اعظم ہند اور ان کے خلفاء" کے نام سے شائع کیا تھا جس میں انہوں نے ۵۷ خلفاء کا ذکر کیا ہے۔ مولٰنا مفتی محمد شاہد علی رضوی نے مفتی اعظم کے حالات و افکار پر ۱۰۰ اصفحات میں روشنی ڈالی ہے۔ رضا اکیڈمی بمبئی نے ۱۹۹۰ میں اس کی جلد اوّل شائع کی ہے۔ جلد دوم ان دنوں مولٰنا شہاب ترتیب دے رہے ہیں (مجید)

۱۰۰ ؎ سید ریاست علی قادری، "مفتی اعظم ہند"، ص ۔ ۱۰۰، ادارہ اہلسنّت کراچی ۱۹۷۹ء

میں بیشتر عربی زبان میں ہیں اور یہ کتب فقہ حدیث کے علاوہ توقیت، تاریخ
تکسیر، صرف، نحو، مناظرہ، منطق، فلسفہ، اخلاق، ہیت وغیرہا پر مشتمل ہیں
جن میں سے چند کے نام تحریر کیے جاتے ہیں۔
جواہر البیان فی ترجمہ الخیرات الحسان، الاکسیر فی علم التکسیر، الجامع الرضوی
المعروف صحیح البہاری (ف) (٦ مجلدات) المجمل المعدد ولتصنیفات
المجدد، حیات اعلحضرت وغیرہ (١٠١)
(٤) مولانا مفتی امجد علی اعظمی المتوفی (١٣٦٧ھ/١٩٤٨ء) خلیفہ مولانا احمد رضا

ف :۔ نوٹ : مؤلف نے یہ کتاب ٤ جلدوں میں مرتب کی اور ہر جلد ۔۔۔ اصفحات
پر مشتمل ہے اس کی دوسری جلد "کتاب الطہارۃ"، جو دس ہزار احادیث پر مشتمل
ہے ١٩٩٢ء میں حیدر آباد سندھ سے شائع ہوئی ہے۔ اس کتاب کی خصوصیت
دیگر احادیث کے مجموعہ سے جو برصغیر پاکستان سے شائع ہوئے ہیں یہ ہے کہ مؤلف
نے اپنی کتاب میں وہ احادیث صحیحہ جمع کی ہیں جو مؤید مسلک اہل سنّت واحناف
ہوں اور فقہ حنفی کا ماخذ ومصدر۔ انہوں نے احادیث کا سارا ممکن الحصول مجموعہ
کھنگال کر وہ تمام روایات جمع کیں جن پر مذہب حنفی کی عمارت کھڑی کی گئی ہے
مؤلف نے اس کتاب کو فقہی ابواب کی ترتیب پر جمع فرمایا جلد اوّل۔ کتاب العقائد،
جلد دوم کتاب الطہارۃ، جلد سوم کتاب الزکوٰۃ صوم اور حج، جلد چہارم۔ نکاح اور وقف،
جلد پنجم بیوع، غصب، جلد ششم، شفعہ اور فرائض۔ مؤلف نے سب سے زیادہ استفادہ امام
احمد رضا کے ان تفردات سے کیا جو انہوں نے آپ کی صحبت میں "الافادات رضویہ" کے نام سے جمع کیے

١٠١ ۔ مولانا محمد صادق قصوری، "خلفائے اعلحضرت"، ص ٣٠٩ ۔ ٣١١

بریلوی۔ مصنف بہار شریعت (۲۰ جلد) فتاویٰ امجدیہ (۱ جلد) حاشیہ شرح معانی الآثار وغیرہا۔ (۱۰۲)

(۵) سید محمد نعیم الدین مراد آبادی المتوفی (۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) خلیفہ مولانا احمد رضا بریلوی۔ مصنف: مختصر تفسیر خزائن العرفان فی تفسیر القرآن، کلمتہ العلیا، اطیب البیان رد تقویت الایمان، کتاب العقائد، آداب الاخیار، زائر الحرمین، مجموعہ فتاویٰ، سوانح کربلا وغیرہا۔ (۱۰۳)

(۶) مولانا سید دیدار علی المتوفی (۱۳۵۴ھ/۱۹۳۵ء) خلیفہ مولانا احمد رضا بریلوی مؤلف: تحقیق المسائل، ہدایتہ الطریق، تفسیر میزان الادیان وغیرہا۔ (۱۰۴)

(۷) سید سلیمان اشرف بہاری (المتوفی ۱۳۵۸ھ/۱۹۳۹ء) خلیفہ مولانا احمد رضا بریلوی مؤلف: امتناع النظیر، الحج، المبین، النور، الانہار، البلاغ، الرشاد، السبیل وغیرہا۔ (۱۰۵)

۱۰۲۔ مولانا امجد علی اعظمی "فتاویٰ امجدیہ" جلد اوّل دیباچہ ص۔ ۲، دار العلوم امجدیہ مکتبہ رضویہ کراچی ۱۴۰۰ھ

۱۰۳۔ مولانا غلام معین الدین نعیمی "تذکرۂ المعروف حیات صدر الافاضل" ص ۴۸ مطبوعہ لاہور

۱۰۴۔ ڈاکٹر حسن رضا اعظمی "فقیہ اسلام" ص۔ ۲۸۶/۲۷۰، ادارہ تصنیفات امام احمد رضا کراچی ۱۹۸۵ء

۱۰۵۔ معارف رضا شمارہ ششم ۱۹۸۶ء ص۔ ۱۸۱ ۱۹۸۶ء

(۸) شاہ عبدالعلیم صدیقی میرٹھی (المتوفی ۱۳۷۴ھ/۱۹۵۴ء) خلیفہ مولانا احمد رضا (مدفون مدینہ منورہ) مولف: ذکر حبیب، کتاب تصوف، بہار شباب، مسائل انسان کامل، اسلام میں عورت کے حقوق، مکالمہ برناڈشا، مرزائی حقیقت کا اظہار، Quest for Happiness , Forgotten Path Knowledge Principles of Islam وغیرہا۔ (۱۰۶)

(۹) مولانا حشمت علی خاں (المتوفی ۱۳۸۰ھ/۱۹۶۱ء) تلمیذ و فرزند طریقت مولانا احمد رضا خاں بریلوی کی اہم تصنیفات و تالیفات کا پتہ چلا ہے چند نام یہاں ملاحظہ کریں۔ تفسیر امداد الدیان فی تفسیر القرآن (پارہ اوّل)، اجمل انوار الرضا، الانوار الغیبیہ، ارشادات حق آشنا، راد المہند علی النہیق الانبھتی المفند، علم غیب، الفرح والتاج لمحب محفل المعراج، القول الاظہر فی عدم جواز الصلوۃ باقتداء لاوڈ اسپیکر، القلادۃ الطیبۃ المرصعۃ علی نحور راہ مسئلۃ السبعۃ وغیرہا۔ (۱۰۷)

(۱۰) مولانا ضیاء الدین احمد المدنی (المتوفی ۱۴۰۱ھ/۱۹۸۱ء) (۱۰۸) خلیفہ

---

۱۰۶ محمد صادق قصوری "اکابر تحریک پاکستان"، ص۔ ۱۴۱/۱۴۵، نوری بکڈپو لاہور ۱۳۹۶ھ

۱۰۷ ڈاکٹر غلام یحییٰ انجم "مولانا حشمت علی لکھنوی"، ص ۱۱۵ نئی دہلی انڈیا ۱۹۹۲ء

نوٹ: مولانا قاری محبوب علی خاں قادری جو مولانا حشمت علی کے چھوٹے بھائی ہیں آپ نے بھی ایک تذکرہ بعنوان "سوانح شیر بیشہ سنت" لکھا تھا جو ۱۹۹۰ء میں بمبئی سے شائع ہوا۔

۱۰۸ مولانا محمد خوشتر صدیقی قادری "قطب مدینہ (ایک تاریخی تعزیت نامہ)" ص ۔۴۸ رضا اکیڈمی لاہور ۱۹۸۲ء

مولانا احمد رضا بریلوی ۔

(۱۱) مولانا قلندر علی سہروردی (المتوفی ۱۳۷۷ھ/۱۹۵۹ء) خلیفہ و تلمیذ مولانا احمد رضا بریلوی مؤلف: جمال الٰہی، جمال رسول، سیاح لامکان، رسالہ علم غیب، تذکرہ سہروردیہ۔ حلیۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، انوار سہروردیہ، الفقر فخری، پردہ نسواں وغیرہا۔ (۱۰۹)

(۱۲) مولانا حسن رضا خاں (ف ۱)، ابن نقی علی خاں (المتوفی ۱۳۲۶ھ/۱۹۰۸ء) تلمیذ و خلیفہ مولانا احمد رضا خاں مؤلف: غزلیہ دیوان ثمرہ فصاحت، نعتیہ دیوان ذوق نعت، انتخاب شہادت معہ آئینہ قیامت، ساغر پرکیف، نگارستان لطافت وغیرہا۔ (۱۱۰)

(۱۳) مولانا عبد السلام جبلپوری (المتوفی ۱۳۷۲ھ/۱۹۵۳ء) (۹۸) خلیفہ و تلمیذ مولانا احمد رضا بریلوی ۔ (۱۱۱)

(۱۴) شاہ محمد حبیب اللہ میرٹھی (المتوفی ۱۳۶۷ھ/۱۹۴۸ء) خلیفہ مولانا احمد رضا بریلوی مؤلف: النور، الظہور وغیرہا۔ (۱۱۲)

---

۱۰۹ ۔ محمد عبد الحکیم شرف قادری "تذکرہ اکابر اہلسنت"، جلد اوّل ص ۔ ۷۔۴۰۴/۸۔۴

ف ۱: نوٹ: ایک فاضلہ مولنا حسن کی شاعری پر روہیل کھنڈ یونیورسٹی بریلی سے پروفیسر ڈاکٹر وسیم بریلوی کی سرپرستی میں ڈاکٹریٹ کا مقالہ لکھ رہی ہیں (تذکرہ ذکر حسن بریلوی مؤلف ڈاکٹر اقبال احمد قادری ص ۱۳)

۱۱۰ ۔ مولانا محمود احمد قادری "تذکرہ علمائے اہلسنت"، ص ۔ ۷۷/۷۸

۱۱۱ ۔ ماہنامہ پاسبان الہ آباد شمارہ نومبر/دسمبر ۱۹۵۵ء

۱۱۲ ۔ شاہ محمد عارف اللہ قادری "اذکار حبیب رضا" ص ۔ ۸، مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۳۹۶ھ

(۱۵) مفتی تقدس علی خاں بریلوی (المتوفی ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۸ء) آپ امام احمد رضا کے تلمیذ اور مرید بھی ہیں۔ قوی روایات کے مطابق آپ نے اعلیٰ حضرت سے خلافت بھی پائی مگر آپ نے تعلیم مولٰنا مفتی حامد رضا خاں بریلوی سے مکمل کی اور ان سے خلافت و اجازت بھی حاصل کی اور آپ کا نکاح بھی مولٰنا حامد رضا کی صاحبزادی سے ہوا تھا۔ آپ مدرسہ "منظر اسلام" کے ۱۹۴۲ تک نائب مہتمم رہے اور بعد میں ۱۹۵۱ تک اس کے مہتمم بنے۔ ۱۹۵۱ کے بعد آپ پاکستان تشریف لے آئے اور پھر جلد ہی پیر جو گوٹھ خیر پور کو علم و عرفان کا مرکز بنایا اور ۱۹۸۸ تک جامعہ راشدیہ کے شیخ الحدیث رہے۔ آپ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کے اول سرپرست اعلیٰ رہے۔ آپ کا مزار پیر جو گوٹھ میں مرجع خلائق ہے۔ آپ کے وصال پر آپ کے مرید اور منظر اسلام کے ہم عصر مدرس صدر شعبہ فارسی محترم جناب علامہ شمس بریلوی صاحب نے چند اشعار میں منظوم خراج عقیدت پیش کیا تھا وہ یہاں نقل کیا جا رہا ہے۔

وفات حسرت آیات مایۂ دانش

—— ۱۹۸۸ ——

موت ہے زیست کا انجام و مآل	اس سے محفوظ رہے دہر میں کوئی ہے مجال
ساتھ میں جاتے ہیں اعمال حسن	باقی رہ جاتا ہے بس نقش کمال
ہیں شفیع[ف] اور وجاہت[ت] لاریب	فقر میں ان کی نیابت کی مثال

ف : حاجی محمد شفیع قادری حامدی حضرت مفتی حامد رضا خاں بریلوی کے مرید ہیں اور (بقیہ اگلے صفحہ پر)

دال ہے ان کے کمالات پہ شمس[۱۱۳]

لفظ "حضرت" میں ہے تاریخ وصال

اس کے علاوہ آپ نے کئی تاریخی مادے تخریج کیے مثلاً (i) والا حاجی تقدس علی خاں (۱۴۰۸ھ) (ii) سرمایۂ کمال رضا ۔۱۴۰۸۔ آپ نے فارسی میں بھی ایک منقبت کہی جس کے آخری شعر میں عیسوی سنہ وفات تخریج کیا ہے۔

چو پرسند احباب سال وفات
بگو! عروہ خاندان رضا (۱۱۴)

۱۹۸۸

امام احمد رضا کے پاک و ہند سے تعلق رکھنے والے ۵۲ خلفاء کے حالات

بقیہ ف۱: مفتی تقدس علی خاں کے خلیفہ مجاز ہیں۔ آپ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کے بانی ممبر اور نائب صدر ہیں۔ راقم کو آپ نے ۱۷ دسمبر ۱۹۹۳ء / ۲ رجب المرجب ۱۴۱۴ھ میں سلسلہ قادریہ رضویہ حامدیہ کی سند خلافت اور تمام مشاغل کی اجازت عطا فرمائی۔

ف۲: صاحبزادہ وجاہت رسول قادری ابن مولانا وزارت رسول قادری ابن مولانا مفتی ہدایت رسول قادری ادارہ تحقیقات کے موجودہ صدر ہیں آپ کو بھی مولانا تقدس علی خاں سے خلافت و اجازت حاصل ہے۔ آپ ۱۹۹۷ء میں حبیب بینک سے سینئر وائس پریذیڈنٹ کے عہدے سے سبکدوش ہوئے

۱۱۳؎ مجید اللہ قادری و صاحبزادہ وجاہت رسول "یادگار سلف" ص ۲۵۔ ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی ۱۹۹۱ء

۱۱۴؎ ایضاً

تذکرۂ خلفائے اعلیٰ حضرت میں تحریر کیے گئے ہیں اس میں سے چند نام مزید ملاحظہ کریں۔

- سید احمد اشرف کچھوچھوی
- مولٰنا احمد بخش صادق
- مولٰنا عبدالاحد پیلی بھیتی
- مولٰنا امام الدین کوٹلوی
- مولٰنا شریف الدین کوٹلوی
- مولٰنا محمد عمر الدین ہزاروی
- مفتی غلام جان ہزاروی
- سید محمد عبدالسلام باندوی
- مولٰنا نثار احمد کانپوری
- مولٰنا مفتی ہدایت رسول قادری لکھنوی
- مولٰنا محمد حسنین رضا ابن مولٰنا محمد حسن رضا بریلوی
- مولٰنا جمیل الرحمٰن قادری رضوی

تعارف کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن

ایک انسان اپنی عقلی کوشش سے بلند پایہ مصنف اور حامل افتخار ادیب تو بن سکتا ہے، ذاتی قابلیت اور محنت کے زور پر مختلف زبانوں کا ماہر تو ہو سکتا ہے، اپنی ذہانت اور فطانت کے باعث صرف و نحو، معانی و بیان، تاریخ و فلسفہ کا محقق تو بن سکتا ہے مگر قرآن عظیم جیسی الہامی کتاب کا مترجم / مفسر بننا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے لیے شرائط اتنی زیادہ سخت ہیں ایک ذی فہم مسلمان اس کام کی ابتدا سے قبل ہی کانپنے لگتا ہے کہ خدانخواستہ قلم ذرا سا بھی بہکا اور ترجمہ قرآن میں اگر لغزش واقع ہو گئی تو قول رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق اس کا ٹھکانہ جہنم کی آگ ہے اس لیے ضروری ہے کہ مترجم، ترجمہ قرآن سے قبل خود ہی اپنا محاسبہ کرے کہ آیا اس کے اندر وہ کامل استعداد اور بھرپور صلاحیتیں موجود ہیں یا نہیں اور وہ خود ان تمام شرائط پر پورا اُترتا ہے یا نہیں اگر وہ اپنے ایمان کی روشنی میں یہ محسوس کرتا ہے کہ میرے اندر وہ تمام شرائط موجود نہیں جو ایک مترجم کے لیے ضروری ہیں تو پھر اس شخص کو ترجمہ قرآن سے پرہیز کرنا ناگزیر ہو گا۔

امام احمد رضا خاں بریلوی کے ترجمہ قرآن سے قبل کئی معروف اور بعض غیر معروف تراجم عوام میں متعارف تھے ان تراجم کی تعداد ۵۰ سے کم نہیں تھی مگر ان میں اکثر تراجم ایک بار ہی شائع ہو سکے۔ امام احمد رضا کے زمانے میں شاہ برادران کے علاوہ ڈپٹی نذیر احمد دہلوی، سرسید احمد خاں، عاشق الٰہی میرٹھی، فتح محمد جالندھری اور مولوی اشرف علی تھانوی وغیرہ کے ترجمے عام تھے اور آپ کے ترجمہ قرآن کے بعد بھی کئی تراجم منظر عام پر آئے مثلاً مولوی محمود حسن دیوبندی، ابوالکلام آزاد، مولوی عبدالماجد دریا آبادی وغیرہ کے تراجم قرآن۔ یہ بات قطعی طور پر فہم سے بالاتر ہے کہ یکے بعد دیگرے اتنی کثرت سے تراجم قرآن کی کیا ضرورت تھی اور علماء نے ایک دوسرے کے ترجمے سے کن وجوہ کے باعث اختلاف کیا جب کہ بنیادی طور پر چند کے علاوہ تمام مترجمین کی ذہنی وفکری ہم آہنگی بھی تھی اور ان کی سوچ بھی ایک ہی نظر

آتی ہے۔ یہ بات بھی دیکھنے میں آئی ہے کہ ایک مترجم دوسرے مترجم کی تعریف و توصیف میں ذرّہ کو آفتاب بنا دیتا ہے مگر اسی کے ساتھ ہی ساتھ اپنا ترجمہ بھی پیش کر دیتا ہے جب کہ تحقیق نے ان دونوں تراجم کو ایک ہی ثابت کیا ہے سوائے مترجم کے نام کے۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ان اُردو تراجم قرآن کی کثرت سے ایک فائدہ حاصل ہوا کہ "اُردو ادب" میں نئے نئے الفاظ اور محاوروں کا کافی اضافہ ہو گیا۔ ان تمام اردو تراجم قرآن میں تحقیق کے معیار پر اُترتے والے تراجم قرآن کی تعداد بہت کم ہے جنہوں نے ترجمہ قرآن کا حق واقعتاً ادا کیا۔ ان ہی تراجم میں ایک ترجمہ قرآن امام احمد رضا خان قادری بریلوی کا بھی ہے جنہوں نے ۱۹۲۰ء میں "کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن" کے نام سے اس ترجمہ کا

مشہور روایت کے مطابق امام احمد رضا خان قادری بریلوی اپنے مشاغل میں اتنے مصروف رہا کرتے کہ صرف دو گھنٹے رات میں آرام کرتے یا دن میں کھانا کھانے کے بعد سُنّت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق کچھ دیر قیلولہ کرتے، ورنہ ۲۲ گھنٹے کتب بینی، تصنیف و تالیف، درس و تدریس باجماعت نماز پنجگانہ، ورد و ظائف اور خلق خدا کی دوسری خدمات دینیہ میں مصروف رہتے۔ (۱۱۵) ان تمام مصروفیات کے باوجود ایک دفعہ آپ کے ایک خلیفہ مولانا مفتی امجد علی والد ماجد علامہ عبد المصطفےٰ الازہری (المتوفی

۱۱۵؎ مولانا بدر الدین احمد قادری "امام احمد رضا اور ان کے مخالفین"، ص ـ ۱۱۹ ـ فضل نور اکیڈمی، گجرات ـ ۱۹۸۵ء

۱۴۱۰ھ/۱۹۸۹ء) (۱۱۶) نے امام احمد رضا بریلوی سے قرآن مجید کے صحیح ترجمہ کی ضرورت کے پیش نظر ترجمہ قرآن کی طرف توجہ کرنے کی گزارش کی آپ نے وعدہ تو فرما لیا لیکن دوسرے مشاغل دینیہ کی کثرت کے باعث تاخیر ہوتی رہی مگر جب مولانا امجد علی اعظمی کی جانب سے اصرار بڑھا تو امام احمد رضا بریلوی نے فرمایا :-

"مولانا امجد علی چونکہ ترجمہ قرآن کے لیے میرے پاس مستقل وقت نہیں ہے اس لیے آپ رات میں سونے سے پہلے یا دن میں قیلولہ کے وقت آجایا کریں۔" (۱۱۷)

چنانچہ مولانا حکیم محمد امجد علی اعظمی ایک دن شب میں بعد نماز مغرب کاغذ، قلم، دوات لے کر امام احمد رضا بریلوی کے پاس گئے اور پھر یہ دینی کام شروع ہوگیا، اس ترجمہ قرآن کا طریقہ یہ تھا کہ مولانا احمد رضا بریلوی بغیر کسی دوسری کتاب کی مدد کے آیات کریمہ کا ترجمہ فی البدیہہ ارشاد فرماتے جاتے اور مولانا امجد علی اس کو قلمبند کر لیتے۔ (۱۱۸)

تحقیق سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ شاہ رفیع الدین محدث دہلوی کے ترجمہ قرآن کے بعد کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن اپنی نوعیت کا دوسرا ترجمہ

---

۱۱۶ ؎ اخبار جنگ مورخہ ۱۹۸۹ء کراچی

۱۱۷ ؎ مولانا بدرالدین احمد قادری "امام احمد رضا اور ان کے مخالفین"، ص - ۲۷۴۔ فضل نور اکیڈمی گجرات ۱۹۸۵ء

۱۱۸ ؎ ایضاً ص - ۲۷۴

ہے جس میں مترجم کو کوئی کتاب دیکھنے کی ضرورت پیش نہیں آئی کیوں کہ مطالعہ وسیع اور قوت حافظہ مضبوط تھیں اس لیے مولانا امجد علی اعظمی آیت شریفہ کی تلاوت فرماتے اور مولانا احمد رضا بریلوی اردو زبان میں فی البدیہ اس کا ترجمہ املا کروا دیتے۔ سب سے حیران کن بات جو ترجمہ قرآن کے مخطوطہ میں دیکھنے میں آئی جس کا فوٹو اسٹیٹ اس راقم الحروف کے پاس اور ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کراچی کی لائبریری میں موجود ہے پورے ترجمہ قرآن میں صرف چند مقامات پر ایک لفظ کے بجائے کٹوا کر دوسرا لفظ لکھوایا ہے اس کے علاوہ اصل مخطوطہ کی تحریر نہایت صاف ستھری ہے۔ جس سے مولانا احمد رضا کی علمی گہرائی اور گیرائی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے نہ صرف دونوں زبانوں پر دسترس کا پتہ چلتا ہے بلکہ ساتھ ہی ساتھ وسعت مطالعہ کی بھی نشاندہی ہوتی ہے۔

راقم کو یہ مسودہ ۱۹۸۸ء میں مفتی عبدالمنان کلیمی کے توسط سے جو جامع اکرام العلوم نعیمیہ انسٹی ٹیوٹ مراد آباد میں شیخ الحدیث ہیں، ان کے دورۂ پاکستان کے موقع پر حاصل ہوا۔ اصل مسودہ ان کے کسی عزیز کے پاس کانپور میں موجود ہے۔ اصل مسودے کو موجودہ طبع شدہ کنز الایمان فی ترجمہ القرآن سے شروع سے آخر تک دیکھا کہیں کوئی فرق نہیں البتہ قدیم اردو کے رسم الخط کے چند لفظ ضرور جدید اردو رسم الخط میں لکھے پائے گئے ہیں اس کے علاوہ کوئی لفظ کم یا زیادہ نہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اصل مسودہ کی کیفیت بھی بیان کر دی جائے۔

اصل مخطوطہ ۳۲۵ بڑے صفحات پر مشتمل ہے (۱۱۹) جس پر صرف ترجمہ تحریر ہے قرآن پاک کا متن موجود نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ مولانا امجد علی آیات کی تلاوت فرماتے اور مولانا احمد رضا بریلوی فی البدیہہ اس کا ترجمہ املا کروا دیتے جس کو مولانا امجد علی قلمبند کر لیتے۔ مولانا امجد علی نے اکثر صفحات پر تاریخ بھی تحریر کر دی ہے لیکن شروع کے چھ صفحات حاصل نہ ہونے کی وجہ سے ابتدائی تاریخ اور دن کا تعین نہیں ہو سکا۔ سب سے پہلی تاریخ صفحہ ۳۱ پر درج ہے جو اس طرح لکھی ہے۔ "شب بست و نہم قبل عشا باختام جمادالاول " اسی طرح کئی صفحات پر جگہ جگہ تاریخ مذکورہ ہے۔ تمام تاریخوں میں لفظ شب ہی مذکور ہے جس سے اس بات کا پتا چلتا ہے کہ ترجمہ کا کام صرف مغرب و عشا کے درمیان کیا جاتا ہے کیونکہ ہر جگہ "شب قبل عشا" تحریر ہے، بعض جگہ تاریخ ترتیب کے ساتھ بھی لکھی گئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض دفعہ تسلسل کے ساتھ روزانہ یہ کام تھوڑا تھوڑا کیا جاتا تھا بعض جگہ دو مسلسل تاریخوں کے درمیان نصف، نصف پارے کا ترجمہ بھی ملتا ہے یعنی ایک نشست میں نصف پارہ کا ترجمہ بھی کر لیا جاتا تھا۔ ہر صفحہ پر ۱۷ یا ۱۸ سطریں بہت ہی گتھی ہوئی لکھی گئی ہیں بین السطور جگہ بہت کم ہے۔ صفحہ کا سائز ۳۶ × ۲۳ ہے۔ آخری صفحہ پر سورۃ الناس کے ترجمہ کے بعد مولانا امجد علی نے اپنا نام لکھ کر دستخط بھی کیے ہیں اس کی عبارت اس طرح ہے۔

---

۱۱۹ - امام احمد رضا خان قادری بریلوی (قلمی مسودہ) کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن "

صفحات ۳۲۵ ، ۱۳۳۰ھ

"شب ۲۸، جمادی الآخر ۱۳۲۰ھ کتابت فقیر ابو العلا امجد علی اعظمی غفرلہ"

اگرچہ آغاز ترجمہ کی تاریخ مذکور نہیں مگر بقیہ تاریخوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ کام وقفہ وقفہ سے برابر جاری رہا اور بعض دفعہ کئی کئی ہفتے ترجمہ کا موقعہ نہیں مل سکا مگر لگ بھگ ۱۳ رماہ کی جدوجہد کے بعد اردو کا یہ ترجمہ قرآن مکمل ہوسکا۔

قلمی مسوّدے میں صفحات کئی جگہ سے غائب ہیں۔ اس سلسلے میں جب مولانا منان کلیمی صاحب سے استفسار کیا گیا تو آپ نے بتایا کہ اصل مسوّدہ اتنی بوسیدہ حالت میں ملا کہ بمشکل صفحات کی فوٹو کاپی کرائی جاسکی اس لیے جگہ جگہ سے صفحات کم ہیں جو صفحات راقم الحروف کے پاس ہیں اس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

صفحہ ۶ سے صفحہ ۱۷۲ یعنی سورۃ بقرہ کی ۲۷ ویں آیات سے سورۃ مریم کی ۲۴ ویں آیت تک پھر صفحہ ۲۱۳ سے ۲۲۰ تک یعنی سورۃ النمل کی ۳۰ ویں آیت سے سورۃ القصص کی ۲۷ ویں آیت تک پھر صفحہ ۲۳۷ سے صفحہ ۲۵۲ تک یعنی سورۃ الاحزاب کی ۶۶ ویں آیت سے سورۃ الزمر کی ۷ ویں آیت تک پھر صفحہ ۲۸۷ سے صفحہ ۳۲۵ تک یعنی ابتدائی سورۃ الرحمٰن سے لے کر سورۃ الناس تک۔ کل ۷۵ صفحات مخطوطے کے گم ہیں مگر بقیہ تین چوتھائی کے لگ بھگ محفوظ ہے۔

اس قلمی مسوّدے کو دیکھ کر سب سے اہم بات جو میں نے محسوس کی وہ مولانا امجد علی کی دیانت تھی کہ انہوں نے اس ترجمہ قرآن کو جو انہوں نے اپنے ہاتھ سے

تحریر کیا اس کو اپنا ترجمہ نہیں بتایا اگر وہ دعویٰ کر دیتے تو اس دعوے کو کون غلط ثابت کر سکتا تھا مگر انہوں نے اسلامی تعلیمات کا لحاظ کرتے ہوئے اس امانت کو امانت ہی سمجھا۔

امام احمد رضا بریلوی اپنی تصنیف کا نام ہمیشہ تاریخی رکھا کرتے تھے چنانچہ ترجمہ قرآن جو ۱۳۳۰ھ میں مکمل ہوا آپ نے اس کا نام علم الاعداد کے مطابق "کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن"، رکھا۔ اس وقت سن عیسوی ۱۹۱۱ء تھا۔ کنزالایمان کی سن طباعت کے سلسلے میں کوئی شہادت میّسر نہ ہوئی البتہ مفتی محمد اطہر نعیمی (مفتی دارالعلوم نعیمیہ کراچی) اپنے والد ماجد تاج العلماء حضرت مولانا مفتی محمد عمر نعیمی (ف۱) (المتوفی ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۶ء) کے حوالے سے اس کی طباعت کے سلسلے میں روایت بیان کرتے ہیں کہ

ف۱ :۔ مفتی محمد عمر نعیمی ابن محمد صدیق ۱۳۱۱ھ/۱۸۹۲ء میں مراد آباد میں پیدا ہوئے۔ مفتی مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی سے دیگر علوم کے ساتھ ساتھ حدیث اور طب کی سند ۱۹۱۱ء میں حاصل کی۔ امام احمد رضا نے دستار بندی فرمائی۔ جامعہ نعیمیہ مراد آباد میں مدرس مقرر ہوئے اور بعد میں مہتمم بنے۔ شیخ المشائخ سید علی حسین کچھوچھوی کے ہاتھ پر بیعت ہوئے اور اجازت و خلافت پائی۔ ۱۹۱۹ء میں مراد آباد سے ماہنامہ "اسواد الاعظم"، جاری کیا اور ۲۵ برس تک اس کی اشاعت ہوئی۔ آپ نے آل انڈیا سُنّی کانفرنس میں نائب ناظم کی حیثیت سے تاریخی خدمت انجام دی اور ۱۹۴۶ء میں بنارس کانفرنس کے موقعہ پر بھرپور طریقے سے پاکستان کی حمایت کی۔ تقسیم کے بعد پاکستان تشریف لے آئے اور کراچی میں "دارالعلوم مخزن علوم عربیہ"، قائم کیا۔ جامع مسجد آرام باغ میں خطیب کی حیثیت سے خدمت انجام دی۔ کراچی میں ۱۳۸۵ھ/۱۹۶۶ء میں انتقال ہوا۔ (تذکرہ اکابر علمائے اہلسنّت ص ۴۹۶ ـ ۴۹۷)

"اعلیٰ حضرت کا جب ترجمہ قرآن کنزالایمان مکمل ہوگیا تو اس کی
کتابت کے سلسلے میں آبا جان سے کہا گیا کہ کتابت کے نمونے
لائے جائیں چنانچہ ۳ نمونے آپ کو پیش کیے گئے ان میں جو سب
سے اچھا خط تھا وہ ایک شیعہ کاتب کا تھا دوسرے درجہ پر جو
خط قرار پایا وہ وہابی کاتب کا تھا تیسرے درجہ کا خط جس کاتب کا تھا وہ
صحیح سنی العقیدہ مسلمان تھا اور اس کا نام سیّد ارشاد علی تھا۔
اعلیٰ حضرت نے تیسرے درجہ کی کتابت کو پسند کیا چنانچہ ارشاد علی
نے اس کی سب سے پہلے کتابت کی۔ (ارشاد علی کا پاکستان میں
آکر ۱۹۷۰ء کی دہائی میں انتقال ہوا تھا) جب کتابت مکمل ہوگئی
تو آبا جان اس کو مراد آباد لے گئے اور وہاں کے پریس "اہلسنّت
برقی پریس مراد آباد" سے پہلی مرتبہ کنزالایمان امام احمد رضا کی
حیات ہی میں شائع ہوا لیکن اس کی سن طباعت باوجود کوشش
کے حاصل نہ ہوسکی۔"

مولانا مفتی اطہر نعیمی صاحب نے مزید بتایا کہ جب مراد آباد ہی سے یہ
ترجمہ مولانا نعیم الدین مراد آبادی کے تفسیری حاشیہ کے ساتھ شائع ہوا تو اس
قرآن پاک میں متن کی کتابت شوکت علی نے کی تھی اور ترجمہ اور حاشیہ مولوی
عبدالودود نے لکھا تھا لیکن اس کی بھی اوّل سن طباعت حاصل نہ
ہوسکی۔

امام احمد رضا کے ترجمۂ قرآن کی طباعت کی صحیح تاریخ کا تعین تو نہیں کیا
جاسکا البتہ وہ آپ کی حیات ہی میں شائع ہوا ہے اس سلسلے میں اگر "الفقیہ"

کی پُرانی فائل میّسر آجائے تو اس میں ضرور اس کا ذکر ہوگا۔ راقم کو "الفقیہ" کا ایک حوالہ ملا جس کے ۱۹۲۶ء کے شمارے میں ایک اشتہار شائع ہوا ہے اس کا متن ملاحظہ کیجئے۔

"عنوان اشتہار " قرآن پاک کا سب سے نفیس ترجمہ "

ترجمہ کی خوبی حضرت مترجم اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مولانا قاری شاہ محمد احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی علمی جلالت سے ظاہر ہے۔ یہ ترجمہ قرآن پاک کے بین السطور تحت الالفاظ ۲۲ × ۲۶ تقطیع رف کاغذ پر ۴۸۸ صفحات میں طبع ہوا ہے جو اب تک ۳ روپے فی جلد کے حساب سے ہدیہ ہوتا رہا۔ بہت کم جلدیں باقی رہ گئی ہیں، ۱۴ فروری ۱۹۲۶ء تک کے لیے اس کا ہدیہ بجائے ۳ روپے کے دو روپے کر دیا گیا ہے رعایت کے دن اور قرآن پاک کی جلدیں دونوں کم رہ گئی ہیں شائقین جلد طلب فرمادیں ورنہ طبع ثانی کا انتظار کرنا پڑے گا۔ پتہ

منیجر نعیمی پریس مراد آباد چوکی حسن خان

(ماخوذ معارف رضا شمارہ ۱۹۹۵ ص ۱۲۴)

اس اشتہار سے یہ بات ثابت ہوئی کہ کنزالایمان مراد آباد سے شائع ہوا اور پہلا ایڈیشن بغیر حاشیہ کے شائع ہوا تھا اور زبانی روایت کے مطابق بھی یہ ترجمہ امام احمد رضا کی حیات ہی میں شائع ہوا۔

کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن کے عدد علم الاعداد کے مطابق مندرجہ ذیل

ہیں۔ مولانا عبدالحکیم اختر شاہجہان پوری (المتوفی ۱۹۹۲ھ) نے اپنی کتاب خصائص کنزالایمان،، میں اعداد کی تفصیل دی ہے (۱۲۰) مگر سہواً وہاں الف اور لام کے اعداد رہ گئے ہیں یہاں مکمل اعداد کی تفصیل پیش کی جارہی ہے ملاحظہ کیجئے۔

ک + ن + ز + ا + ل + ا + ی + م + ا + ن + ف + ی +

۲۰ + ۵۰ + ۷ + ۱ + ۳۰ + ۱ + ۱۰ + ۴۰ + ۱ + ۵۰ + ۸۰ + ۱۰ +

ت + ر + ج + م + ہ + ا + ل + ق + ر + ا + ن

۴۰۰ + ۲۰۰ + ۳ + ۴۰ + ۵ + ۱ + ۳۰ + ۱۰۰ + ۲۰۰ + ۱ + ۵۰

= ۱۳۳۰ء

امام احمد رضا خاں قادری بریلوی کے ترجمہ قرآن پر اب تک کئی حاشیے اور تفسیریں لکھی جاچکی ہیں، ساتھ ہی انگریزی، سندھی، بنگلہ، ڈچ اور ترکی زبان میں ترجمے کیے جاچکے ہیں جس کی تفصیل یہ ہے :-

(۱) کنزایمان فی ترجمۃ القرآن پر سب سے پہلا حاشیہ مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے رقم کیا تھا اور یہ مکمل حاشیہ "خزائن العرفان فی تفسیر القرآن،، کے عنوان سے تحریر کیا گیا تھا۔

(۲) سب سے پہلی تفسیر کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن کے ساتھ مولانا حشمت علی

---

۱۲۰ ۔ مولانا عبدالحکیم اختر شاہجہان پوری "خصائص کنزالایمان،، ص ۔ ۴ ،

مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۴۰۸ھ

۱۲۱ ۔ مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی "خزائن العرفان تفسیر القرآن" صفحات ۔ ۸۴۶ ۔

اہلسنّت برقی پریس مرادآباد انڈیا

خان قادری (المتوفی ۱۳۸۰ھ) نے "امداد الدیان فی تفسیر القرآن" (۱۲۲) کے نام سے ۱۳۶۸ھ میں لکھنا شروع کی مگر زندگی نے وفا نہ کی اور صرف سورۃ بقرہ (ف۱) کی تفسیر مکمل ہو سکی۔

(۳) پاکستان میں سب سے پہلے ۱۳۷۵ھ میں مولانا علامہ عبد المصطفےٰ الازہری (المتوفی ۱۹۸۹ء) نے کنز الایمان فی ترجمہ القرآن پر حاشیہ تحریر کیا مگر افسوس صرف ۵ پاروں کا حاشیہ "احسن البیان لتفسیر القرآن" (۱۲۳) کے نام سے اب تک طبع ہو سکا ہے۔

(۴) کنز الایمان پر ایک اور حاشیہ مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی (المتوفی ۱۳۹۱ھ/ ۱۹۷۱ء) نے "نور العرفان فی حاشیۃ القرآن" (۱۲۴) کے نام سے ۱۳۷۷ھ میں لکھا تھا اس کے کچھ ہی عرصے بعد آپ نے ایک مبسوط ضخیم تفسیر

---

۱۲۲ ۔ مولانا حشمت علی خان قادری "امداد الدیان فی تفسیر القرآن" مطبوعہ پیلی بھیت انڈیا ۱۳۶۸ھ

۱۲۳ ۔ علامہ عبد المصطفےٰ الازہری "احسن البیان لتفسیر القرآن" مکتبہ القرآن کراچی ۱۹۵۶ء

۱۲۴ ۔ مفتی احمد یار خان نعیمی "نور العرفان فی حاشیۃ القرآن" صفحات، ۱۰۰۰ ۔
پیر بھائی کمپنی لاہور ۔ ۱۳۷۷ھ

ف۱: ۔ تفسیر امداد الدیان کا کچھ حصہ یعنی سورۃ فاتحہ اور سورہ بقرہ کے پہلے رکوع کی تفسیر پیلی بھیت سے نکلنے والے رسالے ترجمان اہلسنت کی جلد اوّل کے حصہ سوم میں نظر سے گزری۔ یہ رسالہ مولانا حشمت علی کی سرپرستی میں شائع ہوتا تھا جس کو مولانا محمد طیب ابوطاہر صاحب مرتب کرتے تھے۔ اس کے کچھ حصے فقیر کو اپنے والد ماجد شیخ حمید اللہ قادری حشمتی علیہ الرحمہ (م ۱۹۸۹) کی ذاتی لائبریری میں ملے تھے (مجید)

نعیمی بھی لکھنا شروع کی مگر زندگی نے صرف ۱۲ پاروں تک وفا کی اور اس طرح تفسیر نعیمی (۱۲۵) ۱۲ جلدوں (ف۲) پر ۱۲ پاروں تک لکھی جا سکی جو کئی بار طبع ہو چکی ہے۔

(۵) سلسلہ قادریہ برکاتیہ مارہریہ حیدرآباد سندھ کے ایک معروف عالم دین مولانا مفتی خلیل احمد خاں قادری برکاتی (المتوفی ۱۹۸۴ء) نے بھی کنزالایمان پر حاشیہ تحریر کیا مگر اس کی بھی صرف ۵ پاروں تک اشاعت ہو سکی۔ آپ نے اس مختصر تفسیر کا نام "خلاصۃ التفاسیر" رکھا تھا۔(۱۲۶)

(۶) کنزالایمان کی روشنی میں ایک اور ضخیم تفسیر جو چھ جلدوں پر مشتمل ہے علامہ ابوالحسنات سید محمد احمد قادری (المتوفی ۱۹۸۰ء) نے وصال سے

۱۲۵ے مفتی احمد یار خان نعیمی "تفسیر نعیمی"، ۱۲ مجلدات، کل صفحات ۸۶۷۴۰ مکتبہ اسلامیہ گجرات

۱۲۶ے مفتی محمد خلیل احمد برکاتی قادری "خلاصۃ التفسیر"، مکتبہ قاسمیہ برکاتیہ حیدرآباد سندھ

ف۲: تفسیر نعیمی کی دو مزید جلد ۱۴ اور ۱۵ ضیاالقرآن پبلی کیشنز لاہور نے ۱۹۹۱ء اور ۱۹۹۲ء میں شائع کی ہیں۔ یہ تفسیر مفتی احمد یار خاں نعیمی کے بڑے صاحبزادے مفتی اقتدار احمد خاں نعیمی نے تحریر فرمائی ہیں اور آپ نے تفسیر میں اپنے والد ماجد کے ہی اسلوب کو برقرار رکھا ہے یعنی آپ نے پہلے تفسیری بیان پھر اعتراضات کے جواب لکھے اور جہاں کہیں ضروری ہوا وہاں آریوں اور دہابیوں کا رد بھی لکھا ہے اور آخر میں تفسیر صوفیانہ کے عنوان سے بھی تفسیر لکھی ہے ضیاءالقرآن اب مکمل ۱۵ پاروں کا سیٹ طبع کر رہا ہے۔ (مجید)

چند ماہ پہلے مکمل کی تھی جو "تفسیر الحسنات" (ف۱) کے نام سے ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور نے طبع کی۔ (۱۲۷)

(۷) کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن کو سب سے پہلے انگریزی زبان میں ڈاکٹر اختر حنیف فاطمی (م ۱۹۹۵ء) نے منتقل کیا جو پہلی بار ۱۹۸۴ء میں انگلینڈ سے شائع ہوا۔ (۱۲۸) اور دوسری بار پاکستان میں شائع ہوا۔

(۸) کنز الایمان کو پاکستان میں پہلی مرتبہ ملک کے نامور سیاستدان، سابق وفاقی وزیر جناب پروفیسر فرید الحق (ف۲) نے انگریزی میں منتقل کیا جو پاکستان

---

۱۲۷ علامہ ابو الحسنات محمد احمد قادری "تفسیر الحسنات" ۵ مجلدات کل صفحات ۵۴۱۲۔ ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور ۱۴۰۶ھ

۱۲۸ Fatmi, H.A. 1984 "Holy Quran" Quran Co. Ltd. Urdu Bazar Lahore. P.600.

ف۱: ابو الحسنات سید محمد احمد قادری ولد سید دیدار علی قادری الوری نے وصال سے ایک دن پہلے یعنی ۲ شعبان ۱۳۸۰ھ تک ۲۶ ویں پارہ سورہ ق کے دوسرے رکوع کی تفسیر مکمل کر لی تھی بقیہ کام ۲۰ سال بعد آپ کے فرزند سید محمد خلیل احمد قادری اشرفی نے مکمل کیا ضیاء القرآن ۲۵ پاروں تک تفسیر الحسنات شائع کر چکی تھی اب حال ہی میں اسکی چھٹی جلد جو ۳ پاروں ۲۶، ۲۷، ۲۸ پر مشتمل ہے ضیاء القرآن نے شائع کی ہے جو ۸۲۲ صفحات پر مشتمل ہے امید ہے کہ بقیہ دو پاروں کی تفسیر بھی ساتویں جلد کی صورت میں جلد از جلد منظر عام پر آجائے گی۔ (مجید)

ف۲: شاہ فرید الحق ان دنوں کنز الایمان پر مولانا نعیم الدین مراد آبادی کے حاشیہ خزائن العرفان کا انگریزی زبان میں ترجمہ کر رہے ہیں جو قسط وار "The MASSAGE INTERNATIONAL" میں شائع ہو رہا ہے۔ شاہ صاحب نے بتایا کہ عنقریب وہ حاشیہ کا ترجمہ مکمل فرمالیں گے۔ (مجید)

میں ۱۹۸۸ء میں پہلی بار طبع ہوا۔ (۱۲۹) حال ہی میں ورلڈ اسلامک مشن پاکستان نے اس کی دوبارہ اشاعت کی ہے۔

(۹) کنزالایمان اور خزائن العرفان دونوں کو پاکستان کی صوبائی زبان سندھی میں مفتی عبدالرحیم سکندری شیخ الحدیث جامعہ راشدیہ پیر جوگوٹھ نے ۱۹۸۸ء میں منتقل کیا۔ (۱۳۰)

(۱۰) بنگلہ زبان میں بھی کنزالایمان کا ترجمہ مولانا عبدالمنان صاحب نے مکمل کر لیا جو جزواً جزواً تسلسل کے ساتھ طبع ہو رہا ہے۔ رضا اکیڈمی چٹاگانگ اس ترجمہ کے کئی پارے طبع کر چکی ہے۔ (۱۳۱)

(۱۱) مولانا غلام رسول الہ دین نے کنزالایمان کا ہالینڈ (نیدرلینڈ) کی قومی زبان "ڈچ" میں ترجمہ کیا ہے جو امسٹرڈیم سے ۱۹۹۴ء میں شائع بھی ہوا۔ (۱۳۲)

(۱۲) مولانا اسماعیل حقی نے کنزالایمان کا ترجمہ جدید ترکی زبان میں کیا ہے جو ایمسٹرڈیم سے شائع ہوا ہے۔ یہ ترجمہ ڈچ ترجمہ کے ساتھ شائع ہوا

۱۲۹ے The Holy Qur'an (An English Translation from "Kanzul Iman") By Prof Shah Faridul Haque Darululum Amjadia, 1988, Karachi.

۱۳۰ے مفتی عبدالرحیم سکندری۔ کنزالایمان و خزائن العرفان۔ سندھی ترجمہ، ضیاء القرآن پبلی کیشنز لاہور۔ ۱۹۹۲ء

۱۳۱ے مولانا محمد عبدالمنان۔ بنگلہ ترجمہ قرآن۔ رضا اکیڈمی چاٹگام بنگلہ دیش ۱۹۸۹ء

۱۳۲ے مولانا غلام رسول الہ دین۔ کنزالایمان "ڈچ ترجمہ"، صفحات ایمسٹرڈیم ۱۹۹۴ء

ہے۔ ڈچ ترجمہ علیحدہ بھی شائع ہوا ہے۔ (۱۳۲)

(۱۳) مولانا نورالدین نظامی (پرنسپل مدرسہ عالیہ اورنٹیل کالج رامپور بھارت) نے کنزالایمان کا ہندی زبان میں ترجمہ مکمل کر لیا ہے جو زیر طبع ہے۔

(۱۴) قاری نورالہدی نعیمی (نائب صدر تحریک اشاعت القرآن ٹرسٹ کراچی) نے کنزالایمان کا پشتو زبان میں ترجمہ مکمل کر لیا ہے اور جلد ہی اس کی اشاعت ہونے والی ہے۔

(۱۵) چوہدری عبدالمجید (پرنسپل سینٹرل جیل اسٹاف ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ لاہور) نے بھی کنزالایمان کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا ہے جسے لاہور سے اویسی کمپنی نے ۱۹۹۵ء میں شائع کیا ہے۔

کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن کی مخالفت اور تائید میں کتابوں کی اشاعت

کنزالایمان فی ترجمۃ القرآن پر ۱۹۸۲ء میں حکومت متحدہ امارات کے وزیر انصاف، اوقاف اور امور مذہبیہ نے رابطہ عالم اسلامی کے سیکرٹری جنرل محمد علی الحرکان کی تحریک پر جو بنیادی طور پر پاکستان کے سیاسی و مذہبی گروہوں کے ایما پر مبنی تھی، مولانا احمد رضا خاں قادری بریلوی کے ترجمہ قرآن پر مولانا محمد نعیم الدین مراد آبادی کے تفسیری حاشیہ موسومہ "خزائن العرفان"، پر پابندی عائد کر دی اور اس کے دستیاب نسخے ضبط کرنے کا حکم جاری کیا، ساتھ ہی تمام

۱۳۲؎ مولانا اسمٰعیل حقی "کنزالایمان"، (ترکی ترجمہ) صفحات ۱۱/۱ ایمسٹرڈیم ۱۹۹۴ء

کو تلف کرنے کا اعلان کیا، بعد ازاں سعودی حکومت نے بھی اسی مضمون پر مبنی احکام جاری کیے۔ (۱۲۴) نتیجتاً انڈیا پاکستان میں خصوصاً اور دیگر عالم اسلام میں عموماً اس پابندی کے خلاف سخت احتجاج ہوئے اور اس پابندی کو اٹھانے کی اپیلیں کی گئیں۔ سیاسی اور مذہبی دونوں گروہوں نے پاکستان میں خصوصاً سخت نوٹس لیا اور یہاں کے علماء نے ان دونوں ممالک میں یادداشتیں بھی بھیجیں۔ یہاں میں اس بحث کو طول دینا نہیں چاہتا بس اتنا بتانا چاہتا ہوں کہ تاریخ میں پہلی دفعہ عرب ممالک میں جہاں تمام باشندے عربی ہی بولتے ہیں اُردو ترجمہ قرآن پر پابندی عائد ہونے سے اسی بات کی نشاندہی ہوئی کہ یقیناً اُردو بولنے والے لوگوں نے وہاں کی حکومت سے سفارش کی ہوگی کہ اس ترجمہ اور تفسیر پر جو ان کی نظر میں درست نہیں تھا قانوناً اس پر پابندی عائد کی جائے جیسا کہ خلیج ٹائم نے لکھا۔

"The Ministry of Justice, Islamic Affairs and Auqaf confirmed yesterday that it had banned an Urdu translation of the Holy Quran because it contained a number of errors and inaccuracies of fundmental nature.

The Ministry said it had acted on a recomm-

۱۲۴۔ (الف) "اخبار خلیج ٹائم"، مورخہ ۵ مارچ ۱۹۸۲ء ص ۲۔ متحدہ عرب امارات

(ب) "اخبار رابطہ العالم الاسلامی"، مورخہ ۲۵ مئی ۱۹۸۲ء مکہ مکرمہ سعودی عرب

endation on this effect from the Mecca based organization, Rubita Al Alam Al Islam. The book concerned is a translation and Interpretation of the Holy Book by Mohammad Naimuddin Muradabadi published by Taj Co. Ltd. of Lahore, Pakistan. A memorandum from the Rubita signed by its secretary general M. Ali Al Harkan, lists the violations and errors on 15 pages of the 964 page book. The memorandom sent to all Islamic Nations and Institutions." ۱۳۵

ان اخبارات کے حوالے سے جب یہ خبریں پاکستان اور انڈیا میں شائع ہوئیں تو مخالف اور موافق افراد نے کنزالایمان کے رد میں اور تائید میں کتابیں لکھنا شروع کیں۔ حقیقت میں یہ ہی بات میری تحقیق کا محرک بنی اور میں نے اس بات کا ارادہ کیا کہ کنزالایمان کا مکمل طور پر مطالعہ کیا جائے اور دیکھا جائے کہ اس میں کون سی آیات کا ترجمہ من گھڑت اور جمہور کے عقائد کے خلاف ہے اور باقی تراجم بھی معیاری ہیں یا نہیں چنانچہ ان تمام امور کی تحقیق کی گئی اور جو نتیجہ برآمد ہوا وہ آخر میں تحریر ہے دیکھا جا سکتا ہے یہاں میں ان کتابوں کے نام پیش کرنا چاہتا ہوں جو مخالفت اور تائید میں لکھی گئیں جب کہ اس سے پہلے کسی بھی ترجمہ قرآن کے خلاف نہ اس طرح پابندی عائد کی گئی اور نہ ہی اس کی مخالفت یا تائید میں کوئی کتاب لکھی گئی۔

کنزالایمان فی ترجمہ قرآن پر پابندی عائد ہونے کے بعد سب سے پہلے

---

۱۳۵ English Newspaper "Khaleej Times" Page 2. U.A.E date 05-March 1982

اس ترجمہ کی مخالفت میں مولوی اخلاق حسین قاسمی دہلوی نے ایک رسالہ بعنوان "بریلوی ترجمہ قرآن کا علمی تجزیہ" کے نام سے ۱۹۸۳ء/۴-۴-۱۴ھ میں لکھا جو ۱۵۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ مولوی قاسمی نے ان صفحات میں جو کچھ کہنا ہے اس کو مندرجہ ذیل تحریر کی روشنی میں بخوبی سمجھا جاسکتا ہے۔

"رابطہ عالم اسلامی نے مولانا احمد رضا خاں صاحب بریلوی کے ترجمہ قرآن بنام "کنزالایمان" پر پابندی لگا دی ہے۔ اس پابندی پر بریلوی حضرات بہت پَراغ پا ہیں۔ لیکن ان ناراض ہونے والے بھائیوں کو شاید یہ معلوم نہیں کہ مولانا بریلوی کے ترجمے اور مولانا نعیم الدین صاحب کے حاشیہ میں اصول ترجمہ اور امت کے مسلمہ اور متفقہ عقائد کے خلاف کتنا قابلِ اعتراض مواد پایا جاتا ہے۔

اکابر علماء دیوبند نے احتیاط کی بنا پر خان صاحب کے بعض مبتدعانہ اور قریب بہ شرک خیالات پر غلبہ محبت کا پردہ ڈال کر خاں صاحب کو تکفیر سے بچانے کی کوشش کی ہے لیکن جہاں تک قرآنِ کریم کے ترجمہ کا تعلق ہے اس میں غلبہ محبت کی تاویل ناقابلِ تقسیم ہے۔ کتاب اللہ العظیم اسلام کے بنیادی تصورات وعقائد کی اول وآخر کتاب ہے اس کے عجمی ترجمہ میں کسی فرقہ کا اپنے مزعومہ خیالات کو داخل کرنا انتہائی ضلالت و خیانت ہے۔"(۱۳۶)

۱۳۶ـ مولوی اخلاق حسین قاسمی دہلوی "بریلوی ترجمہ قرآن کا علمی تجزیہ" ص ـ ۲۵ / ۲۶

اس کے علاوہ مولوی اخلاق حسین قاسمی نے "محاسن موضح قرآن"، (۱۲۷) کے نام سے بھی ایک کتاب لکھی جس میں کنزالایمان پر سخت تنقید کی گئی ہے اور شاہ عبدالقادر کے ترجمہ قرآن کو الہامی ترجمہ قرار دیا گیا ہے۔

مولوی اخلاق حسین قاسمی دہلوی کے علاوہ اور کسی نے کنزالایمان کے رد میں کوئی مبسوط رسالہ وغیرہ نہیں لکھا۔ محترمہ ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین نے اپنی کتاب "قرآن حکیم کے اُردو تراجم"، میں جو تبصرہ کیا ہے وہ مندرجہ ذیل ہے:-

"امام احمد رضا قرآن میں غیر معمولی بصیرت رکھتے تھے
امام احمد رضا کا شمار عالم اسلامی کے ان خواص علماء میں ہوتا ہے جن کی قامت پر "رسوخ فی العلم"، کی قبا راست آتی ہے قرآن کریم سے ان کو غیر معمولی شغف تھا انہوں نے اللہ کے کلام میں برسوں تدبر کیا۔ اسی مسلسل تدبر و فکر کا نتیجہ تھا کہ امام احمد رضا کو قرآن پاک سے خاص نسبت ہو گئی ان کا ترجمہ قرآن ان کے برسوں کے فکر و تدبر کا نچوڑ ہے۔" (۱۳۸)

۱۲۷ے مولوی اخلاق حسین قاسمی دہلوی "محاسن موضح قرآن"، صفحات ـ ۸۵۶
دوالنورین اکادمی سرگودھا ۱۹۸۲ء

۱۳۸ے ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین "قرآن حکیم کے اُردو تراجم"، ص ـ ۳۲۲/۳۲۳
قدیمی کتب خانہ کراچی

ڈاکٹر صالحہ نے چند صفحات قبل مولانا احمد رضا کے ترجمہ پر ان الفاظ میں اظہار خیال کیا ہے۔

"ناچیز کے نزدیک کسی ترجمہ کو اچھا یا بُرا کہنا مناسب نہیں معلوم ہوتا لیکن موجودہ بحث و تحقیق کا تقاضا ہے کہ ترجمہ کے محاسن اور عیوب کو واضح کیا جائے۔ مولانا کی ذہانت اور علمیت ان کے ترجمے سے خوب عیاں ہے لیکن جہاں تک زبان اُردو کا تعلق ہے اس میں وہ شستگی نہیں جو اتنے بڑے عالم سے متوقع ہے۔" (۱۳۹)

کنزالایمان فی ترجمہ القرآن کے رد میں لکھی جانے والی کتابیں چند ہیں، جبکہ پابندی کے بعد اس کی تائید میں لکھی جاتے والی کتابوں کی خاصی تعداد ہے جس سے اس بات کا اندازہ ہوا کہ ترجمہ قرآن کے مخالفین زیادہ نہیں ہیں۔ ذیل میں چند کتابیں ملاحظہ ہوں جو کنزالایمان کی تائید اور اس کی مخالفت کے دفاع میں لکھی گئیں۔

(۱) مولانا عبدالستار خان نیازی "کنزالایمان کے خلاف سازش اور اس کے مثبت جواب"، صفحات ۴۰، مرکزی مجلس لاہور ۱۴۰۳ھ

(۲) ملک شیر محمد خان اعوان آف کالا باغ "محاسن کنزالایمان"، صفحات ۸۰ مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۴۰۲ھ

۱۳۹۔ ڈاکٹر صالحہ عبدالحکیم شرف الدین "قرآن حکیم کے اُردو تراجم"، ص۔ ۳۱۸ قدیمی کتب خانہ کراچی

(۳) مولانا غلام رسول سعیدی "ضیائے کنزالایمان"، صفحات ۲۷ مرکزی مجلس رضا لاہور ۱۳۹۸ھ

(۴) مولانا قاری رضاء المصطفٰی "قرآن شریف کے غلط ترجموں کی نشاندہی" صفحات ۱۶ مکتبہ رضویہ نوریہ سکھر ۱۴۰۲ھ

(۵) علامہ عبدالحکیم خاں اختر شاہجہانپوری "خصائص کنزالایمان"، صفحات ۶۴ مرکزی مجلس امام اعظم لاہور ۱۴۰۸ھ

(۶) مولانا محمد صدیق ہزاروی "کنزالایمان تفاسیر کی روشنی میں"، صفحات ۲۴ رضا اکیڈمی لاہور ۱۹۸۸ء

(۷) مولانا حافظ مبین الہدیٰ نورانی "امام احمد رضا کا ترجمہ قرآن اور مسلک اسلاف"، صفحات ۳۲ بزم رضا جمشید پور انڈیا ۱۹۸۲ء

(۸) علامہ عبدالقدوس مصباحی "امام احمد رضا اور ترجمہ قرآن پاک تحقیق کے اجالے میں"، صفحات ۳۲۵ نوری کتب خانہ الہ آباد انڈیا ۱۹۸۳ء

(۹) اراؤ سلطان المجاہد طاہری "ایک قرآن۔ایک ترجمہ"، حصہ اوّل۔ دوم۔ صفحات ۷۷۴ لائبریری فکر رضا و طاہر فیصل آباد ۱۹۸۶ء

(۱۰) پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری "کنزالایمان اور اس کی فنی حیثیت"، صفحات ۴۰ مرکزی ادارہ منہاج القرآن لاہور ۱۹۸۷ء

(۱۱) علامہ سعید بن یوسف زئی "کنزالایمان اہل حدیث کی نظر میں"، بحوالہ معارف رضا ص ۔ ۹۰/۱۰۰ مطبوعہ کراچی ۱۹۸۳ء

(۱۲) مفتی اختر رضا خان الازہری "دفاع کنزالایمان"، صفحات ۴۰، سنی دنیا بریلی انڈیا ۱۹۸۲ء

(۱۳۱) مولانا عبدالرزاق حطاروی "تسکین الجنان فی محاسن کنزالایمان" صفحات ۲۲۴، اسلام آباد ۱۴۰۷ھ/۱۹۸۷ء

اس کے علاوہ پاک و ہند کے کئی رسالوں اور جرائد میں کنزالایمان کی تائید میں مضامین لکھے گئے ہیں جس میں مؤلفین نے اپنے طور پر اعتراضات کا دفاع کیا ہے اور مولانا کے ترجمہ قرآن کو اسلاف کی تفاسیر کے قریب تر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہاں چند اسکالرز اور محققین کا مؤقف کنزالایمان سے متعلق پیش کیا جا رہا ہے ملاحظہ کیجیے:۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری اس سلسلے میں رقمطراز ہیں:۔

"میرا یہ عقیدہ ہے کہ اعلیٰ حضرت کا ترجمہ قرآن، الفاظ قرآن کی توجہ اتحادی کے فیضان سے معمور ہے۔ جو حسن خوبی، ربط و نظم اور روانیٔ بیان الفاظِ قرآنی میں ہے ان کی جھلک اعلیٰ حضرت کے ترجمہ قرآن میں بدرجۂ اتم دکھائی دیتی ہے۔ یوں لگتا ہے کہ اعلیٰ حضرت کی روح قرآن حکیم کے ایک ایک لفظ کی توجّہ اتحادی کا محل بنی ہوئی ہے۔ فرق یہ ہے کہ وہ خدا کا کلام ہے اور یہ بندے کا جو حسن نظم قرآن میں ہے ترجمہ اس کا آئینہ دار ہے بیان کا جو زیر و بم الفاظ قرآنی میں ہے اس کی جھلک ترجمے میں بدرجہ اتم موجود ہے۔ اعلیٰ حضرت کا ترجمہ قرآن سامنے ہو تو پتہ چلتا ہے کہ جس طرح قرآن کا اپنا ایک اسلوب ہے جو نہ تقریری ہے نہ تحریری بلکہ ایک جداگانہ اور منفرد اسلوب ہے اسی طرح اس عظیم ترجمے کا بھی اپنا خاص اسلوب ہے جو نہ تقریری کہا جا سکتا ہے نہ تحریری اور جس طرح قرآنی

اسلوب بیان کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی اسی طرح یہ ترجمہ بھی بے نظیر و بے مثال ہے۔" (۱۴۰)

پروفیسر ڈاکٹر رشید احمد جالندھری (ڈائریکٹر ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور) اُردو زبان میں کیے گئے قرآنی تراجم پر روشنی ڈالتے ہوئے رقمطراز ہیں :-

"اُردو زبان میں جن اہلِ علم نے ترجمے کیے آدمی ان کی نیکی، اخلاص اور محنت کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکتا لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ ان تراجم کی اکثریت ایسی ہے جو قرآن مجید کے بے مثال ادبی و معنوی حسن کی ترجمانی نہیں کرتی۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ ان خدا ترس اہلِ علم کو اُردو زبان کے ادبی سرمایہ پر عبور حاصل نہیں تھا، نیز یہ کہ ہر زبان کا اپنا اسلوب بیان ہے جس کا ترجمہ ملحوظِ خاطر رکھنا ضروری ہے۔ مثلاً کہا جاتا ہے "ذھب فلان" "He went." لیکن اس کا ترجمہ اُردو زبان میں شخصیت کے مقام و مرتبہ کا لحاظ رکھتے ہوئے جمع کے ساتھ کیا جائے گا، مثلاً وہ تشریف لے گئے۔ اگر کسی بڑی علمی و مذہبی، خاص طور پر پیغمبر کی ذات گرامی کے ذکر میں عربی یا انگریزی سے ترجمہ مفرد ہی کیا جائے، تو وہ ذوقِ سلیم پر گراں گزرے گا چنانچہ ترجمہ اور تشریح میں ادب کا ملحوظ

۱۴۰ے پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری "کنزالایمان اور اس کی فنی حیثیت"، ص۔ ۳۲/۳۳ مرکزی ادارہ منہاج القرآن لاہور ۱۹۸۷ء